تفضیلی مذہب پر ایک کتاب

سید عبدالقادر جیلانی

زُبدَةُ التّحقیق

(مسئلہ افضلیت کا تحقیقی جائزہ)

﴿تصنیف﴾

سیّد عبدالقادر جیلانی

☆☆☆☆☆

نام کتاب: **زُبدةُ التحقیق**

مصنف: سیّد عبدالقادر جیلانی

تعداد: دو ہزار

اشاعت: شعبان المعظم ۱۴۳۱ھ بمطابق جولائی 2010ء

کمپوزنگ: انعام الحق قادری، عبدالرحمٰن

پروف ریڈنگ: علامہ سیّد مظہر حسین شاہ گیلانی

ھدیہ: 350 روپے

(بحسنِ اہتمام)

انٹرنیشنل مسلم موومنٹ

دارالعلوم قادریہ جیلانیہ ۔ لندن

Phone:0044-208 5204121

۱۔ سیّد مظہر حسین شاہ گیلانی، دارالعلوم قادریہ جیلانیہ، والتھم سٹو، لندن
Ph:0044-7940225723.

۲۔ اشتیاق علی قادری، 50 Knotts Green Road, E10 6D Leyton, London. Uk.Ph:0044-7944448954

۳۔ حافظ محمد عمران قادری، Sint Willi Brordusstraat, 53 1074 XK, Amsterdam. Holland. Ph:0031-642977566

۴۔ عزیز حیدر قادری، قادریہ جیلانیہ پبلیکیشنز دارالعلوم قادریہ جیلانیہ، ٹینچ بھاٹہ، راولپنڈی فون: 0300-5112339

۵۔ چشتی کتب خانہ، ارشد مارکیٹ، جھنگ بازار، فیصل آباد۔ فون: 0323-7655155

۶۔ اسلامک بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک، راولپنڈی 051-5536111

۷۔ احمد بک کارپوریشن، اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی 051-5558320

۸۔ عباسی کتب خانہ، جونا مارکیٹ جوڑیا بازار کراچی

۹۔ نظامیہ کتاب گھر، زبیدہ سنٹر 40 اردو بازار، لاہور 0301-4377868

۱۰۔ دارالعلم، سستا ہوٹل دربار مارکیٹ، لاہور

۱۱۔ قادری رضوی کتب خانہ، گنج بخش روڈ لاہور

۱۲۔ اسلامی کتب خانہ، کچہری روڈ، ایبٹ آباد فون 0346-9588990

۱۳۔ کتب خانہ، دربار عالیہ گولڑہ شریف

۱۴۔ درویش کتب خانہ، دربار عالیہ دھنکہ شریف لساں نواب مانسہرہ

۱۵۔ القلم بک سنٹر، صدر بازار ہری پور۔

انتساب

فقیر اپنی اس کاوش کو اپنے جدِ امجد وارثِ علوم مرتضویہ، واقفِ اسرار ربانی، محبوبِ سبحانی، غوثِ صمدانی، سلطان الاولیاء، غوث الثقلین، والئ بغداد، شہنشاہِ جیلان

پیران پیر سیّد عبدالقادر جیلانی الحسنی والحسینی قدس سرہ النورانی

کے اسم گرامی سے منسوب کرتا ہے، جن کی باطنی توجہات ہمیشہ شاملِ حال رہتی ہیں، جن کی فصاحت و بلاغت اور کمالاتِ علمیہ کے سامنے فصحاء و بلغاء انگشت بدنداں رہ جاتے تھے اور جملہ اقطاب و اولیاء جن کے آستانِ فیض رساں پر کاسۂ گدائی لئے حاضر ہوتے ہیں اور علم و عرفان کی خیرات پاکر آسمان معرفت کے درخشندہ ستارے بنتے ہیں۔

حُسن ترتیب

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۴۴	☆......فقہاء و محدثین کا ایک نکتہ نظر	209
۴۵	☆......امام المتکلمین امام زید ﷺ کا نظریہ	214
۴۶	☆......استاذ ابوزہرہ مصری کی تحقیق	218
۴۷	☆......اجماع کا پس منظر	219
۴۸	☆......امام خطابی کی تحقیق	232
۴۹	☆......حضرت ابوہریرہ ﷺ کا نظریہ	244
۵۰	☆......فرزندِ رسول حضرت ابراہیم ﷺ کی افضلیت	245
۵۱	☆......ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی افضلیت	246
۵۲	☆......حضرت عبداللہ بن مسعود ﷺ کی افضلیت	249
۵۳	☆......سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت	250
۵۴	☆......حضرت عباس ﷺ کا نظریہ	252
۵۵	☆......حضرت امام حسن مجتبیٰ ﷺ کا نظریہ	253
۵۶	☆......سیّدہ زہرا رضی اللہ عنہا اور سیّد ابراہیم ﷺ کی افضلیت پر اتفاق	254
۵۷	☆......حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اور مقام علی المرتضیٰ ﷺ	257
۵۸	☆......حضرت سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور نظریہ	260
۵۹	☆......حضرت زبیر بن العوام ﷺ کی افضلیت	261
۶۰	☆......حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ ﷺ کا نظریہ	262
۶۱	☆......فرمان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: ''علی امام المتقین''	263
۶۲	☆......علی خیر البریہ	264
۶۳	☆......افضلیت علی ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم	266
۶۴	☆......سیّد شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ	277
۶۵	☆......امام زید ﷺ کا مقام و مرتبہ	278
۶۶	☆......ایک شبہ کا ازالہ	286

نمبر شمار	عنوان	صفحہ نمبر
۸۹	☆......سائل کا سوال اور اس کا جواب	362
۹۰	☆......تطبیق عملی	363
۹۱	☆......سائل کا بڑا علمی سوال	364
۹۲	☆......امام سیوطی کے قول "ان آیات میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں" کا جواب	368
۹۳	☆......"الاتقی" بمعنی "تقی" کی تحقیق	370
۹۴	☆......علماء عقائد کی آراء	372
۹۵	☆......قواعد کی آئینی حیثیت	375
۹۶	☆......علامہ جلال الدین سیوطی کے قول کا جائزہ	377
۹۷	☆......الف لام عہدی ذکری کی تطبیق عملی	377
۹۸	☆......حضرت ابوبکر صدیق ﷺ الاتقی ہیں	385
۹۹	☆......ایک اور استدلال کا جواب	387
۱۰۰	☆......کیا عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا؟	388
۱۰۱	☆......ایک ضروری نوٹ	391
۱۰۲	☆......امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ جات	395
۱۰۳	☆......حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی افضلیت کی دوسری آیت	397

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

نوٹ: شعبہ پروف ریڈنگ نے انتہائی محنت، لگن اور توجہ کے ساتھ اس کتاب کی پروف ریڈنگ کی ہے، تاہم غلطی یا کوتاہی بشری تقاضوں میں شامل ہے۔ کسی جگہ آپ کو تحریر میں کمی بیشی یا پروف ریڈنگ کی غلطی یا عربی عبارت میں اعراب کی کوئی غلطی نظر آئے تو براہ کرم ادارہ کو آگاہ فرمائیں، ادارہ آپ کا شکر گزار ہوگا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

☆ مسئلہ افضلیت میں متاخرین کے کئی مذاہب ہیں (امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ، م ۳۸۸ھ)

☆ حضرت ابوبکر صدیق و علی مرتضٰی رضی اللہ عنہما میں سے کسی کو بھی افضلیت دینے والا گنہ گار نہیں ٹھہرے گا۔ (امام ابوبکر باقلانی اشعری شافعی رحمۃ اللہ علیہ، م ۴۰۳ھ)

☆ تابعین میں سے دوسرے سنی متکلم امام زید بن امام زین العابدین بن امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہم ہیں۔ (امام ابوالمنصور عبدالقاہر بغدادی اشعری شافعی رحمۃ اللہ علیہ)

☆ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے امام زید رضی اللہ عنہ کے دستِ اقدس پر بیعت فرمائی۔
(امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ)

☆ امام زید رضی اللہ عنہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ کرام سے افضل جانتے تھے اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے (امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ)

☆ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اہلسنت کے بعض علماء اور صوفیائے کرام رحمۃ اللہ علیہم حضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قائل تھے (شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ)

اظہار تشکر

ازقلم پیرِ طریقت حضرت پیر سیّد صابر حسین شاہ گیلانی قادری (ایم اے اُردو، فاضل فارسی)

تحقیق و تدقیق کی اعلیٰ ترین بلندیوں کو چھونے والی اس کتاب کا موضوع مسئلہ تفضیل ہے جس کے بارے میں جمہور اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ امیرالمومنین خلیفہ اوّل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اُمت میں سب سے افضل ہیں۔ جسکی تصریح شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اپنی کتاب تکمیل الایمان میں فرمائی ہے اور دیگر معتبرات اہلسنت سے اس مسئلہ کی وضاحت آپ اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں گے اور ہم بحمدہٖ تعالیٰ اس مسئلہ میں جمہور والا عقیدہ رکھتے ہیں۔ البتہ اس مسئلہ میں اختلاف تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور سے ہی چلا آرہا ہے۔

مثلاً: حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ یہ تھا کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل خاتون جنت سلام اللہ علیہا ہیں۔ کچھ علماء کے نزدیک خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سب سے افضل ہیں کچھ کے نزدیک حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ کچھ کے نزدیک حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ۔ اور ایک بڑی تعداد جن میں اکثریت فقہاء صحابہ کرام کی تھی، حضور مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کو افضل مانتی تھی۔ اسی طرح ائمہ اہل بیت بھی مولائے کائنات رضی اللہ عنہ کو افضل جانتے تھے۔ یہاں تک کہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی حضرت امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھی جو مولائے کائنات کو افضل جانتے تھے۔ اور بعض علماء کرام کا تو یہ خیال ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو سرکار

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظاہری حیات طیبہ میں شہید ہوئے وہ افضل ہیں۔

ان حقائق اور اختلاف کی موجودگی میں اجماع امت کا دعوی کیونکر کیا جاسکتا ہے۔لیکن اس کے برعکس وہ لوگ جو بغض علی رضی اللہ عنہ میں اپنا ثانی نہیں رکھتے انہوں نے اس ماحول کو غنیمت جانا اور سوچا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذات پاک کی آڑ لے کر بغض علی کی آگ کو مزید بڑھکایا جائے۔چنانچہ مسئلہ تفضیل پر ''اجماع امت'' کا ایسا پرتشدد دعوی کر دیا کہ اختلافی رائے رکھنے والوں کو خارج از اہلسنت اور گمراہ قرار دیا۔

کاش! ان لوگوں کو واقعۃً حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت ہوتی تو انکا یہ اندازِ موازنہ نہ ہوتا کیونکہ عشق صدیق رضی اللہ عنہ رکھنے والا کبھی مولائے کائنات رضی اللہ عنہ سے بغض نہیں رکھ سکتا۔

بہر حال حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جیسی پاک ذات کو بغض علی رضی اللہ عنہ کے لئے آڑ کے طور پر استعمال کرنا ناصبیوں کی پرانی ریت ہے۔سو دور حاضر کے ناصبیوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس ماحول میں خوب ناصبیت کا پرچار کیا اور اہلسنت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی کوشش کی۔اور چند دلائل جو اپنے معنی و مراد پر ہرگز قطعیت کے مفید نہیں پیش کئے۔اور علمی و قلمی خیانت کے ریکارڈ قائم کئے۔دعوی اجماع تو کر دیا لیکن اجماع امت منعقد ہونے کا کوئی ثبوت پیش نہ کر سکے۔جبکہ مذکورہ بالا روایات موجود ہیں اور اجماع کا ثبوت نہیں تو یہ حضرات ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے بارے میں کیا فتویٰ صادر کریں گے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علاوہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو افضل سمجھتے ہیں۔

ان روایات سے یہ ثابت ہوا کہ کسی صحابی کو افضل سمجھنے کی بنیاد پر کسی بھی مسلمان کو رافضی یا خارجی ہرگز نہیں کہا جاسکتا ورنہ ان عظیم ہستیوں کے بارے میں کیا کہا جائے گا

بس اسی ضرورت کے پیش نظر ان عظیم القدر ہستیوں کی عظمت کے تحفظ کی خاطر حضرت مفکر اسلام نے قلم اٹھایا اور مسلک حق اہل سنت کی ترجمانی فرماتے ہوئے افراط و تفریط سے پاک تحقیق پیش فرمائی۔

بنیادی طور پر اس کتاب کا سبب تصنیف بعض غیر ذمہ دار لوگوں کے تعصب پر مبنی وہ فتوے ہیں جنکی زد میں صحابہ کرام، ائمہ اہل بیت رضی اللہ عنہم اور مشاہیر اہل سنت کی ذوات مقدسہ آتی ہیں۔ وہ کونسی سنیت ہے جو اہل بیت اطہار و صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد کو شامل کئے بغیر سنیت کہلائے جبکہ معیار سنیت یہی حضرات ہیں ورنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ جیسی شخصیت کی سنیت مشکوک ہو جائے۔

یقیناً ان قدسی صفات ذوات کی سنیت کو مشکوک سمجھنا ہی دراصل اہل سنت نہ ہونے کی نشانی ہے۔ یہ شر پسند گروہ مسئلہ تفضیل کی آڑ میں جن گھناؤنے اور خطرناک نتائج کی طرف دعوت دے رہا تھا اُمت کو ان بھیانک حالات سے بچانے اور اُمت کی دستگیری کیلئے حضرت دستگیر رضی اللہ عنہ کے شہزادے کو قلم اٹھانا پڑا اور واضح کرنا پڑا کہ مسئلہ تفضیل ظنی ہے قطعی نہیں، جمہوری ہے اجماعی نہیں اور نہ ہی یہ ضروریات دین کا مسئلہ ہے۔ انشاء اللہ کتاب میں یہ بات دلائل کے ذریعے بالکل واضح ہو جائیگی۔

اس پر فتن اور بھیانک دور میں جہاں بدعقیدگی کے نئے نئے فتنے جنم لے رہے ہیں اور اسلام کی بنیادوں کو کھوکھلا کر رہے ہیں۔ وہاں سنی نما ناصبی علماء عالمانہ لباس و وضع قطع میں اختلاف و افتراق کی داغ بیل ڈال رہے ہیں۔ حق کی بات کرنا اور پھر حق پر ڈٹ جانا خصوصاً اہل بیت کے حق میں کچھ کہہ دینا اس کے لئے کسی مرد حق شناس اور حق گفتار کی ہی ضرورت تھی جو رضائے حق کی خاطر بے خوف و خطر حق و باطل کو واضح کر دے۔

اس عظیم مقصد کے لئے رب تعالیٰ نے حضور مفکر اسلام علامہ پیر سید
عبدالقادر شاہ جیلانی کا انتخاب فرمایا۔اس کتاب کا ایک ایک حرف اپنی صداقتوں کی
صدا دیتا نظر آئے گا،ایک ایک جملہ دل کی گہرائیوں میں اترتا چلا جائے گا اور قلب و
نظر کو باطل خیالات ونظریات کی اندھیری پگ ڈنڈیوں سے اٹھا کر حق کی روشن شاہرا
پر ڈال دے گا۔اگر تعصب اور بغض کی عینک اتار کر اس کتاب کو پڑھا گیا تو انشاء اللہ
العزیز اذہان وقلوب کو یہ کتاب پاکیزگی عطا کرتی چلی جائے گی۔ یہ کتاب اس
موضوع پر ایک گرانقدر اضافہ ثابت ہوگی۔

کتاب کا پہلا ایڈیشن چھپنے کو ہے اس لئے میرے برادر مکرم ومعظم نے مجھے
حکم فرمایا ہے کہ جن حضرات نے اس کتاب کی تکمیل وتدوین اور پرنٹ کرانے کے
مختلف مراحل میں تعاون فرمایا ان کا شکریہ ادا کروں۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام کتاب کی تالیف کے دوران مسلسل اپنی قیمتی
آراء سے نوازتے رہے۔جملہ مشائخ گولڑہ شریف کی دعائیں بھی شامل حال
رہیں۔بالخصوص آستانہ عالیہ گولڑہ شریف کے سجادہ نشین حضرت پیر سید عبدالحق شا
صاحب گیلانی مدظلہ العالی کی خاص توجہ شامل حال رہی۔زیب آستانہ حضرت پیر سید
غلام نظام الدین شاہ صاحب گیلانی (جامی صاحب) اپنی دعاؤں سے نوازتے رہے
اور کتاب کی جلد از جلد اشاعت کی خواہش کا اظہار فرماتے رہے۔

علاوہ ازیں جن سادات عظام اور علمائے کرام نے تعاون فرمایا،اُن میں
علامہ سید احمد حسین شاہ ترمذی،علامہ سید انور حسین شاہ کاظمی،سید زبیر احمد شاہ بخاری

سید شبیر حسین شاہ گیلانی، علامہ احمد نثار بیگ قادری، علامہ قاضی عبدالعزیز چشتی گولڑوی، علامہ قاضی عبداللطیف قادری، علامہ حافظ فضل احمد قادری، سید مظہر حسین شاہ گیلانی، حضرت قاضی رئیس احمد قادری (ڈھوک قاضیاں شریف)، قاری عزیز حیدر قادری، راجہ انعام الحق قادری، مفتی مصطفےٰ رضا بیگ قادری، مولانا برکات احمد چشتی، قاری محمد خان قادری، اور علامہ پیر عبدالقادر (واہ کینٹ) کے علاوہ بہت سے علماء و مشائخ اہل سنت شامل ہیں جو کتاب کی تصنیف کے دوران اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔

اس موقع پر سرمایہ اہل سنت، کشتۂ عشق رسول و آل رسول علامہ حضرت پیر سید زاہد حسین شاہ بخاری رضوی مدظلہ العالی کا ذکر از حد ضروری ہے کہ جنہوں نے برطانیہ میں نایاب کتب کی فراہمی اور بیشمار علمی سوالات و اعتراضات کے ذریعے کتاب کو تحقیق کی چھلنی سے گزار کر کتاب کی افادیت میں بے پناہ اضافہ فرمایا۔

قاضی نصیرالدین قادری، میاں احمد نواز قادری، حافظ اشتیاق علی قادری اور لقمان یوسف (کویت) کی کاوشیں بھی لائق تحسین ہیں۔

پاکستان میں فخر سادات علامہ سید عظمت حسین شاہ گیلانی مختلف کتابوں کی فراہمی میں ہمہ تن مصروف رہے اور دوران تحریر متواتر حضور مفکر اسلام کے ساتھ رابطے میں رہے اور بڑی بڑی نایاب کتب مہیا کرنے کے لئے پورے ملک کے چپے چپے میں چھوٹی بڑی نئی پرانی لائبریریوں کیلئے سفر کرتے رہے۔ پیر سید

منور حسین شاہ جماعتی مدظلہ العالی زیب آستانہ عالیہ علی پور شریف اور سید مزمل حسین شاہ جماعتی کی نیک تمنائیں اور دعائیں شامل رہیں۔

مذکورہ بالا تمام حضرات علمائے کرام، مشائخ عظام اور سادات کرام اور جتنے احباب کتاب کی تکمیل اور تدوین میں شریک کار رہے ہیں ان سب کا حضرت مفکر اسلام مدظلہ العالی کی طرف سے دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ میں حضرت کے تمام مریدین و مخلصین کا بھی شکرگزار ہوں جنکی نیک تمنائیں بھی ہمارے ساتھ رہیں۔

آخر میں میں دعا کرتا ہوں جس میں تمام علماء و مشائخ و سادات اور مریدین و مخلصین شامل ہیں کہ اللہ تعالی پنجتن پاک کے صدقے حضور مفکر اسلام کی عمر دراز فرمائے اور آپ کا سایہ تادیر ہمارے سروں پر قائم و دائم رکھے اور ہم انکے فیوض و برکات سے بہرہ مند ہوتے رہیں۔ آمین

سید صابر حسین شاہ گیلانی

﴿نوٹ﴾ : کتاب کی تالیف کا سلسلہ جاری ہے۔ جولائی میں حضور مفکر اسلام پاکستان کے دورہ پر تشریف لائے، بعض احباب نے بہت اصرار کیا کہ حالاتِ حاضرہ کے پیش نظر کتاب جلدی منظر عام پر آنی چاہیئے اس لئے فی الوقت جلد اوّل طبع کی جاری ہے۔ دوسری جلد جس میں وجوہِ افضلیت اور جانبین کے دلائل کا تحقیقی تجزیہ کیا گیا ہے عنقریب منظر عام پر آنے والی ہے۔

☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نحمدہ ونصلی ونسلم علی رسولہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

عصرِ رواں میں کئی قسم کے عقائد ہیں جنہیں اہل سنت وجماعت کے بنیادی عقائد میں شامل کرلیا گیا ہے۔ جبکہ وہ اہل سنت وجماعت کے اساسی عقائد میں شامل نہیں اور بہت سارے اہل سنت وجماعت کے بنیادی عقائد ہیں جن کو اپنی سیاسی، جماعتی اور خاندانی ضرورت کے تحت نصاب عقائد سے خارج کردیا گیا ہے۔ اصولاً عقائد اہل سنت وجماعت کی تصدیق حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد سے ہونی چاہیے: ''ما انا علیہ الیوم و اصحابی'' ترجمہ: (سنت وجماعت) وہ چیز ہے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اہل بیت کرام (جو کہ صحابہ بھی ہیں اور اہل بیت بھی) اور صحابہ عظام رضی اللہ عنہم معیارِ سُنّیت ہیں۔ لہٰذا جسکا نام سُنّیت ہے اسکا وجود اُس دور میں صراحۃً یا کنایۃً، عبارۃً یا اشارۃً، دلالۃً یا اقتضاءً پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ عقیدہ سُنّیت نہیں کہلا سکے گا اور جو عقیدہ اہل بیت کرام یا صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) میں پایا جائیگا وہ سنیت کی بنیاد ہوگا اور سُنّیت سے اخراج کے معنیٰ نہیں دے گا۔

مثلاً: ائمہ متکلمین میں سے جلیل القدر امام قاضی ابوبکر باقلانی اشعری رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۴۰۳ھ اپنی کتاب مناقبِ ائمہ اربعہ ص ۵۱۴ پر لکھتے ہیں: قد علمنا ان

الصحابة مختلفة في التفضيل فلا سبيل اذن لنا الى العلم بان واحدا منهم افضل من غيره. ترجمہ:ہمیں پتہ چلا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم افضیلت دینے میں مختلف ہیں،تو ہمیں یہ معلوم کرنے کا کوئی طریقہ معلوم نہیں کہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے سے افضل ہے۔

یہی امام ابوبکر باقلانی اشعری اپنی کتاب مناقبِ ائمہ اربعہ ص ۵۱۲ پر بیان کرتے ہیں:اما القائلون بانا نقف فيهم من غير قطع على تفضيل احد منهم او قطع تساويهم في الفضل فانهم اقرب الى الصواب واقدر على الا حتجاج

ترجمہ:مگراس بات کے قائل کہ ہم ان میں توقف کرتے ہیں(یعنی خاموش رہتے ہیں کچھ بھی نہیں کہتے)نہ ہی ان میں سے کسی ایک کی افضلیت کوقطعی کہتے ہیں اورنہ ہی انکی برابری کو کہتے ہیں وہ لوگ ثواب کے زیادہ قریب ہیں اورثبوت پیش کرنے میں زیادہ قدرت رکھتے ہیں۔

اسکا مطلب یہ ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں کسی ایک کوقطعی طور پر افضل سمجھنے پر اتفاق نہیں ہوا،اختلاف بھی ہوا ہے اورتوقف بھی ہوا ہے۔امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک توقف سب سے افضل مذہب ہے۔توقف کا معنی یہ ہے کہ ہم اس مسئلہ میں خاموشی اختیار کرتے ہیں اور کسی کو افضل نہیں کہتے۔کتاب میں اس چیز کی وضاحت آجائے گی کہ علماء وصوفیاء کی ایک بڑی تعداد نے اس مسئلہ میں توقف کو اختیار فرمایا یعنی کسی کی افضلیت کا قول نہیں کیا۔

اب اگراس طرح کے نظریات اُمت میں پائے جائیں اورانہیں سنیت سے خارج کرنے کا کافی ثبوت مانا جائے تو پھروہ قاعدہ کس طرح سلامت رہے گا:"سنت وجماعت وہ

ہے جس پر آج میں (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں"

کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ کو افضل نہ جاننے کو سُنّیت سے اخراج کیلئے کافی مانا جائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن عبادہ کو سنیت سے خارج مانا جائے گا؟ جنہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو افضل ماننا تو بجائے خود خلیفہ بھی نہیں مانا اور بیعت کئے بغیر مدینہ شریف چھوڑ کر شام چلے گئے، وہیں ان کا وصال ہوا اور وہیں دفن ہوئے، آپکا مزار پر انوار مرجع خلائق ہے۔ (اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۲ ص ۲۲۳، الاستیعاب ج ۲ ص ۱۶۴)

اگر افضلیت کا قائل نہ ہونے سے کوئی سُنّیت سے خارج ہو جاتا تو آپکے مرقد گوہر بار پر ہجوم اہل ایمان کیسے ہوتا؟

اسی طرح تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی صحابہ کی کثیر تعداد میں موجود تھا۔ امام ابو بکر باقلانی اپنی اسی کتاب "مناقب ائمہ اربعہ" میں ص ۲۹۴ پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

والقول بتفضيل على رضوان الله عنه مشهور عند كثير من الصحابة كالذى يروى عن عبدالله ابن عباس وحذيفةبن اليمان وابى الهيثم بن التيهان و غير هم وان كانت الرواية فى تفضيل ابى بكر اشهر عند اصحابِ الحديث

ترجمہ: جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کثیر صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور تھی جیسا کہ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان اور ابی ہیثم رضی اللہ عنہ بن تیہان وغیرہم کے بارے میں روایت کیا جاتا ہے۔ اگر چہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت اہل حدیث کے ہاں زیادہ مشہور تھی۔

مذکورہ بالا حقائق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں پائے گئے اس لئے یہ چیزیں سنیت کا معیار ہونگی، سُنّیت سے اخراج کا ذریعہ نہیں ہونگی۔ دور حاضر میں تو نظریاتی

دہشت گردوں نے لفظ 'سُنیّت' کو ایک دھمکی بنالیا ہوا ہے اور خوف وہراس پھیلانے کا ذریعہ تراش لیا ہے۔ اور فضل کلی و فضلی جزئی، افضلیت مطلقہ کی اصطلاحیں وضع کرلی ہیں اور طریقہ واردات یہ ہے کہ پہلے کوئی نظریہ یا عقیدہ قائم کرلیا اور وہ عقیدہ کسی شخص کی شخصی اختراع ہوتا ہے یا علاقائی یا جماعتی سوچ ہوتی ہے جسکا قرآن وحدیث سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ سنیت کا معیار تو وہ ہوگا جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات والا صفات، آپ کے اہل بیت اطہار وصحابہ کبار رضی اللہ عنہم کے اندر پایا گیا ہو۔ یہ افضلیتِ مطلقہ یا فضل کلی یا جزئی کی اصطلاحات تو بعض متاخرینِ ہند کی اختراعات ہیں۔ انکا سنیت سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں۔ ایسے نظریات وعقائد کو پہلے ذہن نشین کرلیتے ہیں اسکے بعد دلائل تلاش کرنے لگتے ہیں۔ جب کوئی حجت شرعیہ انکے لئے نہیں مل پاتی تو لٹھ لے کر دلائلِ شرعیہ کو توڑتے پھوڑتے ہیں۔ بڑی سر پھٹول کے بعد دلائل کا چہرہ مسخ کرلیتے ہیں تو اپنے مقصد پر چسپاں کرتے ہیں۔ جسکے نتیجے میں عامتہ المسلمین میں اپنا اعتماد ہی ضائع کردیتے ہیں۔ اگر نقش فریادی زبان رکھتا تو انکی ستم کوشیوں کے جواب میں سڑکوں پر ماتمی جلوس ہوتے۔

حاصل کلام یہ ہوگا کہ ایسے لوگ قرآن وحدیث کے پیچھے نہیں چلتے بلکہ قرآن وحدیث کو اپنی تمناؤں اور آرزوں کے پیچھے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔

گزشتہ بیان میں جو چند صحابہ رضی اللہ عنہم سے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا حوالہ مناقب ائمہ اربعہ ص ۲۹۴ سے نقل گیا ہے:

والقول بتفضيل على رضوان الله عنه مشهور عند كثير من الصحابه كالذى يروى عن عبدالله ابن عباس وحذيفةبن اليمان وعمار بن

یاسر وجابر بن عبداللہ(انصاری)وابی الھیثم بن التیھان و غیر ھم وان کانت الروایة فی تفضیل ابی بکر اشھر عند اصحابِ الحدیث

''بعض لوگوں نے اسکی یہ تاویل کی ہے کہ ان میں یہ بیان اور یہ عقیدہ جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بعد تھا'' یہ تاویل بے بنیاد ہے۔

کیونکہ امام ابوبکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ مناقب ائمہ اربعہ ۴۸۰ پر رقمطراز ہیں:

قد روی ان جماعة من الصحابة کانت تظھر القول بفضل علی امام زمن ابی بکر وبعده ،منھم عبداللہ بن عباس فی قوله للشراة قد جئتکم من خیر الناس واقد مکم اسلاماً، وما روی عن جابر بن عبداللہ انه قال کان واللہ ذالک خیر البشر بعد رسول اللہ و کذالک کان راءی حذیفة و عمار و کان یقولان ' اِنه اقد مھم اسلاماً واعلمھم بدین اللہ واولاھم بالامة ورسوله.

ترجمہ: روایت کیا گیا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے سامنے بھی اور انکے بعد بھی ظاہر کیا کرتی تھی۔ان میں سے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما جنہوں نے خوارج کے سامنے یہ بات ارشاد فرمائی ''میں تمہارے پاس اس شخص کی طرف سے آیا ہوں جو سب سے افضل ہے اور اسلام میں سب سے پہلا مسلمان ہے۔ (اور اسی طرح کا قول ہے)جو جابر بن عبداللہ (الانصاری) سے روایت کیا گیا ہے۔انہوں نے کہا:

''کان واللہ خیر البشر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' خدا کی قسم (جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سارے لوگوں سے افضل

تھے۔اور جناب حذیفہ رضی اللہ عنہ کا عقیدہ انکے بارے میں ایسا ہی تھا۔اور جناب عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر کا بھی (یہ دونوں) کہا کرتے تھے۔

''وہ (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) سب سے پہلے مسلمان تھے اور سب سے زیادہ اللہ کے دین کے علم جاننے والے تھے اور اُمت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سب سے زیادہ قریب تھے۔

یہاں امام ابو بکر باقلانی کے حوالہ جات کثرت سے استعمال کئے گئے ہیں۔کیونکہ امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ نے اپنی کتاب ''صواعق محرقہ'' میں کافی مرتبہ امام ابو بکر باقلانی سے استشہاد کیا ہے۔اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی متوفی ۱۰۵۴ھ جو ہندوستان میں معلم اول سمجھے جاتے ہیں اور سنیت میں سند تسلیم ہوتے ہیں، نے بھی امام ابو بکر باقلانی سے سند پکڑی ہے۔امام باقلانی ائمہ اشاعرہ میں امتیازی حیثیت کے حامل ہیں،لہٰذا مناسب معلوم ہوا کہ جنہیں عقائد میں سند سمجھا گیا انکے حوالہ جات پیش کئے جائیں۔

کچھ لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع نقل کر کے آپکی افضلیت کو حتمی اور قطعی شکل دینے کی کوشش کی ہے۔جس جس نے نیک نیتی سے یہ کوشش کی ہے خدائے کریم اسکو جزائے خیر عطا فرمائے۔چونکہ ہم لوگ بھی افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے ہیں لہٰذا چشم ماروشن دل ماشاد۔مگر کسی بھی مفروضے کی حمایت کرنا ہمارے لئے مشکل ہے۔افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مذہب جمہور ہے جو کہ اسلام میں کوئی قانون ساز ادارہ نہیں ہے لہٰذا اس پر کسی بھی قطعیت کی بنیاد نہیں رکھی جاسکتی۔

افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع کے دعویداروں میں امام ابن حجر مکی متوفی ۹۷۴ھ بھی ہیں۔ملاحظہ فرمائیے کہ وہ اپنے اس دعوی سے کس خوبصورتی کے

ساتھ دست بردار ہوتے ہیں: مما یؤید انه هنا ظنی ان المجمعین انفسهم لم یقطعوا بالافضلیة المذکورة وانما ظنو ها فقط کما هو المفهوم من عبارات الائمة واشاراتهم وسبب ذالک ان المسئلة اجتها دیة

ترجمہ: جو باتیں اس جگہ (افضلیت کے) ظنی ہونے پر دلالت کرتی ہیں ان میں سے ایک بات یہ ہے کہ اجماع کرنے والوں نے خود بھی افضلیت مذکورہ کو قطعی قرار نہیں دیا بلکہ اس کو صرف ظنی کہا ہے جیسا کہ ائمہ (عقائد) کی عبارات اور اشارات سے سمجھ میں آیا ہے۔ (افضلیت کو قطعی قرار نہ دینے کا) سبب یہ ہے کہ افضلیت کا مسئلہ اجتہادی ہے۔

اب ذرا خیال فرمایئے کہ اگر اجماع نصی تام ہو گیا ہوتا (جملہ مجتہدین نے بول کر اتفاق کیا ہوتا) تو افضلیت قطعی ہوتی اور اسکا ماننا ضروری ہوتا۔ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے افضلیت کو ظنی کہہ کر قطعیت کو پاکیزہ پانی میں دھو ڈالا۔ اور آخر میں اجتہادی کا قول کر کے اجماع کے سارے دروازے دسویں صدی کے آخری ربع تک بند کر دیئے کیونکہ اجماعی مسائل میں اجتہاد ممنوع ہوتا ہے۔ اسی مسئلے کو اجماعی کہنا اور اسی کو اجتہادی بھی کہنا، کس قدر نادر خیالی ہے۔

جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

مسئلہ افضلیت کو اجتہادی کہنے میں امام ابن حجر مکی تنہا نہیں انکا دور تو دسویں صدی ہجری کا آخری نصف ہے۔ چوتھی صدی کے اوائل میں جناب ابوبکر باقلانی اپنی کتاب ائمہ اربعہ ۲۸۱ پر جیز تحریر میں لاتے ہیں

قد قلنا فی صدر الکلام فی التفضیل " انها مسئلة اجتهاد "

ترجمہ: ہم نے مسئلہ تفضیل کے آغاز سخن میں کہا" (مسئلہ افضلیت) مسئلہ اجتہادی ہے۔

جسکا مطلب یہ ہوگا کہ اوائل اسلام سے دسویں صدی ہجری کے آخری نصف تک تو یہ مسئلہ اجماعی نہیں تھا بلکہ اجتہادی تھا۔اب کہیں راتوں کی تنہائیوں میں یہ مسئلہ اجماعی ہوگیا۔اجماع کے باب میں قرون اولی کا حوالہ نہیں دیا جاسکتا البتہ اسے متاخرین ہند کی کرامات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔

حضرت امام ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۷۵ پر جناب ابو بکر صدیق ﷛ اور جناب علی مرتضیٰ ﷛ کے درمیان موازنہ کے مفہوم پر تحریر فرماتے ہیں:

ایضاً ورد فی ابی بکر وغیر ہ کعلی نصوص متعارضۃیاتی بسطھا فی الفضائل وھی لاتفید القطع لانھا باسرھااحادوظنیۃ الدلالۃ مع کونھا متعارضۃ ایضًا لیس الاختصاص بکثرۃ اسباب الثواب موجباًلزیادۃ مستلزمۃ للافضلیۃ قطعا بل ظنا لانہ تفضل من اللّٰہفلہ ان لایثیب المطیع و یثیب غیر ہ وثبوت الامامۃ وان کان قطعیا لا یفید القطع بالافضلیۃ بل غا یتہ الظن

ترجمہ: نیز جناب ابو بکر صدیق ﷛ اور دوسرے کے درمیان مثلاً علی مرتضیٰ ﷛ نصوصِ متعارضہ وارد ہوئی ہیں جنکی تفصیل فضائل میں آئیگی۔اوروہ نصوص (کسی کی بھی افضلیت کے بارے میں) قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں۔کیونکہ وہ ساری کی ساری اخبارہ واحدہ ہیں اور ظنیت الدلالت ہیں۔باوجودیکہ وہ (نصوص) متعارض بھی ہیں اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مخصوص ہونا کسی زیادتیءفضیلت کو قطعی طور پر لازم نہیں کرتا بلکہ ظنی طور پر لازم کرتا ہے۔کیونکہ وہ (ثواب) اللہ کا فضل ہے۔(خدا پر واجب نہیں) اسکو اس بات کا حق حاصل ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے

اور کسی دوسرے کو ثواب دیدے۔اور امامت کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے تاہم افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اسکی انتہا ظن ہے۔

حضرت امام ابن حجر مکی نے جملہ دلائل افضلیت کی انتہا ظن پر کردی اور ثابت کردیا کہ افضلیت پر اجماع ہرگز نہیں ہوا۔اگر اجماع (نصی تام) ہوا ہوتا افضلیت ظنی ہرگز نہ ہوتی۔

حضرت امام ابن حجر مکی نے اپنی اس پیش کردہ عبارت میں سید شریف جرجانی متوفی ۸۱۶ھ کی شرح مواقف ج ۸ ص ۴۰۴ کی پیش کردہ عبارت کا خلاصہ بڑی جامعیت کے ساتھ پیش فرمادیا۔

(۱) ایک تو پیش کردہ عبارت میں اس امر کی وضاحت فرمادی کہ موازنہ صرف جناب ابوبکر صدیق ﷺ اور جناب علی مرتضٰی ﷺ کے درمیان منعقد ہوا۔کوئی تیسری شخصیت مفاضلہ (ایک دوسرے سے افضل ہونے) میں موضوع گفتگو نہیں بنی۔

(۲) دونوں دھڑوں پر پیش ہونے والے دلائل یا اخبار واحدہ ہو کر ظنیت الدلالت ہیں یا متعارض ہو کر دلیل افضلیت نہ بن سکے،انکا خلاصہ ہردو جماعتوں کے لیے موجب ظن بن سکا۔لہٰذا اسے قطعی عقیدہ قرار نہیں دیا جاسکا۔

(۳) کچھ اہل علم نے دعوی کیا تھا کہ جناب ابوبکر صدیق ﷺ کا ثواب زیادہ ہے۔لہٰذا جناب ابوبکر ﷺ افضل ہیں۔حضرت امام ابن حجر مکی نے اس وجہ کو بھی مسترد کردیا اور واضح کردیا کہ کثرت اسباب ثواب سے مختص ہونا یہ بھی وجہ افضلیت نہیں کیونکہ اللہ تعالی پر ثواب دینا واجب نہیں لہٰذا وہ مطیع کو محروم کرسکتا ہے اور عاصی کو ثواب دے سکتا ہے بنابریں،اس وجہ سے بھی افضلیت ثابت نہیں ہوسکتی۔

(۴) امام ابوالحسن اشعری متوفی ۳۳۰ھ نے خلافتِ راشدہ میں اولیت کی وجہ سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل قرار دیا مگر حضرت امام ابن حجر مکی نے اس وجہ کو بھی مسترد کر دیا اور بتایا کہ اگر امامت اور افضلیت میں تلازم ہوتا (یعنی اگر خلیفہ بننے سے افضل ہونا لازم آتا) تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بننے سے انکی افضلیت لازم آجاتی مگر یہ قاعدۂ تلازم جملہ اہل سنت نے مسترد کیا ہے اور بتایا کہ امامت کے لئے افضلیت کو ضروری قرار دینا، روافض کا مذہب ہے۔ اسکے برعکس اہل سنت و جماعت نے متفقہ طور پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ راشد تسلیم کیا مگر افضلیت میں اختلاف مشہور ہے۔ بعض نے جناب مرتضی رضی اللہ عنہ کو بعض نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھا ہے۔

مسئلہ اجتہادیہ

امام ابن حجر مکی نے صواعق محرقہ ص ۵۷ پر افضلیت کو مسئلہ اجتہادی کہہ کر بحث کا خاتمہ کر دیا جیسا کہ مندرجہ ذیل سطور میں یہ امر واضح ہو جائیگا۔ انشاءاللہ تعالی

نیز امام ابوبکر باقلانی اشعری نے اپنی کتاب مناقب ائمہ اربعہ ۲۹۵ پر تحریر فرمایا ہے:

وجملة ما يقوى فى هذاالباب ان الكلام فى التفضيل مسئلة اجتهاد لا يبلغ الخطاء بصاحبه فيها منزلة الفسق وما يوجب البراۃ لا ن الفضائل المروية اكثرها متعارض فى الفضل

ترجمہ: اس باب (فضائل) میں جتنی بھی باتیں کی گئی ہیں۔ ان میں سے سب سے مضبوط یہ ہے کہ تفضیل میں کلام کرنا ایک مسئلہ اجتہادیہ ہے۔ جو اس میں خطا کرنے والے کو اس باب میں فسق تک نہیں پہنچاتا اور نہ ہی برأت فراہم کرتا ہے کیونکہ روایت

کیے گئے فضائل اکثر افضلیت میں متعارض ہیں۔

اسطرح امام ابوبکر باقلانی اسی کتاب کے ۴۸۱ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

وقد قلنا فی صدر الکلام فی التفضیل انھامسئلة اجتھاد

ترجمہ: ہم نے تفضیل کے مسئلے کے ابتداء کلام میں کہا ''یہ مسئلہ اجتہادیہ'' ہے اور اسی مقام پر لکھتے ہیں: **وان الاثم ساقط عن کل مفضل لواحد منھما**

ترجمہ: ان دونوں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) میں سے کسی کو بھی افضلیت دینے والا گنہگار نہیں ٹھہریگا۔

انہوں نے اس مضمون کو اسی کتاب کے متعدد صفحات پر دوہرایا ہے۔

جب یہ ثابت ہوگیا کہ یہ مسئلہ (تفضیل) اجتہادی ہے۔ تو اب دائرہ اجتہاد کا سرسری جائزہ لیا جائے تو مضمون کتاب کو سمجھنے میں بہت مدد ملے گی۔

اب حدودِ اجتہاد پر چند سطور ملاحظہ فرمائیں؛ مبسوط سرخسی ج ۲، ص ۱۳۰

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لمعاذ ابن جبل حین وجھہ الی الیمن" لم تقضی" قال : بکتاب اللہ قال فان لم تجد فی کتاب اللہ، قال : بسنة رسول اللہ. قال " فان لم فی سنة رسول اللہ " قال:اجتھد برایء قال:"الحمد اللہ الذی وفق رسول رسولہ لما یرضی بہ رسولہ "

ترجمہ: جب جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن روانہ فرمایا تو پوچھا کہ کس چیز کے مطابق فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کی کتاب کے مطابق فیصلے کیا کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اگر

تمہیں اللہ کی کتاب میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو؟ انہوں نے عرض کیا سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطابق فیصلے کرونگا۔ آپ نے استفسار فرمایا' اگر تمہیں سنت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں کوئی دلیل نہ مل سکے تو؟ انہوں نے عرض کیا ''اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا''۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' ساری تعریفیں اس اللہ کی ہیں جس نے اپنے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے نمائندے کو اس چیز کی توفیق عطا فرمائی جس سے رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) راضی ہو گئے۔

مندرجہ بالا تفصیل سے پتہ چلا کہ اجتہاد ہمیشہ اس چیز میں ہوتا ہے جس میں کتاب اللہ وسنت رسول اللہ سے کوئی دلیل نہ مل سکے۔ اجماع بھی کتاب اللہ وسنت رسول اللہ کے زمرے میں سے ہے۔لہٰذا جنہوں نے کہا کہ یہ مسئلہ اجتہادیہ ہے انہوں نے یہ اعلان کر دیا کہ ہمارے پاس دونوں میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت بذریعہ دلیل قطعی ثابت نہ ہو سکی جو بنائے عقیدہ بن سکے لہٰذا اس کو ہم مسئلہ اجتہادیہ قرار دیتے ہیں۔ اگر قرآن وحدیث سے ان دو (ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اور علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ) میں سے کسی کی بھی افضلیت کی دلیل قطعی مل جاتی تو یہ مسئلہ (افضلیت) ظنی بھی نہ ہوتا اور اجتہادی بھی نہ ہوتا لہٰذا جن جن حضرات نے افضلیت کو قطعی واجماعی قرار دینے کی کوشش فرمائی ہے انہوں نے اسلاف کی خلاف ورزی فرمائی ہے۔

☆☆☆☆☆

سخن اوّلیں

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلّی وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الکَرِیْم مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْن.

امتوں کے اُتار چڑھاؤ میں اختلافِ رائے ایک فطری بات ہے۔ اسلام سے قبل کے مذاہب میں اپنی اپنی رائے سے مختلف راہوں پر چل نکلنا پایا گیا ہے۔

فا فتر قت المجوس علی سبعین فرقة والیهود علی احدی و سبعین فرقة والنصاری علی ثنتین وسبعین فرقة و المسلمون علی ثلاث و سبعین فرقة (کتا ب الملل والنحل للشهرستا نی ج ۱ ص ۱۱)

(آتش پرست ستر فرقے ہوئے یہودا کہتر فرقے ہوئے۔ نصاریٰ بہتر فرقے ہوئے اور مسلمان تہتر فرقے ہوں گے)

والناجية ابداً من الفرق وا حدة (اور نجات پانے والا ہمیشہ ایک ہی فرقہ ہوتا ہے)

ومن المحال الحکم علی المتخاصمين المتضادين فی اصول المعقولات بانهما محقان صادقان (کتا ب الملل والنحل للشهرستانی ۱۱/۱)

یہ امر اصولِ معقولات میں محال ہے کہ متخاصمین متضادین پر حکم لگایا جائے کہ دونوں حق پر ہیں۔ قرآنِ حکیم بھی اسی مفہوم کی تائید کرتا ہے:

وَمِمَّنْ خَلَقْنَا اُمَّةٌ یَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ یَعْدِلُوْنَ (سورہ اعراف/۱۸۱)

ترجمہ: ہمارے بنائے ہوؤں میں ایک گروہ وہ ہے کہ حق بتاتے ہیں اور اُسی پر انصاف کرتے ہیں۔ (اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ)

☆ ترجمہ: ان میں سے جنھیں ہم نے پیدا فرمایا ایک امت ہے جو راہ دکھاتی ہے۔حق کے ساتھ اور حق کے ساتھ ہی عدل وانصاف کرتی ہے(پیر کرم شاہ صاحب الازہری رحمۃ اللہ علیہ)

☆ ترجمہ: یہ گروہِ حق پژوہ علماو ہادیانِ دین کا ہے۔اس آیت سے یہ مسئلہ ثابت ہوا کہ ہر زمانے کے اہلِ حق کا اجماع حجت ہے۔اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کوئی زمانہ حق پرستوں سے اور دین کے ہادیوں سے خالی نہیں ہوگا۔(خزائن العرفان سید نعیم الدین مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ)

اور اس پر حدیث بھی گواہ ہے:

لا تزال طائفة من امتی ظاهرین علی الحق الی یوم القیامة (کتابِ الملل والنحل ۱/ ۱۱)(میری اُمت کی ایک جماعت قیامت تک حق پر قائم رہے گی)

سرکارِ دو جہاں جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیثِ مبارک بقیہ تفصیلات بھی بیان کرتی ہے: **ستفترق امتی علی ثلاث و سبعین فرقة الناجیة منها واحدة والباقون هلکی. قیل ومن الناجیة قال اهل السنة والجماعة. قیل ما السنة والجماعة. قال ما انا علیه الیوم واصحابی** (کتابِ الملل والنحل ۱۱/۱)

ترجمہ: میری اُمت عنقریب تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔جن میں سے صرف ایک نجات پانے والا ہے۔اور باقی ہلاک ہونے والے ہیں: عرض کیا گیا کون نجات پانے والے ہیں؟ ارشادِ گرامی ہوا:(وہ) اہل السنّت والجماعت ہیں۔عرضداشت ہوئی: اہل السنّت والجماعت کیا چیز ہے؟ ارشادِ گرامی ہوا (وہ) وہ چیز ہے جس پر آج میں ہوں اور میرے صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) ہیں۔

اب یہ دیکھنا ہوگا کہ حضور پرنور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی کے پورا ہونے کا حرفِ آغاز کیا ہے۔سب سے پہلے فرقے جو پید

ہوئے۔ اُن میں سرِ عنوان خوارج تھے جس خدشے کا اظہار سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا، اسکا ظہور خوارج سے ہوا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انکے نظریات و معتقدات کیا تھے؟ سنی ہونے کیلئے ان سے بچنا ضروری ہوگا۔

خوارج کا سب سے پہلا اقدام حضرت ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۳۳۰ھ) کے قلم سے ملاحظہ فرمائیے: **اجمعت الخوارج علی اکفار علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب (مقالات الاسلامیین ج ۱ ص ۱۶۷)**

(خارجیوں نے جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے کافر کہنے پر اجماع کرلیا)۔ یعنی یہ بات متفق علیہ ٹھہری کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کافر ہیں، انکے کفر میں کوئی شک نہیں (نعوذ باللہ)

البدایۃ و النہایۃ ۷۔۲۷۹ مصنفہ ابنِ کثیر (م ۷۷۴ھ) میں ہے کہ خوارج پڑھے لکھے لوگ تھے۔ جنکی تعداد کم از کم ۱۲۰۰۰ یا زیادہ سے زیادہ ۱۸۰۰۰ یا کم وبیش تھی۔ مگر بھاری تعداد میں تھے۔ اتنے پڑھے لکھے لوگوں کا تکفیر علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر متفق ہوجانا تاریخ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ جس نے جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد سب سے پہلے اسلام قبول کیا اور پرچمِ اسلام کو بلند کرنے کے لیے سینکڑوں مرتبہ موت کے منہ سے گزرا۔ اسکو کافر کہنا؟

سویا ہے کہاں جاگ اب اے فتنۂ محشر
رسوا کبھی یوں دینِ پیمبر نہ ہوا تھا

ایسا نمازی کہ جنکی نمازِ عصر کیلئے ڈوبا ہوا سورج واپس لوٹا تھا، ایسا غازی کہ جس کی ضربِ یداللّٰھی سے عمرو بن عبدِوُد اپنی کھوپڑی، بدن، زین اور گھوڑے سمیت دوٹکڑے ہوا تھا جس پر سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے دادِ شجاعت

یوں ملی تھی کہ علی مرتضٰی کی تلوار کا ایک وار میری تمام امت کے اعمال سے افضل ہے:

۱۔ افضل من عمل امتی الی یو م القیامۃ (تفسیرِ کبیر ۳۱/۳۲ مصنفہ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۶۰۶ھ)

یعنی علی مرتضٰی رضی اللہ عنہٗ کا یہ ایک وار میری پوری اُمت کے یومِ قیامت تک کئے جانے والے اعمال سے افضل ہے۔

۲۔ لضربۃ علی خیر من عبادۃا لثقلین (سید شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ شرح مواقف ۸۔۴۰۴) (علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی (یومِ خندق) کی ایک ضرب جنوں اور انسانوں کی عبادت سے افضل ہے)

۳۔ لمبازرۃ علی ابن ابی طالب یوم الخندق افضل من اعمال امتی الی یوم القیامۃ (مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۷۱)

ترجمہ (خندق کے دن علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ کی معرکہ آرائی میری قیامت تک آنے والی امت کے تمام اعمال سے افضل ہے)

جس کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا تھا یعنی جسکا میں مولا ہوں اسکا علی مولا ہے (امام احمد رحمۃ اللہ علیہ و امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ مشکوٰۃ شریف ص ۵۶۴)

قال لعلی انت منی بمنزلۃ ھا رون من موسی الا انہ لا نبی بعدی (متفق علیہ مشکوٰۃ شریف ۵۶۳)

ترجمہ: جنابِ مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو میری نسبت ایسا ہی ہے جیسا کہ ہارون علیہ السلام جناب موسیٰ علیہ السلام کی بہ نسبت تھے۔

اگرچہ اس فرقے کی داغ بیل عہدِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں پڑ چکی تھی۔ مگر اس وقت اسکا نام خارجی نہیں تھا۔ اس وقت انہیں منافقین کہتے تھے۔ جناب اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے حدیثِ مرفوع روایت فرمائی:

لا یحب علیا منافق ولا یبغضه مومن (ترمذی ۲۔۲۳۵)

ترجمہ: (کوئی منافق حضرتِ علی رضی اللہ عنہ سے محبت نہیں کرتا (نہیں کرے گا) اور کوئی مومن جنابِ مرتضی رضی اللہ عنہ سے بغض نہیں رکھتا (نہیں رکھے گا)

اسی وجہ سے جناب ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: **ان کنا لنعرف المنافقین نحن معشر الانصار ببغضهم علی رضی اللہ عنہ ابن ابی طالب** (ترمذی ۲/۲۳۵)۔ ترجمہ: واقعہ یہ ہے کہ ہم لوگ جو جماعت انصار تھے منافقین کو بغض علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی وجہ سے پہچانتے تھے۔

خوارج کے عقائد:

اب خوارج کے عقائد کا ایک اجمالی جائزہ لیجئے۔ انکے عقائد کی تفصیل کیلئے ایک مستقل کتاب چاہیے۔ جو موضوعِ تحریر سے خارج ہے۔ البتہ چند عقائد جو اس وقت ہمارے مضمونِ تحریر سے علاقہ رکھتے ہیں، حسبِ ذیل ہیں:

(۱) جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے پر انکا اتفاق تھا۔ یعنی اہلِ بیت کے خلاف انتہا پسندانہ رویہ، جنکی محبت قرآن میں فرض تھی۔ انکے بارے میں بغض کو اپنی نشانی بنالیا۔

یا اھل بیتِ رسول اللہ حبکم
فرض من اللہِ فی القرآن انزله (امام شافعیؒ)

(اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گھر والو! تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے قرآن میں جسے اس نے نازل فرمایا ہے)۔(الصواعق المحرقہ ص ۱۷۳)

حضرتِ امامِ حسن رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں ارشاد فرمایا:

انا من اھل البیت الذین افترض اللہ مودتھم علی کل مسلمٍ

(الصواعق المحرقہ ص ۲۲۶) ترجمہ: (میں امامِ حسن رضی اللہ عنہ ان اہلِ بیت میں سے ہوں جنکی محبت کو اللہ تعالی نے فرض قرار دیا ہے)۔

نیز سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشادِ ہے:

والذی نفسی بیدہ لا یبغضنا اھل البیت احد اِلّا ادخلہ اللّٰہ النار .

ترجمہ: (ہم اہلِ بیت کو کوئی برا نہیں سمجھے گا مگر اللہ تعالی اُسے جہنم کی آگ میں داخل کرے گا (یہ حدیث صحیح ہے) (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

امامِ احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حدیثِ مرفوع روایت کی ہے:

من ابغض اھل البیت فھو منافق (الصواعق المحرقہ ص ۱۷۲)

ترجمہ (جو اہل بیت سے بغض رکھے وہ منافق ہے)

اِن شواہد کی موجودگی میں خوارج کا اپنی خصوصی نشانی بغضِ اہلِ بیت کو قرار دینا اسلام سے عملاً خروج کی ایک بیّن شہادت ہے۔اسی لیے بہت سارے اکابرین اہلِ سنت نے انھیں کافر قرار دیا ہے۔

(۲) دوسرا عقیدہ: خوارج، حضراتِ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما دونوں کی شان میں غلو کرتے تھے۔یعنی جو شانیں انہیں اللہ تعالی و رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ سے

لی ہیں اُن سے بہت آگے بڑھ جاتے تھے۔اور جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ کے بغض میں بھی غلو کرتے تھے۔(ذیلی مقالات الاسلامیین ۱۔۱۶۷)

(۳)۔ جنابِ حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ و جنابِ عثمانِ ذی النورین رضی اللہ عنہ کے تبرے کو شرط نکاح قرار دیتے تھے اور کہتے تھے جو جنابِ مرتضی رضی اللہ عنہ و جنابِ عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو تبرا نہ بھیجے اسکا نکاح نہیں ہوسکتا۔(کتابِ الملل والنحل للشہرستانی، ج۱ص۱۱۵)

(۴) چوتھا عقیدہ انکا یہ تھا کہ خلافت میں قریشی ہونے کی شرط لغو ہے۔نسب کوئی چیز نہیں۔بلکہ خلیفہ کی ضرورت پیش آجائے تو ایک غلام کو، آزاد کو قبطی کو قریشی کو، یعنی کسی کو بھی بلا شرطِ نسب خلیفہ بنا سکتے ہیں۔(الملل والنحل للشہرستانی ج۱ص۱۱۶)

<u>دورِ حاضر میں جو سنی حنفی کہلانے والے کہتے ہیں نسب کوئی چیز نہیں۔میں نہایت ادب سے سوال کرونگا یہ عقیدہ تو خارجیوں کا ہے، آپ کے ہاتھ کیسے لگا؟</u>

افضل الامت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو جب خلیفہ بنایا جانے لگا۔تو انصار نے کہا: مِنا اَمیرٌ وَ مِنکُم اَمیر (ایک امیر ہمارا ہوگا ایک امیر تمہارا ہوگا) تو جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات نے ارشاد فرمایا، حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے: الائمة من القریش (امام العصر (خلیفہ وقت) قریش میں سے ہوگا)، اس وقت جملہ انصار خاموش ہوگئے۔اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے مطابق قریشی ہونے پر خلافت کا انحصار ہوا جو کہ کسی تقوے یا علم یا دوسرے عمل کا نام نہیں بلکہ صرف نسب کا نام ہے۔پتہ چلا حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کے بعد پہلا فیصلہ جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت حقہ طے پائی، اسکا پہلا مبنی نسب

ہے۔خلیفہ کے قریشی ہونے پر اجماع ہو گیا جو کہ ایک حجتِ شرعیہ ہے تو پھر مطلقاً نسب کا انکار کسطرح اسلام کہلائے گا؟

اِن حوادث کے بعد مختلف فتنے کھڑے ہوئے۔ جنکا انسداد اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا: **لکل خلف من امتی عدول من اھل بیت** (میری اُمت کی ہر نئی کھیپ کیلئے میری اہلِ بیت سے ایک عدول ہوگا (حق پر ہوگا) جو میری امت کے کام آئے گا) (صواعقِ محرقہ)

حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً روایت کی ہے: **النجوم امان لاھل السماء واھل بیتی امان لامتی** (صواعقِ محرقہ)۔ (ستارے اہلِ سماء کیلئے قیام و بقا کا ذریعہ ہیں اور میری اہلِ بیت میری اُمت کیلئے قیام و بقا کا ذریعہ ہے)۔

اس سلسلے میں اس دور کی مثال لیجئے۔ جس میں حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت پر اجماع ہو گیا۔ مگر فتنہ و فساد کی آگ بھڑکتی چلی گئی۔ جنابِ حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے قوم کو خونریزی سے بچانے کیلئے کرسیءِ اقتدار جنابِ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حوالے فرما کر فتنہ و فساد کی آگ کو ٹھنڈا کیا۔ اُس وقت کتنے ہی فرقے پیدا ہو چکے تھے اور کتنے ہو چلے تھے۔ مگر امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے اقتدار کی قربانی دیکر اور اپنے خوشگوار مستقبل کو نظر انداز فرما کر اُمت کو ہلاکت خیز حوادث سے بچالیا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس بشارت کو پورا فرمایا جو آپ نے منبر پر بیٹھ کر فرمائی تھی:

ان ابنی ھذا سیّدٌ ولعل اللہ ان یصلح بہ بین فئتین عظیمتین من

المسلمین (بخاری شریف)۔(یہ میرا بیٹا سردار ہے امید ہے کہ اللہ تعالی مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اس کے ذریعے سے صلح کرائے گا)۔

علی ھذا القیاس سیدنا امام زید ﷺ نے اپنے دور میں (ہشام بن عبدالملک کے عہد میں) کوفہ میں اہلِ باطل سے ٹکر لی (مقالات الاسلامیین، ابوالحسن اشعری ۱؍۱۵۳)۔جنھیں حضرتِ امام ابوحنیفہ ﷺ نے ۳۰،۰۰۰ ہزار درہم بطورِ نذرانہ پیش کئے تھے۔اور بطورِ مریدِ خاص انکی حمایت کا اعلان بھی کیا تھا۔(نور الابصار فی مناقبِ اہلِ بیت النبی المختار)

سید نفسِ زکیہ ﷺ کی روودادِ زندگی بھی اسی سے ملتی جلتی ہے جو ابو منصور جعفر کے مقابلے میں نبرد آزما ہوئے اور جن سے ارادت کا تعلق امام مالک ﷺ نے بنایا تھا اور عملاً ساتھ دیکر جیلیں کاٹیں۔جو ہوا سو ہوا، مسلم سوسائٹی سے مخفی نہیں (مقالات الاسلامین۔ابوالحسن اشعری ۱؍۱۵۴)

الحاصل جن فرقوں کی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نشاندہی کی اکثر و بیشتر انکی مزاحمت اہلِ بیت کے جیالے سپوتوں اور انکے ماننے والے ائمہ اہل سنت مثل امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل (رحمہم اللہ علیہم) نے کی۔

اگر پوری امت کا جائزہ لیں اور آخر تک پہنچ جائیں تو آپ کو آخر میں دو حوالے ملیں گے۔جن سے انہی پرانے معنوں کی تائید ہوگی۔یعنی پاکستان بنانا اس میں امیر و مجددِ ملت سید پیر جماعت علی شاہ صاحب محدث علی پوری رحمۃ اللہ علیہ کا ہندوستان بھر میں آل انڈین نیشنل کانگرس کو شکست دینا اور اور سیاسی لیڈروں کے

دست بردار ہو جانے کے زمانے میں بھی تحریکِ آزادی کے جھنڈے کو نہ گرنے دینا، اس سے اس حدیث کی تفسیر ہوتی ہے:

ستارے اہلِ سماء کیلئے قیام و بقا کا ذریعہ ہیں اور میری اہلِ بیت میری اُمت کیلئے قیام و بقا کا ذریعہ ہے۔ (صواعقِ محرقہ)

اور رئیس المجد دین فاتح قادیانیت سید پیر مہر علی شاہ صاحب گیلانی گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے چودھویں صدی کے دجال مرزا قادیانی کو ایسی شکست فاش دی کہ قیامت تک صفحۂ ہستی پر یادگار رہے گی۔ ملک بھر میں اہل حق نے مساعی جمیلہ کیں لیکن جس کے مقدر میں یہ فتح تھی، اسکو عطا ہوئی۔ اس سلسلے میں پیر سید جماعت علی شاہ صاحب مجددِ علی پوری کی کاوشیں بھی کچھ کم نہ تھیں، یہ دونوں فرزندانِ فاطمہ رضی اللہ عنہا دوش بدوش رہے۔ قیامت کے قریب چل کر ان سب فرقوں کی جو بیخ کنی کرے گا وہ بھی اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ہوگا جس کا نام امامِ مہدی آخر الزمان علیہ السلام ہے۔

فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

فضائل جمع فضیلت کی ہے۔ اور خلافِ نقیصہ کا نام ہے جیسا کہ فضل خلافِ نقص کو کہتے ہیں۔ اور یہاں فضائل سے مراد خصال حمیدہ اور شمائل پسندیدہ ہیں۔ اصحاب صحب کی جمع ہے جیسے فرخ کی جمع افراخ ہے (جوہری)

صحابی کی تعریف:

جس شخص نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت پائی یا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا بحالتِ اسلام اور اسی پر اسکی موت واقع ہوئی وہ صحابی ہے (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹)

یہ تعریف جامع ہے، اسمیں جس نے صحبت پائی مگر نابینا ہونے کی وجہ سے دیکھ نہیں سکا جیسا کہ عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کہ وہ بھی صحابی ہیں اور جس نے صرف دیکھا ہی ہے۔ حالتِ اسلام میں وہ بھی صحابی ہے۔

اسلام کی شرط اسلئے لگائی تا کہ وہ کفار بھی نکل جائیں جنھوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو تھا مگر مسلمان ہو کر نہیں دیکھا تھا۔ اسلئے وہ بھی صحابی نہیں کہلا سکے۔ اسلام پر مرنے کی شرط اس لیے لگائی جو لوگ صحابی بننے کے بعد مرتد ہو گئے وہ بھی صحابہ سے خارج کر دیے جائیں۔ جیسا کہ ابنِ خطل، ربیعہ بن امیہ، مقیس بن صبابہ وغیرہ کہ یہ لوگ صحابی بننے کے بعد مرتد ہو گئے اور پھر توبہ نہ کر سکے۔

نیز یہ کہ صحابی ہونے کیلئے بلوغت بھی شرط نہیں۔ اسی وجہ سے نابالغ کم عمر صحابہ بھی صحابہ ہیں جیسا کہ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما اور دوسرے کم عمر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی صحابہ ہیں حتیٰ کہ جس نے صرف ایک مرتبہ دیکھا ہے (اور اسکی موت اسلام پر ہوئی ہے) اسے علمائے حدیث صحابی شمار کرتے ہیں (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹ متوفی ۸۵۵)

اور جو شخص صحابہ میں سے مرتد ہوا، دوبارہ مسلمان ہوا مگر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ نہیں دیکھ سکا وہ بھی صحابی ہے۔ جیسا کہ اشعث بن قیس صحابی تھے مرتد ہو گئے توبہ کر کے دوبارہ مسلمان ہو گئے اور اسطرح جن دوسرے لوگوں نے بھی ایسا کیا محدثین انکے صحابی ہونے پر متفق ہیں۔ اور مسانید میں انکی احادیث اخراج کی گئی ہیں۔ (عینی شرح بخاری ۱۶/۱۶۹)

ایک طبقہ نے صغیر غیر ممیّز کو بھی صحابی کہا ہے۔ جسے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

گھٹی ڈالی یا دعا فرمائی اور نظرِ کرم فرمائی جیسے عبداللہ بن حرث بن نوفل رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی طلحہ رضی اللہ عنہ انصاری و محمد بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ (ارشاد الساری شرح بخاری)

مندرجہ بالا تفصیلات کی روشنی میں وہ جنات بھی صحابی کہلائیں گے جنہوں نے مندرجہ بالا شرائط کو پورا کیا ہوگا۔ نیز اگر ملائکہ کی طرف سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبعوث ہونے کا قول معتبر سمجھا جائے تو ملائکہ بھی صحابی ہونگے جنہوں نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی ہوگی۔ (ارشاد الساری شرح بخاری ۶/۷۹)

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۸۵۲) فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد دفن کرنے سے پہلے دیکھا تو اسکو بنا بر قولِ راجح صحابی نہیں کہا جائے گا۔ (فتح الباری شرح بخاری ۷/۴)

امام کرمانی شارح بخاری سوالاً جواباً صحابی کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ اگر کسی شخص نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پاک کے بعد دفن کرنے سے پہلے زیارت کرلی تو وہ بھی صحابی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے وہ شخص ہیں جن کو حضرت نبی کریم روف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلا خلیفہ برحق بننے کا شرف حاصل ہوا اور خلافت کے اعتبار سے اس عظمت کا انسان نہ ہی پہلی امتوں میں کوئی گزرا ہے اور نہ ہی اس امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام میں کوئی ہے۔ (یہ مذہب جمہور اہل سنت کا ہے)

آپکا اسمِ گرامی عبداللہ بن ابی قحافہ عثمان بن عمرو ہے۔ اور آپکا شجرہ نسب مرہ

بن کعب پر نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جاملتا ہے۔آپکا نسبی لقب قریشی تیمی ہے۔

آپکا اسلامی لقب عتیق ہے، عتیق بمعنی آزاد، چونکہ آپ نار جہنم سے قطعاً و یقیناً آزاد ہیں۔لہذا آپکو عتیق کا لقب بارگاہ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ارزانی ہوا اس لقب کی یہی وجہ ترمذی شریف میں بتائی گئی ہے۔ممکن ہے کہ یہ نام آپکے جمالِ ظاہری وصورتِ زیبا کی وجہ سے مرحمت فرمایا گیا ہو۔اس وجہ تسمیہ کی توثیق مصعب بن زبیر نے جو آپکے نواسے ہیں، لیث بن سعد اور ایک جماعت سے فرمائی ہے۔اور ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ چونکہ آپکے نسب میں کوئی عیب تسلیم نہیں ہوا اس لیے آپ کو عتیق کہا گیا۔(تاریخ الخلفاء علامہ جلال الدین سیوطیؒ ۲۸/۲۹)

لقبِ عتیق کی ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے کہ آپکی والدہ صاحبہ کی اولاد زندہ نہیں رہتی تھی۔تو آپکی ولادت پر آپکی والدہ آپ کو لیکر خانہ کعبہ کے سامنے لائیں تو بحضور کردگار عرضداشت پیش کی: اے اللہ تعالی یہ بچہ موت سے بچ گیا ہے یہ مجھے عطا فرما دے (ابن مندہ وابن عساکر بروایت موسی بن طلحہ۔تاریخ الخلفا، السیوطی ۲۸/۲۹)

ابن عساکر نے ایک روایت سیدہ عائشہ طیبہ طاہرہ رضی اللہ عنہا سے بھی کی ہے کہ آپکے خاندان نے آپکا نام عبداللہ رکھا مگر روزانہ کی بول چال میں عتیق غالب آیا۔مگر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص طور پر آپکا نام عتیق رکھ دیا۔جنابِ اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا کہنا ہے کہ میں ایک دن گھر میں بیٹھی ہوئی تھی اور جناب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی صحن میں بیٹھے ہوئے تھے۔اور درمیان میں ایک پردہ لٹکا ہوا تھا کہ ناگاہ حضرتِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنکلے تو سرکارِ دوعالم

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جو شخص عتیق (جہنم کی آگ سے مکمل آزاد) کو دیکھنا چاہے و
جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو دیکھے۔ (مسندِ ابویعلی، طبقات ابن سعد۔ حاکم)

''صدیق'' کا لقب

اسکے متعلق ایک قول یہ ہے کہ آپکی زندگی اسقدر پاکیزہ اور سچائی کا پیکر تھی کہ دورِ جاہلی میں بھی آپکو لوگ صدیق کہا کرتے تھے۔ اس نورانی لقب کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی خبر دیتے تو جناب ابوبکر صدیقؓ اسکی تصدیق کرنے میں جلدی کرتے تھے۔ اور بلا تامل اسکی سچائی پر جزم کا اظہار کرتے تھے اسی وجہ سے آپکو ''صدیق'' کہا گیا۔

ابن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کا کہنا ہے بحوالہ شاہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ وقتادہ رحمۃ اللہ علیہ: جونہی صبح شب معراج ہوئی، قصہ شبِ معراج مکہ شریف ونواحِ مکہ میں بادِ نسیم کی طرح پھیل گیا۔

جنابِ ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بحوالہ مستدرک حاکم فرماتی ہیں:

مشرکین جنابِ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آ پہنچے اور کہنے لگے تمہیں تمہارے دوست کی بات بتائیں؟ انہوں نے کہا: اس تمہارے دوست کو زعم ہوا ہے کہ اسے آج رات بیت المقدس شریف تک سیر کرائی گئی۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پوچھا: کیا انہوں نے یہ بات فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں۔ تو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بول اٹھے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سچ فرمایا، میں اس سے بھی بڑھ کر انکی آسمانی اخبارات کی صبح وشام تصدیق کرتا ہوں۔ اس وجہ سے آپ کو ''صدیق'' کہا گیا۔ اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ اور ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا۔

ابن عساکر اور سعید بن منصور نے اپنی سنن میں بھی یونہی ذکر کیا ہے کہ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس رات واپس تشریف لائے جسمیں آپکو سیر کرائی گی۔ جب ذی طوی کے مقام پر تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جبریل میری قوم تو میری بات کی تصدیق نہیں کرے گی۔ تو جبریل امین نے بارگاہ رسالتماب میں عرض کیا۔ ''ابوبکر رضی اللہ عنہ آپکی تصدیق کریں گے اور وہ تصدیق کرنے والے ہیں''۔

مستدرک میں ہے کہ نزال بن سبرہ کہتے ہیں ہم نے جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے عرض کیا۔ کہ آپ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں کچھ بتائیں۔ آپ نے فرمایا: کہ وہ (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) ایک ایسا شخص ہے جسکو اللہ نے جبریل امین کی زبان سے صدیق کے نام سے موسوم کیا۔ اور سرکارِ دو عالم کی زبان گوہر فشاں سے بھی۔ وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نماز میں خلیفہ تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں ہمارے دین کیلئے پسند کیا اور ہم نے اپنی دنیا کے لئے بھی انھیں ہی پسند کیا۔ صبح شب معراج کو کچھ لوگ مرتد ہو گئے جو گزرے ہوئے دن تک صحابہ کی صفوں میں بیٹھتے تھے۔

(زرقانی شرح المواہب اللدنیہ ۸/۴)

اس دن ثابت قدم رہنا اور للکار کر کفارِ مکہ کی اجماعی آراء کا مقابلہ کرنا یہ ماں کے لعلوں کا کام تھا۔ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کر دکھایا۔ اس وجہ سے آپ کو صدیق کہا گیا۔ اگرچہ اس تصدیق واستقامت میں حضرتِ عمر فاروق رضی اللہ عنہ وحضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ وحضرت مولا مرتضی رضی اللہ عنہ بھی شریک کار تھے۔ مگر اسمیں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا کردار نمایاں طور پر ممتاز رہا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت پاک کے دو سال اور کچھ ماہ بعد ہوئی۔ اور آپ نے تریسٹھ سال اور کچھ ماہ کی عمر میں جہانِ فانی کو الوداع کہا اور غار کی یادگار کو مزار میں دہرایا۔ (تاریخ الخلفا، امام سیوطی)

قبل از اسلام حیات مبارکہ

آپکی پیدائش بھی مکہ شریف میں اور پرورش ونشوونما بھی اسی مقدس شہر میں ہوئی اور اپنی قوم میں انتہائی مالدار آدمی تسلیم ہوتے تھے اور مکہ مکرمہ سے سوائے تجارتی مقاصد کے کبھی باہر تشریف نہیں لے گئے اس شہر میں پیدا ہونا اور برگ و بار لانا اور نیکی و دیانتداری کے ساتھ زندگی گزارنا۔ جسمیں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ نیکی ہو اور جسمیں ایک لاکھ چوبیں ہزار سے کم وبیش نبی و رسول طواف کے لئے اور حج کیلئے چل کر آئے ہوں۔ (قواعدالاحکام فی مصالح الانام ۳۹/۱، مصنفہ عزالدین بن عبدالعزیز بن عبدالسلام، متوفی ۶۶۰ھ)

انسانی معاشرہ نے جس کا بے داغ کردار دیکھا ہو اور سوسائٹی کے فلاحی کام بے لوث طریقے سے انجام دیے ہوں اُسکے اسلام نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن میں نہ مٹنے والی یادگاریں چھوڑیں، اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصال پرملال کے بعد اس معیار کو قائم رکھنا افضل الامت کی خصوصیت ہوسکتی ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قانونی مقام

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دورِ جاہلی میں روسائے قریش میں سے تھے اور انکی مشاورتی کونسل کے ممبر تھے(Member of Parliament)اس معاشرے میں بڑے پسندیدہ آدمی تھے۔اور انکے پورے تہذیب وتمدن کے ممتاز دانشور اور قانونِ حقوق و جرائم(Civil & Criminal law)کے ایک ترقی یافتہ قانون دان تسلیم ہوتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ دیتوں اور تاوانوں اور جرمانوں کے آپ ہی فیصلہ کن جج تھے۔اور آپ ان دس ممتاز شخصیات میں طرہ امتیاز رکھتے تھے جن کو دورِ جاہلی میں بھی اور اسلام میں بھی فکری، علمی، قانونی اور اخلاقی ریاست حاصل تھی۔ان قانونی امور کے انکے حصے میں آنے کی وجوہات یہ تھیں۔

اس وقت کا جو نظامِ حکومت تھا وہ اشرافیہ(Aristocracy)سے ملتا جلتا تھا۔یعنی قبائل کے نمائندگان پر حکومت مشتمل تھی۔اور ہر سردارِ قبیلہ اپنے اپنے قبیلے کا سربراہ(Sovereign)مانا جاتا تھا۔اور مرکزی مدّیں(Centeral seats)چند مرکزی قبائل کے سپرد تھیں مثلاً: سقایہ اور رفادہ بنی ہاشم کے سپرد تھیں۔جسکے معنی تھے زائرین کعبہ میں سے کوئی شخص دوسرے قبیلے کے دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہیں کھائیگا اور نہ ہی پانی پیئے گا۔حجابہ، لواء اور ندوہ کی مدیں قبیلہ عبدالدار کے پاس تھیں جسکے معنی یہ تھے کہ کوئی شخص کعبہ شریف میں انکی اجازت کے بغیر داخل نہیں ہوگا۔اور جب بھی کبھی علمِ جنگ بلند ہوگا یعنی کسی قبیلے کے ساتھ جنگ ہونا قرار پائے گی، تو اسکا جھنڈا بھی عبدالدار باندھیں گے اور باضابطہ اعلان وہی کریں گے۔اور

جب کبھی کوئی معاہدہ کیا جائے گا یا توڑا جائے گا تو اسکے لیے اجتماع بھی دارالند
میں ہوگا۔اور وہ میٹنگ ہال بھی قبیلہ عبدالدار کی ملکیت تھی۔

ان حالات میں قتلوں کی دیّت اور دیگر جرمانے کسی ایسے آدمی کے حوا
کیے جا سکتے تھے جو ان سب قبائل کو قابلِ قبول ہو ایسی جامع اور ہمہ گیر شخصیت حضور
نور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات ہو سک
تھی۔لہٰذا انھیں یہ اعلیٰ ترین عدالتی ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔

اُم المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
نے ایک قانون دان اور ٹھوس حقائق کے عادی ہونیکی وجہ سے دورِ جاہلی میں کبھ
شعر نہیں کہا (اور دولت وسیاسی وقانونی اقتدار کے ہوتے ہوئے) اور کبھی شرا
نہیں پی۔(ابن عساکر)

یہ وہ وقت تھا جبکہ عربوں کی محافل جام وسبو کی ٹھنکار سے شروع ہو کر مدہوش
پر ختم ہوا کرتی تھیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا حلیہ مبارک

بقول حضرت ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ رضی اللہ عنہ سفید رنگ کے شخص
تھے۔آپکا بدن مبارک پتلا دبلا تھا۔آپ کے رخسار گان پر گوشت کم تھا اور دراز قامت
ہونے کی وجہ سے آپ کی کمر مبارک میں کسی قدر خم تھا۔

آپ رضی اللہ عنہ کی ازار مبارک کولہوں پر اکثر ٹھہرتی نہیں تھی۔آپ کی آنکھیں گہری تھیں، پیشا
ابھری ہوئی تھی۔آپ کی ہاتھوں کی انگلیوں کے درمیانی فاصلوں میں گوشت کم تھا۔

حضرت اُم المومنین رضی اللہ عنہا ارشاد فرماتی ہیں: جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ مہندی کتم (ایک عربی گھاس کا نام ہے) سے وسمہ لگایا کرتے تھے۔ بقول حضرت انس رضی اللہ عنہ (انہوں نے دس سال حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں خدمت کی) سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ طیبہ تشریف لائے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ میں کھچڑی بالوں والا کوئی نہیں تھا۔ سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اور ان کھچڑی بالوں کو وسمہ کے ذریعے چھپالیا کرتے تھے۔

خضاب سیاہ میں اختلاف ہے۔ مہندی والے خضاب میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ خضاب کو ناجائز کہتے ہیں۔ اور خواجہ گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ چند شرائط کیساتھ اسے جائز کہتے ہیں۔ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ "عمدۃ القاری شرح بخاری" میں مشروط طور پر جائز اور مشروط طور پر ناجائز کہتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کا اسلام لانا

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں اس حدیث کا اخراج کیا: **الست احق الناس بہا؟ ای الخلافۃ الست اول من اسلم** (کیا میں خلافت کا زیادہ حقدار نہیں ہوں؟ کیا میں وہ آدمی نہیں ہوں جو سب سے پہلے ایمان لایا؟)

ابن عساکر نے حارث سے اور انہوں نے جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا اخراج کیا، آپ نے فرمایا: **اول من اسلم من الرجال ابو بکر**: (بالغ مردوں میں سب سے پہلے ابوبکر رضی اللہ عنہ ایمان لائے)۔

زید بن ارقم سے سندِ صحیح کے ساتھ ابنِ ابی خیثمہ نے حدیث کا اخراج کیا :

اول من صلی مع النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **ابو بکر الصدیق** (سب سے پہلے جس شخص نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں)۔

(کتاب کے اُس حصے میں جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان میں ہوگا اس میں اس حدیث کا ذکر کریں گے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ سب سے پہلا نمازی جس نے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہے۔ اُس جگہ ان دونوں حدیثوں کی فنی حیثیت پر بحث کی جائے گی اور تطبیق کی صورت پیش کی جائے گی۔ انشاء اللہ)

ابن سعد نے بھی ابی اروی دوسی صحابی سے اس حدیث کا اخراج کیا:

قال : اول من اسلم ابو بکر. سب سے پہلے جو مسلمان ہوا وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔ بعض لوگوں نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلا مسلمان ہونے پر اجماع نقل کیا ہے (تاریخ الخلفاء، السیوطیؒ)

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا:

اول من اسلم علی سب سے پہلے جو مسلمان ہوا وہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ ہیں اور کہا گیا جنابِ **خدیجۃ الکبریٰ** رضی اللہ عنہا پہلی مسلمان ہیں۔ ان اقوال کے درمیان ایک پر امن تطبیق جنابِ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے دی ہے: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالغ مردوں میں سے پہلے مسلمان ہیں اور نابالغوں میں سب سے پہلے مسلمان جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں اور جو عورتوں میں سب سے پہلے ایمان لائیں وہ جنابِ **خدیجۃ الکبریٰ** رضی اللہ عنہا ہیں۔ (تاریخ الخلفاء، السیوطیؒ)

مصنف ابن ابی شیبہ وابن عساکر میں سالم بن الجعد سے روایت ہے کہ میں

نے محمد بن الحنفیہ سے پوچھا: **هل كان ابو بكر اول القوم اسلاما ؟ قال لا فقلت فيما علا ابو بكروسبق حتى لا يذ كر غير ابى بكرقال لا نه كان افضلهم اسلاما من حين اسلم حتى لحق بربه.**

ترجمہ: میں نے محمد بن الحنفیہ سے کہا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب قوم سے پہلے اسلام لائے تھے؟ انہوں نے کہا نہیں، میں نے کہا تو کس وجہ سے ابوبکر رضی اللہ عنہ چھا گئے اور سبقت کر گئے یہاں تک کہ ابوبکر کے سوا کسی کا ذکر ہی نہیں ہوتا۔ انہوں نے کہا اس وجہ سے کہ انکا اسلام سب سے اچھا تھا جب سے وہ ایمان لائے حتیٰ کہ وہ اپنے رب تعالیٰ سے جا ملے۔

ابن عساکر نے سند جیّد کے ساتھ یہ حدیث اخراج کی ہے: محمد بن سعد بن ابی وقاص (رضی اللہ عنہم) نے اپنے والد سعد رضی اللہ عنہ سے سنا: **اكا ن ابـو بـكـر الصديق اولـكـم اسـلامـا** (کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے پہلے مسلمان تھے؟ انہوں نے کہا: نہیں۔ **ولكنه اسلم قبله اكثر من خمسة ولكن كان خير نا اسـلامـا** (تاریخ الخلفاء، السیوطی) بلکہ واقعہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے پانچ سے زیادہ افراد اسلام قبول کر چکے تھے لیکن انکا اسلام سب سے اچھا تھا۔

قال ابن كثير: **وا لظاهر ان اهل بيته** صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم **آمنوا قبل كل احد زوجته خديجه ومولاه زيد و زوجة زيد ام ايمن وعلى و ورقه ۔**

ترجمہ: ظاہر بات ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہلِ بیت سب سے پہلے ایمان لائے۔ آپ کی زوجہ مبارکہ جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا آپ کے غلام زید رضی اللہ عنہ، انکی اہلیہ اُم ایمن رضی اللہ عنہا، وجنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہ۔

امام ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب اصول الدین ۹۔۲۹۸ میں ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

الصحابة علی مراتب ۔صحابہ کرام کے کئی مراتب ہیں اعلا ھم رتبا السابقون منهم الی ا لاسلام . مرتبہ میں سب سے اعلیٰ وہ لوگ ہونگے جو سب سے پہلے ایمان لائے۔من سبق منهم من الرجال ابو بکر ومن اهل البیت علی ومن ا لنساء خدیجة ومن الموالی زید بن حارثة ومن الحبشة بلال ومن الفرس سلمان (رضی الله عنهم) ان سب سے جس نے مردوں میں سبقت کی وہ ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں اہل بیت میں علی رضی اللہ عنہ غلاموں میں سے زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ہیں حبشہ سے بلال رضی اللہ عنہ ہیں اور اہلِ فارس میں سے سلمان رضی اللہ عنہ فارسی ہیں۔واختلفوا فی علی وابی بکر فاکثر اصحاب التواریخ علی ان علیاً اسلم قبل ابوبکر بیوم. پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں انہوں نے اختلاف کیا۔

تو اکثر اصحابِ تواریخ کا یہ موقف ہے کہ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک دن پہلے ایمان لائے۔محمد بن اسحاق بن یسار کا قول بھی اسی قول کی حمایت کرتا ہے:

اول ذکر من الناس آمن برسول الله صلی الله علیه وآله وسلم علی ابن ابی طالب (کرم الله تعالی وجهه الکریم) سب سے پہلا مذکر جو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لایا وہ علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ثم زید بن حارثه مولا رسول الله صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ثم

ابو بکر رضی اللہ عنہ۔ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بعد زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام ایمان لائے پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے۔

اوّل المسلمین کون؟ اختلافِ روایات:

اب یہ تحقیق کہ پہلا مسلمان ان دونوں بزرگ ترین ہستیوں میں سے کون ہے؟ کسی دینی فائدہ اور ایمانی دلچسپی سے خالی نہ ہوگی۔

(۱) جنابِ مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: **اول من اسلم من الرجال ابوبکر و اول من صلی الی القبلة علی ابن ابی طالب خرجه ابن السمان** (ریاض النضرۃ، محبّ الدین طبری ۱۔۸۵)

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ پہلا مسلمان، مردوں میں سے، جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں اور پہلا وہ شخص جس نے قبلہ کی طرف منہ کر کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی وہ علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ بن ابی طالب ہیں۔

اسی سے ملتی جلتی روایت جنابِ شعبی سے منقول ہے (یہ تابعی ہیں):

میں نے جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا جبکہ یہ بات پہلے آپ سے پوچھی جا چکی تھی: **ای الناس کان اول اسلاما**: سب لوگوں سے پہلے اسلام لانے والا کونسا شخص تھا، جنابِ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے جواباً فرمایا: تم نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کا قول نہیں سنا؟:

خیر البریه اتقاها واعدلها

بعد النبی و اوفاها بما حملا

ساری مخلوق (بعد از نبی) سے وہ اچھا ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہے اور سب سے زیادہ عادل ہے اور جو فرائض اپنے ذمے لئے تھے سب سے زیادہ اچھی طرح انھیں نباہنے والا ہے۔

والثانی التالی المحمود مشھدہ

واول الناس منھم صدق الرسل

دوسرا ہے (گنتی میں) جسکی شہادت پسندیدہ ر جسکی حاضری نماز میں پسندیدہ ہے) اور سب لوگوں سے پہلے رسول (یا سارے رسولوں) کی اس نے تصدیق کی۔

ثانی اثنین فی الغار المنیف وقد

طاف العدو بھم اذ صعد الجبلا

بلند پایہ، شاندار، ممتاز غار میں دو کا دوسرا تھا، حالانکہ دشمن انکے گردا گرد گھیراؤ کئے ہوئے تھے۔

وکان حب رسول اللہ قد علموا

من البریۃ لم یعدل بہ رجلا

لوگوں کو جنابِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے محبت کا علم تھا کہ وہ مخلوق میں سے کسی کو بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں سمجھتے تھے۔

اور یہ اشعار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں پڑھے۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیحد خوشی ہوئی جسکا معنی یہ ہے کہ یہ اشعار کہنے کو شعر ہیں مگر دستور کی نظروں میں یہ حدیثِ تقریری ہے۔ اس پر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تحسین وآفرین فرمانا اسی معنی کی تاکید مزید ہے۔ (ریاض النضرۃ ج ۱ ص ۸٦)

ان اشعار سے (جو کہ حدیثِ تقریری ہیں) حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سب سے اتقی و اعلیٰ ہونا اور اپنے فرائض منصبی کا بعد از نبی، سب سے اچھا انجام دینے والا ہونا ثابت ہوتا ہے اور سب لوگوں سے پہلے تصدیق نبوت کرنے والا ثابت ہے، نیز دشمنوں کے جمگھٹوں میں مصائب و آلام برداشت کرنے میں دوسرے نمبر پر ہونا ثابت ہے۔

(۴) عن فرات بن السائب : قلت لمیمون بن مهران ابو بکر الصدیق اول ایمانا بالنبی ام علی بن ابی طالب ؟ قال : واللہ لقد امن ابو بکر بالنبی زمن بحیراا لراھب .فا ختلف فی ما بینه و بین خدیجه حتی انکحھا ایاہ وذالک کله قبل ان یولد علی بن ابی طالب

ترجمہ: فرات بن سائب کہتے ہیں میں نے میمون بن مہران سے پوچھا، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے یا جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا: خدا کی قسم حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تو بحیرا راہب کے دور میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور اسکے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جنابِ خدیجہ رضی اللہ عنہا اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان آمد و رفت کی یہاں تک ان کا باہمی نکاح کرا دیا۔ اور یہ سب باتیں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ولادت سے قبل واقع ہو چکی تھیں۔

صاحبِ کتاب کے نزدیک یہ ایمان وہ نہیں ہے جو اصطلاح شرع میں ایمان کہلاتا ہے بلکہ اس سے مراد یقین ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کے بارے میں ہے۔ (انشاء اللہ اس پر تفصیلی تبصرہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کیفیتِ

ایمان میں آجائیگا اور متکلمین کی آراء بھی آجائیں گی)

(۳) عن ابن عباس ان ابا بکر صحب النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم وھو ابن ثمان عشرۃ سنۃ وھم یریدون الشام فی تجارۃ حتی نزلوا منزلا فیہ سدرۃ فنزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فی ظلھا ومضی ابو بکر الی راھب یقال لہ بحیرا یسئلہ عن الدین فقال من الرجل الذی فی ظل السدرۃ؟ فقال ذالک محمد بن عبداللہ قال "واللہ ھذا نبی اللہ ما استظل تحتھا احد بعد عیسی بن مریم الا محمد" فوقع فی قلب ابی ابکر الیقین (ریاض النضرۃ،۱۔۸۷)

ترجمہ: عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سفرِ شام پر بغرضِ تجارت گئے اور ایک منزل پر فروکش ہوئے جہاں ایک بیر کا پیڑ تھا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسکے سایہ میں نزولِ اجلال فرمایا اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دین کے بارے میں دریافت کرنے کے لئے ایک راہب کے پاس چلے گئے جس کو بحیرا کہتے تھے۔ اس راہب نے دریافت کیا وہ کون مرد ہے جو پیڑ کے سائے میں بیٹھا ہوا ہے؟ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جواب دیا۔ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بن عبداللہ ہے۔ راہب نے کہا: خدا کی قسم یہ اللہ کا نبی ہے عیسیٰ ابن مریم کے بعد اسکے سائے میں کوئی نہیں بیٹھا سوائے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل کو یقین آگیا۔

ھذا یفسر قول میمون بن مھران وانہ ارا د با سلام ابی بکر ما و قر فی قلبہ من الیقین و الا فا لنبی تزوج خدیجہ و سا فر الی الشام قبل مبعثہ

یہ میمون بن مہران کے قول کی تفسیر کرتا ہے۔اور وہ یہ ہے کہا اسلام سے مراد وہ یقین تھا جو (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کے بارے میں) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دل میں بیٹھ گیا تھا۔ورنہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے شادی اور سفرِ شام اپنی بعثت سے پہلے کیا تھا۔(صاحبِ کتاب کا منشاء یہ ہے کہ ایمان اس اقرار وتصدیق کا نام ہے جو بعد از اعلانِ نبوت ہوسکتی ہے)

(۴) **عن ابی نضرة :قال قال ابو بکر لعلی : انا اسلمت قبلک فی حدیث طویل فلم ینکر ذالک علی رضی اللہ عنہ۔**

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا جنابِ علی مرتضی رضی اللہ عنہ سے: میں نے آپ سے پہلے اسلام قبول کیا۔(ایک لمبی حدیث کے متن میں)اور جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ نے اسکا انکار نہ فرمایا۔

(۵) **وعنه عن ابی سعید ان ابا بکر الصدیق قال الست اول من اسلم ؟** انہی سے ابی نضرہ سے روایت ہے اور وہ جنابِ ابی سعید سے روایت کرتے ہیں۔انہوں نے کہا کہ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کیا میں وہ آدمی نہیں ہوں جس نے سب سے پہلے اسلام قبول کیا تھا؟

(۶) عمار رضی اللہ عنہ بن یاسر سے روایت ہے : **رایت رسول اللہ ومـا معه الا خمسة اعبد وامر ئتان وابو بکر: خرجه الصوفی عن یحی بن معین** میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ کے ہمراہ ۵ غلام دو عورتیں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے۔اس روایت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان واسلام کی اولیت ثابت نہیں ہوتی۔

(۷) عمر رضی اللہ عنہ و بن عنبسة سے روایت ہے: قال اتیت النبی وهو بعکاظ فقلت من معک فی هذا الامر؟ فقال حرو عبد ولیس معه الا ابو بکر و بلال

عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا جبکہ آپ بازارِ عکاظ میں جلوہ فرما تھے (یہ ایک بازار تھا جس میں سال میں ایک مرتبہ بازار لگاتے تھے جو ہمیشہ بھرار ہتا تھا اسلام نے اسے ختم کر دیا) میں نے پوچھا اس میں آپ کا ہمنوا کون ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ایک غلام ہے اور ایک آزاد جبکہ آپ کے ہمراہ سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ و بلالِ حبشی رضی اللہ عنہ کے کوئی نہ تھا۔

(۸) جوہری، زر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا:

کان اول من اظهر الاسلام سبعة رسول الله وابو بکر و عمار بن یاسر وامه سمیة وصهیب والمقداد وبلال

سب سے پہلے اسلام جنہوں نے ظاہر کیا وہ سات ہیں: رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر، عمار بن یاسر، انکی والدہ سمیہ، صہیب، مقداد و بلال حبشی ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(۹) زر بن عبداللہ سے روایت ہے: اول من اظهر اسلامه بسیفه النبی وابو بکر: اخرجه الواحدی

سب سے پہلے جنہوں نے بزورِ شمشیر اپنا اسلام ظاہر کیا۔ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہیں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس حدیث کی تخریج واحدی نے کی ہے۔

حضرت علی مرتضیٰ ﷺ پہلے مومن تھے یا حضرت ابوبکر صدیق ﷺ؟

چونکہ اس سلسلے میں اصول الدین مصنفہ امام عبدالقاہر جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہ بات گزر چکی ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیبِ مراتب کا ایک معیار پہلے ایمان لانا ہے، اس لئے ایمان اور اسلام کی اولیت کا فیصلہ بھی ایک جزو مضمون ہے:

لا خلاف بین اهل الاثر ان ابا بکر کان رجلا مما امن بالنبی واختلفوا هل کان علی مولودا حین بعث النبی ام لا . وممن ذهب الی ان ابا بکر اول من اسلم (۱)ابن عباس (۲) حسان بن ثابت (۳) ابو الاروی دوسی (۴). اسماء بنت ابی بکر (۵) (ابراهیم)نخعی(۶)ابن الماجشون(۷) محمد بن المنکدر(۸) الاحسنی (ریاض النضرۃ،۱۔۸۸)

جن لوگوں نے جنابِ حضرت ابو بکر صدیق ﷺ کو پہلا مسلمان سمجھا ہے:۱۔ابن عباس۔۲۔حسان بن ثابت۔۳۔ابوالاروی دوسی۔۴۔اسماء بنت ابی بکر۔ ۵۔(ابراہیم)نخعی۔۶۔ابن ماجشون۔۷۔محمد بن المنکدر۔۸۔الاحسنی. (رضی اللہ عنہم)

وممن ذهب الی ان علیاً اول من اسلم من الرجال: ۱ .سلمان فارسی ۲ .ابو ذر غفاری .۳. مقداد بن الاسود. ۴خبابِ بن الا رت ۵.جابر بن عبدالله انصاری. ۶ ابو سعید خدری.۷. زید بن الارقم.

جن لوگوں نے جنابِ مرتضیٰ ﷺ کو پہلا مومن سمجھا، وہ ۱۔حضرتِ سلمان فارسی۔۲۔حضرت ابو ذر غفاری ۔۳۔حضرت مقداد بن الاسود۔۴۔خباب بن الارتّ۔۵۔حضرت جابر بن عبداللہ انصاری۔۶ حضرت ابوسعید خدری۔۷۔حضرت

زید بن الارقم ہیں۔(رضی اللہ عنہم)۔ ابن شہاب (الزھری) کا بھی یہی قول ہے او
عبداللہ بن محمد اور محمد بن کعب اور قتادہ کا بھی یہی قول ہے۔

واتفقوا علی ان خدیجۃ اول من اسلم مطلق.

بلا اختلاف جو سب سے پہلے ایمان لائی ہیں وہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں۔ مطلق ک
معنی بلالحاظ مرد یا عورت کے بلالحاظ بالغ یانابالغ کے۔

**قال ابن اسحاق: اول ذکر اسلم وصلی وصدق بما جاء با
محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی وھو ابن عشر سنین.**

پہلا مذکر جس نے اسلام قبول کیا اور نماز پڑھی اور جو کچھ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
لائے اسکی تصدیق کی وہ حضرتِ علی رضی اللہ عنہ ہیں جبکہ وہ دس سال عمر کے تھے۔

پھر انہوں نے وضاحت کر دی کہ جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ جنابِ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے۔ فرماتے ہیں:

**اول من اسلم علی ثم زید بن حارثۃ ثم ابو بکر ثم اسلم رھط
من المسلمین منھم عثمان و الزبیر و طلحۃ و عبدالرحمان بن
عوف و سعد بن وقاص (ابن اسحاق و ابن قتیبہ)** سب سے پہلے علی
مرتضی رضی اللہ عنہ ایمان لائے پھر زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ ایمان لائے پھر جنابِ حضرت
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے پھر مسلمانوں کا ایک گروہ ایمان لایا جن میں
عثمان، زبیر، طلحہ، عبدالرحمٰن بن عوف اور سعد بن ابی وقاص شامل ہیں (رضی اللہ
عنہم) (ریاض النضرۃ،۱۔۸۹)

وقال غیرہ من اھل العلم : اول من اسلم من الرجال ابو بکرو اسلم علی وھو ابن ثمان سنین و اول من ا سلم من النساء خدیجة خرجه الترمذی (ریاض النضر ۃ،ا۔۸۹)

دوسرے اہل علم نے کہا سب سے پہلا مرد (عاقل بالغ) جو اسلام لایا ہے وہ ابوبکر ہیں جناب علی مرتضیٰ اسلام لائے جبکہ وہ آٹھ برس کے تھے۔اور عورتوں میں سب سے پہلے جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ایمان لائی ہیں (اسکی تخریج امام ترمذی نے کی ہے)

محب الدین طبری ان مختلف روایات میں تطبیق دیتے ہیں:

والاولی التوفیق بین الروایات کلھا وتصدیقھا فیقال اول من اسلم مطلقا خدیجة بنت خویلد واول ذکر اسلم علی ابن ابی طالب و ھو صبی لم یبلغ کما تقدمه فی سنه وکان مستخفیا باسلامه و اول رجل عربی بالغ اسلم و اظھر اسلامه ابو بکر بن قحافه (ریاض النضرۃ،ا۔۸۹)

بہتر یہ ہے کہ ساری روایات کو تطبیق دی جائے اور ان کی تصدیق کی جائے اور یوں کہا جائے (بلحاظ صفتِ مردانیت ونسوانیت کے اور بلحاظِ بلوغت وعدمِ بلوغت کے) مطلقا (نمبر ایک مسلمان) جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا ہیں (نمبر دو مسلمان) جو سب سے پہلے مذکر مسلمان ہوئے وہ علی مرتضیٰ ہیں جبکہ وہ بالغ نہیں ہوئے تھے۔جیسا کہ انکی عمر کے بارے میں گزر چکا ہے۔اور اپنے اسلام کو عوام میں ظاہر نہیں کیا ہوا تھا۔(اور تیسرے نمبر پر) جس نے اسلام قبول کیا اور برملا طور پر اسکا اظہار کیا

وہ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تھے۔

محبّ الدین طبری کے اعداد و شمار میں جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تیسرے مسلمان تھے اور ابن عساکر کی روایت مرویہ محمد بن سعد بن ابی وقاص، بحوا تاریخ الخلفاء، السیوطی کے آپ چھٹے مسلمان تھے۔

جنابِ مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا اپنا فرمان ہے:

سبقتکم الی الاسلام طراً

غلاماً مابلغتُ اوان حلمی

ترجمہ: (میں تم سب سے پہلے مسلمان ہوا جب کہ میں چھوٹا تھا اور ابھی بلوغت کی عمر کو نہیں پہنچا تھا) (ابن عساکر ج ۴۵ ص ۴۰۲، الصواعق المحرقہ۔۱۱۳)

محبّ الدین طبری اسی باب میں آخر چل کر محمد بن کعب کی روایت نقل کرتے ہیں:

قد سئل عن اول من اسلم علی او ابو بکر فقال سبحان ا
،علی اولھما اسلاماً انما شبہ علی الناس لان علیا اغط
ا سلامه من ابی طالب واسلم ابو بکر و اظهر اسلامه ولا شک عند
ان علیا اولهما اسلاما خرجه ابو عمر و عنه انا اول من اظهر الاسا
وکان علی یکتم الاسلام خوفا من ابیه حتی لقیه ابو طالب فقا
اسلمت ؟ قال نعم قال آ زر ابن عمک وا نصره واسلم علی قبل ا
بکر (ریاض النضرۃ، ج ا ص ۹۱)

محمد بن کعب سے پہلے شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو اسلام لایا تھا، کیا جنا

علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے ایمان لائے تھے یا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔ انہوں نے جواباً فرمایا۔ سبحان اللہ، علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ دونوں میں سے پہلے مسلمان ہیں اور لوگوں میں اس لئے اشتباہ پیدا ہو گیا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد جنابِ ابی طالب سے ایمان چھپایا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا۔ اور ہمارے نزدیک یہ حقیقت بلا شک ثابت ہے کہ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے کے مسلمان تھے۔ اس حدیث کی تخریج ابو عمر نے کی اور انہی سے روایت ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں پہلا شخص ہوں جس نے اسلام کا اظہار کیا۔ جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے والد کے خوف سے اپنا اسلام چھپاتے تھے، حتیٰ کہ (ایک دن) جنابِ ابی طالب نے انہیں دیکھ لیا تو بولے: کیا تم ایمان لے آئے ہو۔ انہوں نے کہا: جی ہاں تو (ابا جی نے کہا) اپنے چچا زاد بھائی کا ہاتھ بٹاؤ اور اسکی مدد کرو اور جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے ایمان لائے۔

پہلا مسلمان ہونے کی تحقیق مزید

(۱) عن عمر قال كنت انا و ابو عبيدة و ابو بكر و جماعة من الصحابه اذ ضرب رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم على منكب على فقال يا على انت اول المومنين ايمانا و اول المسلمين اسلا ما وانت منى بمنزلة هارون من موسى : خرجه ابن سمان

جناب عمر رضی اللہ عنہ کی روایت ہے فرماتے ہیں۔ میں تھا ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ تھے اور ابوبکر رضی اللہ عنہ تھے

اور صحابہ کی ایک جماعت تھی جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب مولا مرتضٰی ﷺ
کے کاندھے پر ہاتھ مارا اور فرمایا: اے علی تو ایمان کے لحاظ سے پہلا مومن ہے اور
اسلام کے لحاظ سے پہلا مسلم ہے۔ اور تیری نسبت میرے ساتھ ایسے ہے جیسے حضرت
ہارون علیہ السلام کی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے۔

اس روایت میں جناب علی مرتضٰی ﷺ کے اول مسلمان ہونے کا ثبوت
جناب عمر فاروق ﷺ کی زبانِ گوہر فشاں سے ہونا صحتِ روایت کی خوشگوار دلیل
ہے۔

(۲) حضرتِ زید بن ارقم ﷺ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا:

کان اول من اسلم علی بن ابی طالب (خرجه احمد و ترمذی وصححه) پہلا شخص جو اسلام لایا تھا وہ جناب علی ﷺ بن ابی طالب تھے۔

اس حدیث کی تخریج امام احمد بن حنبل ﷺ نے کی اور امام ترمذی ﷺ نے بھی کی۔

(۳) **عن ابن عباس قال: کان علی اول من اسلم بعد خدیجه قال ابن عمر هذا حدیث صحیح الاسناد لا مطعن فی رواته لاحد وهو یعارض ما تقدم عن ابن عباس فی ابی بکر و الصحیح ان ابا بکر اول من اظهر الاسلام کما تقدم ذکره فی بابه وبه قال مجاهد ومن حکی قوله من العلماء ثمه**(ریاض النضرة،۳۔۱۱۰)

جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے، انہوں نے کہا: علی مرتضٰی ﷺ پہلا
شخص ہے جو جناب خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے بعد ایمان لایا۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے

کہا یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔اور اسکے راویوں میں سے کسی ایک پر کوئی تنقید یا جرح نہیں ہے۔اور یہ حدیث جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی اس حدیث سے تصادم کھاتی ہے جو انہوں نے جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلا مسلمان ہونے کے بارے میں روایت کی ہے۔تو اس بارے میں صحیح بات یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ (پہلے مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہ) پہلے شخص ہیں جنہوں نے اپنے اسلام کا اظہار کیا جیسا کہ اسی باب میں پہلے گزر چکا ہے۔اور یہی بات مجاہد نے بھی کہی اور ان علماء نے بھی کہی ہے جن کا ہم نے وہاں ذکر کیا ہے۔

(۴) عن معاذة العدويه قالت:سمعت عليا على المنبر(منبر البصره) يقول انا الصديق الاكبر آمنت قبل ان يؤ من ابو بكر،اسلمت قبل ان يسلم ابو بكر:خرجه ابن قتيبه فى المعارف

(ریاض النضرۃ،۳،۱۱۰)

معاذہ عدویہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، انہوں نے کہا میں نے جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بصرے کے منبر پر بیٹھ کر یہ کہتے سنا میں صدیقِ اکبر ہوں، میں جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے سے پہلے ایمان لایا ہوں اور جنابِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اسلام لانے سے پہلے اسلام لایا ہوں۔اس حدیث کی تخریج ابن قتیبہ نے اپنی کتاب المعارف میں کی ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والا صدیق کہلائے گا جنابِ حیدرِ کرار کے" انا الصديق الاكبر " کہنے کا مقصد یہ ہوگا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والا سب

سے پہلا آدمی میں تھا، اس لئے میں ہی صدیقِ اکبر ہوں۔

(۵) عن ابی ذر قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یقول لعلی : انت اول من آمن بی وصدق بی خرجہ الحاکم (ریاض النضرہ، ۳۔۱۱۰)۔ جنابِ ابوذر غفاری ﷺ فرماتے ہیں: میں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو علی مرتضیٰ ﷺ سے یوں بات کرتے ہوئے سنا: تم پہلے شخص ہو جو ایمان لائے اور میری تصدیق کی۔

(۶) عن سلمان انہ قال : اول ھذہ الامۃ وروداً علی نبیھا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اولھا اسلاما علی ابن ابی طالب وقد روی مرفوعا الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ولفظہ اول ھذہ الامۃ وروداً علی الحوض علی ابن ابی طالب۔ الحدیث.

حضرت سلمان فارسی ﷺ نے فرمایا: اس امت کا سب سے پہلا آدمی جو سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس حوضِ کوثر پر وارد ہوگا وہ علی ابن طالبؑ ہیں۔ یعنی جنابِ مولا مرتضیٰؑ جو سب سے پہلے ایمان لائے تھے وہی حوضِ کوثر پر سب سے پہلے جنابِ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونگے۔ (ریاض النضرہ، ۳۔۱۱۰)

(۷) فی روایۃ: اولکم وروداً علی الحوض اولکم اسلاماً، علی بن ابی طالبؓ (ریاض النضرہ، ۳۔۱۱۰) ایک روایت میں ہے تم میں سے پہلا شخص جو حوض کوثر پر وارد ہوگا وہ وہی شخص ہے جو سب سے پہلے اسلام لایا تھا اور وہ علی

بن ابی طالب ہے۔

(۸) عن ابن عباس قال: السباق ثلاثة ،یو شع بن نون الی موسی وصاحب یاسین الی عیسی وعلی الی النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: خرجه ابن الضحاک فی الاحاد و المثانی.

جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: سبقت لیجانے والے تین شخص ہیں (پہلے) یوشع بن نون ہیں جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی (سب سے پہلے انکا کلمہ پڑھا)۔ (دوسرے) صاحب یٰسین ہیں (جنہوں نے) عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سبقت کی (یعنی سب سے پہلے دین عیسیٰ علیہ السلام قبول کیا) اور (تیسرے) جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں (جنہوں نے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سبقت کی (سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین قبول کیا)۔

یہی روایت ابن کثیر نے اپنی تفسیر میں سورۃ واقعہ کی آیت نمبر ۱۰ السابقون السابقون کی تفسیر میں نقل کی ہے۔اوراسی روایت کوامام ابن حجر مکی نے سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے ''الصواعق المحرقہ'' ص ۱۲۵ پر نقل فرمایا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایمان لانے کی کیفیت

وذالک انه کا ن تاجرا با لشا م فر ا ی رویة فقصها علی بحیرا الراهب فقال : من این انت ؟ فقال من مکة فقال من ایها؟ قال من قریش قال فا ی شییء انت ؟ قال تاجر قال ان صدق اللہ ر و ء یا

ک فانہ یبعث نبی من قومک تکون وزیرہ فی حیا تہ و خلیفتہ بعد
وفاتہ فا سر ذالک ابو بکر فی نفسہ حتی بعث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
فجا ء ہ فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما ا لد لیل علی ما تدعی؟ قال
روء یا ک التی را یت بالشام فعا نقہ و قبل بین عینیہ وقال اشھد ان لا
الہ الا اللہ و اشھد انک رسول اللہ (ریاض النضرة، ا . ۸۳)

ترجمہ: اور یہ واقعہ یوں ہوا کہ (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) شام میں تجارت کر رہے تھے تو آپ نے ایک خواب دیکھا جو بحیرا راھب کو کہہ سنایا تو (بحیرا راھب نے) ان سے کہا: آپ کہاں کے رہنے والے ہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں مکے کا رہنے والا ہوں۔ (بحیرا راھب نے) کہا تو کونسے لوگوں میں سے ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں قریش میں سے ہوں (بحیرا راھب نے) کہا آپ کیا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: میں تاجر ہوں (بحیرا راھب نے) کہا اگر اللہ تعالیٰ آپ کے خواب کو سچا کر دے تو اسکا معنی یہ ہوگا کہ ایک نبی آپ کی قوم سے مبعوث کیا جائیگا۔ تو وزیر ہوگا اسکی زندگی میں اور اسکی وفات کے بعد تو اسکا خلیفہ ہوگا۔ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس بات کو دل میں چھپائے رکھا (کسی سے بیان نہ کیا) حتی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے (اور حضرت ابوبکر صدیق آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور کہا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس اپنے دعوی (رسالت) کی کیا دلیل ہے؟ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا (میرے دعوی رسالت کی دلیل) وہ خواب ہے جو تو نے شام میں دیکھا تھا۔ اُٹھ کر گلے ملے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کے

درمیان بوسہ لیا اور کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبود نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں۔

یہاں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ نبی بتلائے یا نہ بتلائے نبی کے پاس علومِ غیب ہوتے ہیں جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خواب سے ظاہر ہوتا ہے۔ آپ نے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت تک سفر شام والے خواب کا ذکر کسی سے نہ فرمایا تھا پھر بھی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ تھا۔

بندگانِ خاص علام الغیوب

احذروهم هم جوا سیس القلوب

(رومی)

اللہ تعالیٰ کے خاص بندے غیبوں کے جاننے والے ہوتے ہیں۔ ان سے ڈرا کرو (کیونکہ) وہ دلوں کے جاسوس ہوتے ہیں

حیاتِ طیبہ بطور ایک صحابی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی زندگی بطور ایک صحابی ایسی ہے کہ رنج و راحت، رزم و بزم، خوف و امن اور جنگ و صلح میں ہمہ دم سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ رہے۔ اور ساتھ دینے میں اپنا امتیاز ہمیشہ کیطرح قائم رکھا یہاں تک کہ خدا کی کائنات میں اکیلے ہی صحابی ہیں جنکی صحبت قرآن کی نص سے ثابت ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا منکر کافر ٹھہرے گا کیونکہ مسلمان کہلانے والا کوئی طبقہ بھی ایسا نہیں جو غار میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ

موجود ہونے والے کے بارے میں یہ کہے کہ وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نہیں تھے۔ جنھیں اللہ تعالی نے صاحب کے لقب سے نوازا۔ بایں معنی آپکی صحبت منصوص علیہ ٹھہری جس کے نتیجے میں صحبت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر کافر قرار پائے گا۔

اگر قرآن میں کسی صحابی کا نام لیا ہے تو صرف حضرت زید رضی اللہ عنہ کا نام لیا اور صحبت کا ذکر کیا ہے تو صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا ذکر کیا۔ ذکرِ صحبت میں خصوصیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہے اور نام کے ذکر میں خصوصیت حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کی ہے مگر اندازِ بیان میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ ذکر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر مدح وثناء کے پھول نچھاور کیئے گئے ہیں۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کبھی بھی جدا نہیں رہے۔ اِلّا یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود امیر حج بنا کر بھیجا یا کسی جنگی مہم کے لئے بھیجا۔ مگر اسکی کوئی مثال نہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی جنگ کے لئے پیش قدمی فرمائی ہو اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھر پور شرکت نہ کی ہو۔ بلکہ صحابہ کرام کی صفوں میں پیشا پیش رہے ہیں اور آپکا ہمیشہ قائدانہ کردار رہا ہے۔

بدر میں سب سے بڑا خطرہ عریشِ بدر کے گرد اگرد گھومتا تھا جس میں سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم جلوہ فرما تھے، اس کی پاسبانی اس مردِ خدا کے سپرد تھی جس نے غارِ ثور میں سانپ کا ڈنگ کھا کر موت کے منہ میں بیٹھ کر رسمِ وفا کی غیر مثالی طرح ڈالی تھی۔ جس تجربے نے واضح کر دیا تھا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ان وفا شعار مردانِ خدا میں سے تھے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تحفظ کے لئے سو جان سے قربان

ہو سکتے ہیں۔ اور یہ وجہ ہے کہ عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ قیاس کرتے ہیں کہ جب جبرائیل امین نے بمقام سدرۃ المنتہی آگے جانے سے معذرت چاہی تھی۔ قطع نظر عقیدہ افضلیت ومفضولیت کے اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے تو وہاں سے آگے چلے جانے کی پیش کش کرتے کیونکہ جبریل امین کی معذرت کی بنیاد یہ تھی کہ آگے اس لئے نہیں جاتا ہوں کہ اگر آگے جاؤں تو میرے پر جل جائیں گے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوتے تو غار والے تجربے کی روشنی میں وہ ضرور کہتے کہ جل جانا منظور ہے مگر ساتھ چھوڑنا منظور نہیں ہے۔

عریش بدر کی طرف بڑھنے والی ہر پیش قدمی کو روکنا، افضل الامت ہی کا کام تھا، جو سونتی ہوئی تلوار سرکار دو عالم پر وار کرنے کے ارادے سے آگے بڑھتی اسکے سامنے سینہ سپر ہو کر جوابی کاروائی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کرتے اس کے نتیجے میں ۷۰ آدمی کفار کے ہلاک ہوئے اور چودہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم نے جان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدمین مبارکین میں نچھاور کی مگر اس طویل روداد میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بال بھی بیکا نہ ہوا۔

بحوالہ بخاری، عروہ بن الزبیر سے روایت ہے میں نے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے پوچھا کہ وہ کونسی سخت ترین کاروائی ہے جو مشرکین نے جنابِ رسولِ کریم سے کی تو انہوں نے بتلایا کہ عقبہ بن ابی معیط سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا جبکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں مصروف تھے تو اس (بدنصیب و شوربخت) نے آپ کے گلوئے مبارک میں چادر ڈال لی اور آپ کا گلہ مبارک سختی سے

گھونٹ لیا، تو جنابِ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اچانک آپہنچے اور اسکو مار بھگایا۔ اور فرمانے لگے (اوحرماں نصیبو) ایک ایسے شخص کو مارنا چاہتے ہو جو کہتا ہے "میرا پالن ہار اللہ ہے" اور تمہارے پاس پروردگار کی واضح نشانیاں اور دلیلیں لایا ہے؟ (تاریخ الخلفاء، السیوطی ۳۷)

اس حدیث میں سرسری سوچ سے یادگاری حقائق ملتے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکی زندگی میں ایسی تنہائی ہونا جبکہ حالاتِ عادیہ میں کسی کا انکے ساتھ نہ ہونا۔

۲۔ عقبہ بن ابی معیط جیسے عام آدمی کا سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قاتلانہ حملہ کرنا اور قانونِ وقت کا کوئی دفاعی اقدام نہ کرنا

۳۔ ارتکابِ جرم کے دوران کسی فردِ عوام کا انسدادی مداخلت نہ کرنا، بعد میں انتظامیہ یا عدلیہ کا کوئی تحقیق و تفتیش نہ کرنا، کوئی مواخذہ نہ لینا، قبائلی نظام میں کسی ہاشمی یا قریشی یا کسی اور کا کوئی احتجاجی کاروائی نہ کرنا، اس وقت صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آڑے آنا اور پوری مکی زندگی حکومت کی مخالفت کو اپنے ذمے لے لینا، یہ اسلام پر دکھوں کی زندگی کے کمال کی بھی یادگار ہے اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جانثاری اور وفا شعاری کی بھی یکتا یادگار ہے۔

جنگِ اُحد میں شجاعت کی ایک خوبصورت یادگار

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی وفاؤں کے مہکتے پھول جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نچھاور کیئے انکا خوبصورت نمونہ اس وقت دیکھا جا سکتا ہے

جبکہ خاراشگاف تلواریں میدانِ کارزار میں چکا چاک چل رہی ہیں اور خون کے سیلاب میں شہداء کے اجسام مقدسہ کشتی نوح کی طرح تیر رہے ہیں۔ ان ہوش ربا مناظر میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک کوہ بے ستون نظر آرہے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش اشتباہ میں نُقلِ جان کو طشتِ اخلاص میں رکھ کر پیش کر رہے ہیں۔ وہ اُحد کی جنگ ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی جانی قربانیاں دیکھ کر شیروں کا پتہ بھی پانی پانی ہو رہا ہے۔ حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ مدینہ طیبہ کے پہلے مسلم علمبردار اسلام اس جنگ میں کام آچکے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا اور رضاعی بھائی حضرت امیرِ حمزہ رضی اللہ عنہ بھی وحشی حبشی کے نیزے سے جامِ شہادت نوش فرماچکے اور انکے اعضائے رئیسہ مع کان ناک کے ہار میں پروئے جا کر آتشِ انتقام کو ٹھنڈا کیا جاچکا ہے۔ ان جان کاہ وجگر فرسا مناظر کو دیکھ کر جگر کو تھامنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ایسے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جنگی پینترا بدلنے کے لئے دشمن کو ایک تاثر دیا جس سے دشمن غلط فہمی میں مبتلا ہو گئے اس پنترے کے بعد مجتمع ہونا اور جنگی محاذ کو بروقت سنبھال لینا اور اس میں اپنی دفاعی کاروائی کو مکمل کر دکھانا یہ ملت کے جیالے سپوتوں کا کام ہے۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پرچمِ وفاء، اعلانیہ طور پر ممتاز رہا۔

اخرج الهيثم بن كليب في مسنده عن ابى بكر ، قال لما كان يوم احد انصرف الناس كلهم عن رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فكنت اول من فاء (تاریخ الخلفا، السیوطی، ۳۶)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ارشادِ گرامی ہے، جب اُحد کا دن تھا تو سارے لوگ سرکارِ

دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگے، میں سب سے پہلا آدمی تھا جو لوٹ کر آ گیا۔
جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت و جوانمردی کی ایک روداد پیشِ خدمت ہے۔

اخرج ابن عساکر عن عائشه (رضی الله تعالی عنها) قالت لما اجتمع اصحاب النبی فکانوا ثمانیة و ثلا ثین رجلا اَلَحَ ابو بکر علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم فی الظهور فقال یا ابا بکر انا قلیل فلم یزل ابو بکر یلحّ علی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حتی ظهر رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم وتفرق المسلمون فی نواح المسجد وکل رجل فی عشیرته وقام ابو بکر فی ا لناس خطیبا فکان اول خطیب دعا الی الله والی رسوله وثار المشرکون علی ابی بکر و علی المسلمین وضربوا فی نواحی المسجد ضربا شدیدا وسیا تی تتمة الحدیث فی ترجمة عمر (رضی الله عنه) (تاریخ الخلفاء۔ص۳۶)

ترجمہ: سیدہ عائشہ فرماتی ہیں جب نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جمع ہو گئے تو اڑتیس مرد ہوئے تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے برملا تبلیغ کی درخواست کی۔ سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے ابوبکر ہم تھوڑے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس درخوست پر اصرار کرتے گئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں، حتیٰ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ظاہراً ہوئے اور مسلمان (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) مسجد کے گردو نواح میں پھیل گئے۔ اور ہر آدمی

اپنے اقرباء میں تھا اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ لوگوں کے درمیان خطیب بن کر لوگوں کے درمیان کھڑے ہو گئے۔ پس حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پہلے شخص تھے جنہوں نے لوگوں کو اللہ اور اسکے رسول کی طرف دعوت دی۔ اور مشرکین نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ ستودہ صفات پر بھی حملہ کیا۔ اور مسلمانوں (صحابہ کرام) پر بھی دھاوا بول دیا اور مسجد حرام کے مختلف گوشوں میں انہوں نے زبردست زدوکوب کیا۔

اس موقعہ پر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جراتِ مجاہدانہ اور استقامتِ مومنانہ قابل دید ہے۔ اور خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف پہلا داعی بن جانا یقیناً گزشتہ انبیا علیہم السلام کی طرزِ دعوت کا نمونہ ہے اور انہی کا ورثہ ہے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حصے میں آیا۔

ابن عساکر نے جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ سے روایت نقل کی ہے:

لما اسلم ابو بکر اظهر اسلامه ودعا الی الله والی رسوله صلی الله علیه وآله وسلم

ترجمہ: جناب علی مرتضی روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کیا (معاً) انہوں نے اپنا اسلام ظاہر کر دیا۔ (ذرہ بھر تاخیر کیۓ بغیر اور کسی مصلحت کوشی کا خیال نہ کرتے ہوئے) (فوراً) اللہ جل جلالہ اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دعوت دی۔

جیسا کہ پہلے آپ کے بارے میں گزر چکا ہے کہ سب سے پہلے جس نے اپنے اسلام کا اعلان عام کر دیا۔ وہ صرف حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ حمیدہ صفات ہے۔

سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن پر مال خرچ کرنے کا بیان

قـال اللہ تعـالی سبحـانہ: وَسَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى○ الَّذِي يُؤْتِي مَالَ
يَتَزَكَّى○ (سورۃ الیل، آیت ۱۷۔۱۸)

ترجمہ: عنقریب اس (نار متلظظہ) سے وہ مومن دور رکھا جائیگا جو اپنا مال فقراء کو د
ہے تا کہ (اللہ کی بارگاہ میں پاک ہو ریا و نمود کیلئے نہیں دیتا)

قال ابو عبیدۃ :"الاشقی بمعنی شقی وھو الکافر و الاتقی بمعنی تقی، لا
لا یختص با لصلی اشقی الاشقیا ولا با لنجاۃ اتقی الاتقیاء (تفسیر نسفی)

ابو عبیدہ نے کہا: اس جگہ اشقی بمعنی شقی اور وہ کافر ہے اور اتقی بمعنی تقی ہے اور وہ مو
ہے۔ کیونکہ بڑھکتی آگ سے ملنا سب سے بڑے شقی کے ساتھ مختص نہیں ہے اور نہ
نجات پانا سب سے بڑے متقی کے ساتھ مختص ہے۔

اشقی بمعنی شقی اور اتقی بمعنی تقی یہی معنی جلالین، طبری اور قرطبی نے لکھا ہے
اس آیتِ کریمہ پر تفصیلی بحث انشاء اللہ حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی افضلیت کے
باب میں کی جائے گی۔

بہر حال اس آیتِ کریمہ میں حضرت ابو بکر صدیق ﷛ نے جو اپنا مال خرچ کر
کے متعدد صحابہ کرام ﷡ کو جو غلام تھے خرید کر آزاد کیا اس کا بیان ہے۔ یعنی وہ سرکارِ دو عا
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دین کے بارے میں اتنا مخلص ہے کہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہ
جو غلام ہیں انھیں خرید کر آزاد کرتا ہے۔ جسکا مقصد صرف رضائے الٰہی ہے اور مظلوموں ک
ظلم سے نجات دلانا ہے اور ساتھ ہی ساتھ یہ کہ اسلام کی قوتِ افرادی بڑھانا ہے، نیز

دین پل پوس کے جوان ہو جائے اور ادیانِ باطلہ کے سامنے سینہ سپر ہو کر کھڑا ہو سکے۔

امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ نے مسند میں جنابِ ابوھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم : ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر، فبکی ابو بکر وقال ھل انا ومالی الا لک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم -

ترجمہ: آپ نے فرمایا: مجھے کسی کے مال نے وہ فائدہ نہیں دیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا تو بولے نہیں ہوں میں اور نہ ہی میرا مال مگر آپکی ملکیت (نیز یہی روایت امام احمد حنبل نے فضائل صحابہ ج اص ۸۷ پر نقل فرمائی ہے)

اس حدیث سے جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبہ سخاوت کا پتہ چلتا ہے اور سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کے لئے ذوقِ ایثار کی نشاندہی ہوتی ہے وہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عقیدے کا بھی پتہ چلتا ہے۔ جب سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مثالی قربانیوں کا اعتراف فرمایا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوش ہونا بھی ایک برمحل بات تھی۔ مگر آپ کا رونا اس بات کی نشاندہی کرتا ہے کہ یہ ایثار انکے نزدیک بقدرِ کافی نہیں تھا۔ وہ اس افسوس سے روئے کہ کاش انکے پاس بقدر کافی سے زیادہ مالی وسائل ہوتے جو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرشِ راہ کر دیئے جاتے۔

چونکہ آپ حجاز کے فیصلہ کن جج رہ چکے تھے اس لئے قوانین کا استعمال بھی

انکی گفتگو میں امر عادی تھا۔ آپ ﷺ کا یہ فرمانا: نہ ہی میں خود اور نہ ہی میرا مال مگر
کی ملکیت ہے، جسکا مدعا یہ بنتا ہے کہ میں آپکی ملکیت ہوں (غلام ہوں) اور میرا
آپکا غلام ہونے کے حوالے سے آپکی ملکیت تھا، ہے اور رہے گا۔

جیسا کہ اسلامک لاء کی رولنگ ہے: العبد وما فی یدہ ک
لمولاہ (غلام اور جو کچھ غلام کے پاس ہو وہ اسکے مولا کی ملکیت ہوتا ہے)

یعنی جو کچھ میں خرچ کر چکا ہوں واپس نہیں لے سکتا۔ نہ ہی میں خود اُس
کی واپسی کا مطالبہ کرسکتا ہوں اور نہ ہی میرے وارثوں میں سے میری موت کے
کوئی مطالبہ کرسکتا ہے۔ یہی اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مومن کی جان اور مال کے مالک ہیں۔

عہد رسالت کے مالی وسائل کی کچھ وضاحت ہو جائے تو حض
ابوبکر صدیق ﷺ کے جذبہ ایثار کا خاکہ تیار کرنے میں مدد ملے گی۔ اُس وقت
۳ درھم میں گائے خریدی جاسکتی تھی۔ مکے شریف میں ایک تازہ ترین قحط سالی جو
چکی تھی اس کا دباؤ مدتوں رہا۔ اسی دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپکے
حضرت عباس ﷺ جنابِ ابوطالب کے پاس جا کر ایک ایک بیٹا اپنے ساتھ لے آ
تھے تا کہ جنابِ ابی طالب کو روزانہ کی معیشت میں کچھ تخفیف مل جائے۔

ابن عساکر نے جنابِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور عروہ بن الزبیر ﷺ کے ط
سے اس روایت کو پیش کیا ہے کہ جس دن حضرت ابوبکر صدیق ﷺ اسلام لائے
ولہ اربعون الف دینار و فی لفظ اربعون الف درھم فانفقھا ع

رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم). ایمان لانے والے دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس ۴۰،۰۰۰ دینار تھے یا ۴۰،۰۰۰ درہم تھے جو انہوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر خرچ کر دیئے۔

اس دور میں سوائے حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کے اتنی بڑی مالیت کا مالک دوسرا انسان نہیں تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا متاعِ زندگی کے دھوئیں اُڑا کر سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رضاجوئی کا طالب رہنا ایک غیر عادی معیار ہے۔

اس قدر زرِ کثیر کا خرچ کرنا اور کبھی شکریئے تک کی توقع نہ کرنا اور بیکس مظلوم مسلمانوں کو خرید کر طوقِ غلامی سے آزاد کرنا، صفحہ تاریخ پر ایک حسین یادگار ہے۔

امام بغوی نے معالم التنزیل میں اور ابن عساکر نے جنابِ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے۔

قال کنت عند النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وعندہ ابوبکر وعلیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال، فنزل علیہ جبریل علیہ السلام فقال یا محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مالی اری ابابکر علیہ عباءۃ قد خللھا فی صدرہ بخلال؟ فقال یا جبریل انفق مالہ علی قبل الفتح قال: ان اللہ تعالی یقرء علیہ السلام ویقول: قل لہ: اراض انت عنی فی فقرک ھذا ام ساخط؟ فقال ابو بکر: ااسخط علی ربی انا عن ربی راض، انا عن ربی راض، انا عن ربی راض.

ترجمہ: جنابِ عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں ۔میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ

عرش پناہ میں حاضر تھا۔اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی۔جبکہ آپ نے ایک قباز یب
تن فرما رکھی تھی جس میں ببول کے کانٹے بٹن بنا رکھے تھے۔اتنے میں جبریل امین علیہ
السلام دربارِ گہربار میں باریاب ہوئے اور عرض کی: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا و
ہے کہ میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ایک ایسی عبا پہنے ہوئے دیکھ رہا ہوں جسکے گریبان
(بجائے بٹنوں کے) ببول کے کانٹے لگے ہوئے ہیں۔سرکارابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ و
نے جواباً ارشاد فرمایا: اے جبریل! اس نے اپنا مال فتح مکہ سے قبل مجھ پر خرچ کر
ہے۔تو جبریلِ امین نے (آداب بارگاہ رسالت بجالاکر) کہا کہ اللہ تعالی اسے سلا
کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اس سے کہو: کیا اس غربت میں تم مجھ سے خوش ہو یا ناراض
حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عاجزانہ عرض کیا: کیا میں رب پر ناراض ہو
ہوں؟ میں اپنے پالنہار سے راضی ہوں، میں اپنے پالنہار سے راضی ہوں، میں ا
پالنہار سے راضی ہوں۔

گھر لٹا کے آن بیٹھے تیری نظر کے سامنے
اب تم ہمارے سامنے اور ہم تمہارے سامنے

گو کہ اس حدیث کی سند میں ضعفِ شدید ہے مگر فضائل کے ضم
میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوتی ہے۔

ابوداؤد اور ترمذی نے جنابِ عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے:

قال امرنا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان نتصد
فوافق مالا عندی، قلت: الیوم اسبق ابا بکر .ان سبقتہ یوما .فجئ

بنصف مالی ، فقال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما ابقیت لا ملک؟ قلت مثلہ واتی ابو بکر بکل ما عندہ ، فقال : یا ابا بکر ما ابقیت لا ملک؟ قال ابقیت لھم اللہ و رسولہ فقلت لا اسبقہ فی شیء ابدا .

ترجمہ: جناب نبی کریم رؤف رحیم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم صدقہ کریں۔ یہ اعلان میرے مال کے ساتھ موافقت کھا گیا جو میرے پاس موجود تھا (یعنی میرے پاس مال ہونے کی وجہ سے میں نے سمجھا کہ کہ سرکار ابدقرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد وقت کے لحاظ سے بڑا برمحل تھا)۔ میں نے (دل میں) کہا کہ آج حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے سبقت لے جاؤنگا اگر کسی دن سبقت لے جا سکا۔ (سو) میں اپنا نصف مال لے آیا، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اپنے اہل وعیال کے لئے کیا باقی چھوڑا ہے؟ میں نے عرض کیا اتنا ہی گھر چھوڑ آیا ہوں۔ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ جو کچھ رکھتے تھے سارا ہی لے آئے۔ سرکارِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ابو بکر اپنے اہل وعیال کے لئے کیا چھوڑ کر آئے ہو۔؟ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گذارش کی: ان کے لئے اللہ ورسول چھوڑ آیا ہوں۔ تو میں نے دل میں کہا: میں کسی بھی چیز میں کبھی بھی اس سے سبقت نہیں لے جاسکتا۔

اس واقعہ سے جہاں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت و ایثار کا پتہ چلتا ہے وہاں آپ کے عقیدۂ عظمٰی پر بھی روشنی پڑتی ہے۔ گھر کا سارا اثاثہ بارگاہِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں دریادلانہ پیش کرنا، چہرے پر عشقِ رسول موجزن ہونا، دل ودماغ میں کیف وسرور کا تلاطم ہونا، افضل الامت ہونے کی غمازیاں کر رہا ہے۔ کیونکہ

خیرالامم میں اس تفضّل و تقدم کی زندگی امتیاز کے معنی دیتی ہے۔میدانِ ایثار میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کا پرچم اعلانیہ ممتاز نظر آتا ہے۔اور عقیدہ پر اسطرح روشنی پڑتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوال کے جواب میں انکا یہ عرض کرنا کہ گھر والوں کیلئے خدا اور اسکا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوڑ کر آیا ہوں۔جن کو چھوڑ کر آئے ہیں وہ تو سامنے کھڑے ہیں ۔اسکا معنی اہل فکر و نظر سے مخفی نہیں جس سے نتیجہ حاضر و ناظر ہونا نکلے گا۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں حدیثِ نبویہ ہی لکھی جائیں تو کئی جلدوں کی کتاب بن جائے گی۔حضرت امام ترمذی جنابِ ابو ھریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں:

قال :قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ما لاحد عندنا ید الا کا فا نا ہ الا ابا بکر فان لہ عندنا ید ا یکا فئہ اللہ بھا یوم القیامہ وما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر

ترجمہ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: کسی کا بھی ہم پر احسان نہیں جسکا ہم نے بدلہ نہ دیا ہو سوائے ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ۔اسکا ہم پر احسان ہے جسکا بدلا اُسے اللہ قیامت والے دن دے گا اور کسی کے بھی مال نے مجھے کبھی وہ فائدہ نہیں دیا جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے مال نے دیا۔

یہاں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایثار و قربانی کا حصر کے ساتھ ذکر فرمایا۔یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ایک فضیلت

ہے جس میں سوائے حضرتِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کوئی دوسرا شریک نہیں۔ جو سب سے پہلی مسلمہ بھی ہیں اور سب سے پہلا مالی ایثار بھی انہی کا ہے انکے احسان کا بدلہ بھی سرکارِ دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قیامت پر چھوڑا۔

ان اللہ تعالی اغناہ بتربیۃ ابی طالب ، ولما اختلت احوال ابی طالب اغناہ اللہ بمال خدیجہ ولما اختل ذالک اغناہ ا للہ بمال ابی بکر (تفسیر کبیر ۳۱، ۲۱۸)

(بے نیاز کرنے کے معنی) حضرت ابوطالب کی تربیت کے ذریعے بے نیاز کیا۔ جب حضرت ابوطالب کے مالی حالات خراب ہو گئے تو مالِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا سے انہیں خوش حال کر دیا۔ جب وہ صورت حال خلل پذیر ہوئی تو مالِ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذریعے خوش حال کیا۔ تو معلوم ہوا جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے پہلے مالی مدد کی۔

روایت ہے کہ جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنابِ خدیجۃ الکبری رضی اللہ عنہا کے پاس آئے جبکہ آپ بہت افسردہ خاطر تھے۔ جنابِ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا نے پوچھا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پریشان ہیں؟ آپ نے فرمایا: یہ قحط سالی کا زمانہ ہے اگر میں مال خرچ کروں تو تیرا مال خرچ ہو جائیگا، اس لئے میں محسوس کرتا ہوں کہ اگر مال خرچ نہ کروں تو اللہ سے ڈرتا ہوں۔ جنابِ سیدہ نے قریش کو بلایا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا: جنابِ سیدہ نے دینار لا کر ڈھیر کر دیئے حتی کہ وہ اتنا بڑا ڈھیر بن گیا کہ میں اس شخص کو نہیں دیکھ سکتا تھا جو میرے

سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ پھر فرمانے لگیں: تم لوگ گواہ رہو کہ یہ مال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
مال ہے چاہیں تو اسے تقسیم فرمادیں چاہیں تو اپنے پاس رکھ لیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ابن عساکر نے روایت نقل کی
ہے: **ما احد عندی اعظم یدا من ابی بکر و اسانی بنفسه وماله و**
نکحنی ابنته . کسی بھی شخص کا مجھ پر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بڑا احسان نہیں، اس
اپنے جان و مال کے ذریعے سے بھی میری ہمدردی کی اور اپنی بیٹی بھی مجھے بیاہ دی۔

آپ کے علم کے بیان میں

مسلم و بخاری میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

خطب رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) الناس وقال: ان الله
تبارک وتعالی خیر عبدا بین الدنیا و بین ما عنده فاختار ذالک العبد
ما عندالله فبکی ابو بکر وقال بآبائنا وامهاتنا فعجبنا لبکائه ان یخبر
رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) ان عبد خیر فکان رسول الله
(صلى الله عليه وآله وسلم) هو المخیر وکان ابو بکر اعلمنا .

ترجمہ: سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں کو خطبہ دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے
ایک بندے کو اختیار دیا ہے دنیا اور جو کچھ اسکے پاس ہے کے درمیان، تو اُس بندے
نے جو کچھ خدا کے پاس تھا اسکو چن لیا۔ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روئے اور
عرض کیا۔ ہمارے آباء و امہات آپ پر قربان ہوں ہم لوگ اس بات پر حیران ہوئے
کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے بندے کے بارے میں خبر دی کہ جسکو

اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے (تو ایسے میں رونے کی کیا بات تھی مگر واقعہ یہ تھا) کہ وہ مخیر بندہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود تھے (اس معاملے کو بھانپ جانا ثابت کرتا ہے کہ) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے بڑے عالم تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ قرآن کے بہت بڑے دانائے راز تھے:

قال ابن کثیر : کان ابو بکر الصدیق اقراء الصحابه . ای اعلمهم بالقرآن . لا نه (صلی اللہ علیه وآله وسلم) قدمه اماما للصلوٰۃ بالصحابة رضی اللہ عنهم مع قوله" یؤ م القوم اقراء هم لکتاب اللہ".

(لوگوں کی امامت وہ شخص کرائے جو کتاب اللہ کو سب سے زیادہ جاننے والا ہو)

اسی سے بہت قریب پڑتا ہے آپ کا وہ ارشادِ گرامی جو ترمذی شریف میں بروایت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا موجود ہے:

قالت: قال رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) لا ینبغی لقوم فیهم ابو بکر ان یوء مهم غیر ہ . جس قوم میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ موجود ہوں اس میں انکے سوا کسی دوسرے کو امامت نہیں کرنی چاہیے۔

قرآن میں یہ مہارت تامہ رکھنے کے ساتھ ساتھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھی بہت بڑے دانائے راز تسلیم ہوتے تھے۔اور متعدد مواقع پر صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ سے رجوع کیا اور صحابہ کرام کو وہ احادیث مبارکہ سنائیں جو بوقت ضرورت آپ نے برنوکِ زبان سنائیں جبکہ دوسرے صحابۂ

کرام رضی اللہ عنہم کو وہ احادیث یاد نہیں تھیں، آپ بحسبِ ضرورت ان جملہ احادیث کو
مستحضر فرما لیتے جو دوسرے صحابۂ کرام سے مستحضر نہیں ہوسکتی تھیں۔ کیوں ایسے نہ ہوتا
جبکہ ابتدائے بعثت سے لیکر تا دمِ واپسیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ
رہے اور حقوقِ غلامی کو صحیح معنوں میں ادا کر کے دکھایا۔

آپ رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں نظامِ معدلت

اخرج ابو القاسم بغوی عن میمون بن مهران قال : کان ابو بکر اذا ورد علیه الخصم نظر فی کتاب الله فا ن وجد فیه ما یقضی به بینهم قضی به فان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فی ذالک الامر سنة قضی بها فا ن اعیاه خرج فسا ل المسلمین وقال: اتا نی کذا وکذا فهل علمتم ان رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) قضی فی ذالک بقضا ء فربما اجتمع الیه النفر کلهم یذکر عن ر سول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) فیه قضاء فیقول ابو بکر : الحمد لله الذی جعل فینا من یحفظ عن نبینا فان اعیاه ان یجد فیه سنة عن رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) جمع روء ُوس الناس وخیا رهم فا ستشا رهم فان اجمع امر هم علی را یٍ قضی به.

ترجمہ: ابوالقاسم بغوی نے میمون بن مہران سے اس حدیث کا اخراج کیا، انہوں نے
کہا جب کوئی مستغیث (فریقِ مقدمہ) اپنا مقدمہ لیکر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی

عدالت میں آجاتا تو آپ (سب سے پہلے) اللہ کی کتاب میں (اس حکم کو تلاش کرتے)۔ اگر اس میں انھیں کوئی ایسی صورت مل جاتی جس کے مطابق وہ فیصلہ کریں تو اسکے مطابق وہ فیصلہ کردیتے۔ اگر اللہ کی کتاب میں (کوئی حوالہ نہ پایا جاتا) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں ایسی کوئی حدیث مل جاتی تو اسکے مطابق فیصلہ صادر فرمادیتے۔ اگر (یہ جستجو) انھیں تھکا دیتی تو آپ مسلمانوں سے پوچھتے اور آپ فرماتے: ''مجھے ایسے ایسے حالات پیش آئے ہیں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے میں کوئی فیصلہ فرمایا ہے''۔

بسا اوقات لوگ ان کے پاس اکھٹے ہوجاتے ان میں سے ہر ایک آدمی بتاتا کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس بارے فیصلہ فرمایا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ فرماتے ساری تعریفیں اللہ تعالی کیلئے ہیں کہ جس نے ہم میں ایسے لوگ پیدا فرمائے ہیں جو آپ کی باتیں یاد رکھتے ہیں اور اگر متعلقہ معاملے میں انھیں کوئی ایسی حدیث نہ مل سکتی تو (فکری) سرداران کو اکٹھا کرتے اور ان سے مشورہ طلب کرتے۔ اگر ان میں اتفاق رائے ہوجاتا تو اسکے مطابق فیصلہ فرمادیتے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ انساب عرب کے بہت بڑے عالم تھے

کون نہیں جانتا کہ اسلام کے عہدِ آغاز میں (Revenue Board) محکمہ مال کے ریکارڈ کا مکمل بندوبست نہیں ہوسکتا تھا۔ بندوبستِ اراضی و تقسیمِ جائیداد منقولہ و غیر منقولہ اور خاندانی وراثت کی تقسیم کیلئے کسی کا غذاتی ریکارڈ کی بیحد ضرورت تھی۔ اور نکاح کی حلت وحرمت کیلئے انساب کا جاننا بھی ضروری تھا۔ رضاعت کو ثابت کرنے

کے لئے بھی معلومات ضروری تھیں جو کہ انعقادِ نکاح میں بہت بڑا امر مانع ہے۔اس کے
ساتھ ساتھ کاغذ کی صنعت کا ابھی آغاز ہی نہیں ہوا تھا۔(Paper Industry
(کاغذ کی صنعت) کا آغاز تیسری صدی ہجری (دورِ عباسیہ) میں ہوا۔

اندریں حالات ایسے نسابہ عرب کی ضرورت تھی جو ان ساری ضرورتوں کو
کاغذاتی حوالے کی بجائے اپنے ذاتی حافظے کی مدد سے یاد رکھے۔اور پورے قلمرو میں
بسنے والے جملہ عرب قبائل کے انساب کو اچھی طرح جانے اور پوری معلومات کو ایک
پورے محکمہ کے جا بجا استعمال کرے تو یہ شان حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔وہ ان
ساری ضرورتوں کو اپنی قوتِ حافظہ سے پورا فرماتے۔یہ بھی ایک وجہ ہے کہ آپ کو
امورِ خلافت میں پوری امت میں افضل تسلیم کیا گیا ہے۔آپ کا نسابہ عرب ہونا آپ کی
ایک بہت بڑی شان ہے۔اس دعوی کو پایہ ثبوت تک پہنچانے کے لئے ابن اسحاق کی
ایک روایت پیش کر دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

یعقوب بن عتبہ انصار کے ایک بزرگ سے روایت کرتے ہیں۔جبیر بن
مطعم قریش اور عرب کے ایک بڑے نسابہ تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں نے علم
الانساب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے حاصل کیا ہے۔(تاریخ الخلفا۔السیوطی۔۴۳)

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علوم خصوصیہ میں تعبیرِ رُویا (خواب کی تعبیر) کا
بھی بہت بڑا حصہ پایا جاتا ہے۔ابن سیرین جو کہ تعبیرِ رُویا میں بڑا امتیاز رکھتے
ہیں فرماتے ہیں: حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ تعبیرِ رویا میں بالاتفاق مقدم ہیں۔طبقات
ابن سعد کے حوالے سے: **کان ابو بکر اعبر ھذہ الامة بعد النبی (صلی اللہ**

علیہ وآلہ وسلم) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بڑے معبر ہیں۔ (تاریخ الخلفا۔ السیوطی۔ ۴۳)

نزہۃ المجالس مصنفہ عبدالرحمان صفوری میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا نے خواب دیکھا کہ اسکے صحن میں لگی ہوئی کھجور گری۔ جاگ کر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوئی اور آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نے ایسے ایسے خواب دیکھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تیرا خاوند کہاں ہے۔ اس نے عرض کیا، میرا خاوند سفرِ تجارت پر گیا ہوا ہے۔ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اگر تیرا یہ خواب سچا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرا خاوند مر گیا تمہیں صبر کرنا چاہیے۔ واپسی پر جاتے ہوئے اسکی ملاقات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ہوگئی اسنے وہ خواب انھیں کہہ سنایا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بدستورِ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحابیہ سے پوچھا: تیرا خاوند کہاں ہے۔ جواباً اسنے کہا: وہ ایک تجارتی سفر پر گیا ہوا ہے مگر یہ نہ بتایا کہ میں سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے اس خواب کی تعبیر پوچھ چکی ہوں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خواب کی تعبیر بتائی۔ اگر تیرا خواب سچا ہے تو اسکا مطلب یہ ہے کہ تیرا میاں واپس آ رہا ہے اور جلدی گھر پہنچنے والا ہے۔ صحابیہ نے انتظار کیا۔ کیا دیکھتی ہے کہ خاوند اچانک آ نکلا۔ گھر پہنچنے پر صحابیہ دوڑی دوڑی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ عرشِ اشتباہ میں حاضر ہوئیں اور ماجرا کہہ سنایا۔ اتنے میں جبریلِ امین حاضر ہوئے اور کہنے لگے۔

بحکم خداوندی دونوں تعبیروں میں تطبیق یہ ہے کہ جب آپ نے فرمایا تھا اسکا

خاوند مر گیا تھا وہ تعبیر سچی تھی۔ دوسری تعبیر کے راوی حضرت ابو بکر صدیق ؓ تھے
نے انکی صداقت کو زندہ رکھنے کے لئے مردہ کو زندہ کر دیا۔

ہم کریں مردہ کو زندہ کیا یہ ہم سے دور ہے
حضرت صدیق کی خاطر ہمیں منظور ہے

جو آیات طیبات حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی شان میں نازل ہوئیں

ا۔ إِلَّا تَنصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُواْ ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لاَ تَحْزَنْ إِنَّ اللّهَ مَعَنَا فَأَنزَلَ اللّهُ سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ (سورہ التوبہ، آیت ۴۰)

ترجمہ: اگر تم اسکی مدد نہیں کرو گے (تو کیا ہو جائیگا؟) اللہ تعالی نے اسکی مدد کی۔ جب کافروں نے اسکو (شہر مکہ سے) نکالا۔ جبکہ وہ (میرا محبوب) دو کا دوسرا تھا۔ جبکہ دونوں غار میں تھے۔ جبکہ وہ اپنے صاحب سے کہہ رہا تھا غم نہ کھا (کیونکہ) اللہ تعالی ہم دونوں کے ساتھ ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی تسکین اس (نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یا حضرت ابو بکر صدیق ؓ) پر نازل فرمائی)

اس جگہ مفسرین کرام یہ سمجھتے ہیں کہ تسکین کا نزول جناب حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی شان کے زیادہ لائق ہے۔ کیونکہ سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رب سے اسطرح کا رابطہ ہے کہ کوئی اضطراب و بے کلی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک میں راہ یاب ہو ہی نہیں سکتی۔ اس آیت میں ثبوتِ صحابیت کے اختصاص کے علاوہ نزولِ سکینہ کا امتیاز آپ ؓ کے قلبِ اطہر پر ایک غیر معمولی تشخص کا ثبوت ہے۔

۲۔ وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ (سورۃ الزمر، آیت ۳۳)

جناب مولا مرتضیٰ ﷜ کی روایت ہے۔ وہ شخص جو سچ لایا، اس سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ بابرکات ہے، اور جس نے سچائی کی تصدیق کی اس سے مراد جنابِ حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی ذاتِ ستودہ صفات ہے۔

۳۔ وَشَاوِرْهُمْ فِی الْأَمْرِ (سورہ آلِ عمران، آیت ۱۵۹)

ترجمہ: ان سے کام میں مشورہ کیا کرو۔

حاکم نے جنابِ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ شیخین کریمین کے حق میں نازل ہوئی ہے۔ صاحبِ تفسیر نسفی لکھتے ہے : **فیہ دلالۃ جواز الاجتھاد و بیان ان القیاس حجۃ** (تفسیر نسفی)

اس آیت مبارکہ میں اجتہاد کے جواز پر دلالت ہے اور اس بات کا بیان ہے کہ قیاس بھی ایک حجتِ شرعیہ ہے۔ اجتہاد و قیاس کی طرح ڈالنے کے لیے نہایت ہی عمدہ شخصیات کا انتخاب ہوا۔

۴۔ وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ (سورہ الرحمٰن، ۴۶)

ترجمہ: جو شخص اپنے رب کی بارگاہ میں (حساب ہونے کیلئے) کھڑا ہونے سے ڈرے اس کے لئے دو باغ ہیں۔

ابن ابی حاتم نے ابن شوذب سے روایت کیا: **نزلت ھذہ الآیۃ فی ابی بکر** (بحوالہ تاریخ الخلفاء، سیوطی)۔ اس آیت مبارکہ کا حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی شان میں اترنا۔ آپکے حسن عدل و عظمت وتقوی اور اس پر بہترین جزا کی بہت خوبصورت شہادت ہے۔ کیونکہ اصولِ تفسیر کی رو سے سببِ نزول مفہومِ آیت کا سب

سے پہلا مدلول ہوتا ہے۔ اگر چہ سبب خاص اور حکم عام کے قاعدے کے مطابق
صفت کے موصوف سارے کے سارے اس آیت کے مدلول اور اس حکم کے محکو
ہونگے۔ مگر سببِ نزول پہلا مدلول ہوگا گو کہ سببِ نزول پر حکم کا حصر نہیں ہوگا۔

۵۔ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَيْكُمْ وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُ
إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِيمًا (سورہ الاحزاب، ۴۳)

ترجمہ: وہی (اللہ) ہے جو تم پر رحمت بھیجتا ہے اور اسکے ملائکہ (بھی) تاکہ وہ (اللہ ت
تمہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالے اور اللہ تعالی مومنین پر بہت مہربان ہے

صاحبِ تفسیر نسفی نے ۲۔۳۴۸ میں لکھا ہے:

کہ جب اسی سورہ احزاب آیت نمبر ۵۶: إِنَّ اللَّهَ وَمَلَائِكَتَهُ يُصَ
عَلَى النَّبِيِّ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوا تَسْلِيمًا (اللہ تعا
اسکے فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر صلواۃ بھیجتے ہیں۔ اے ایمان والو تم بھی ا
صلواۃ بھیجو اور سلام بھیجو جیسے سلام بھیجنے کا حق ہے)۔ نازل ہوئی'' تو حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکارِ ابد قرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں عرضداشت پیش ک
یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ تعالی نے جو بھی آپ پر انعام فرمایا ہمیں شریک رک
اس درود والی آیت میں اللہ تعالی نے آپ پر صلواۃ کی نوازش فرمائی ہے۔ مگر
اسمیں شریک نہیں فرمایا اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ هُوَ الَّذِي يُصَلِّي عَلَ
وَمَلَائِكَتُهُ لِيُخْرِجَكُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِينَ رَحِي

۶۔ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِم مِّنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَى سُ
مُّتَقَابِلِينَ (سورہ الحجر، ۴۷)۔ ان کے دلوں میں جو کھوٹ (غصہ یا ناراضگی) ہے

کال لیں گے درآں حال کے وہ بھائی ہونگے اور درآں حال کے وہ تختوں پر آمنے سامنے بیٹھے ہونگے۔

ابن عساکر نے حضرت علی بن الحسین رضی اللہ عنہ (امام زین العابدین) سے روایت کی ہے یہ آیت جناب ابوبکر صدیق، عمر فاروق اور جناب علی المرتضیٰ (رضی اللہ عنہم) کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اُمید ہے کہ میں عثمان وطلحہ، زبیر (رضی اللہ عنہم) انہیں لوگوں میں سے ہونگے (تاریخ الخلفاء، السیوطی ص 49، تفسیر نسفی)

۷۔ حَتّٰى إِذَا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَبَلَغَ أَرْبَعِينَ سَنَةً قَالَ رَبِّ أَوْزِعْنِي أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِي أَنْعَمْتَ عَلَيَّ وَعَلٰى وَالِدَيَّ وَأَنْ أَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضَاهُ (سورۃ الاحقاف۔۱۵)

ترجمہ (یہاں تک کہ جب وہ اپنی (جوانی کی) قوتوں کو پہنچ جائے اور چالیس سال کا ہو جائے تو کہتا ہے کہ اے میرے پالنے والے مجھے والہانہ توفیق عطا فرما تا کہ میں تیری اس نعمت کا شکریہ ادا کروں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور میرے والدین پر نازل فرمائی ہے) اور یہ کہ میں ایسا اچھا کام کروں جو تجھے پسند ہو)

شیخ ابوالحسن علی بن احمد واحدی نیشاپوری (متوفی 468) اپنی کتاب "اسباب النزول" ص 284 پر رقم طراز ہیں۔ یہ آیت مبارکہ بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اٹھارہ سال کی عمر میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ ایک تجارتی سفر میں شام گئے جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف بیس برس کی تھی ایک پڑاؤ پر فروکش ہوئے جہاں بیر کا ایک پیڑ تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے سائے میں جلوہ

فرما ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیق ﷜ وہاں کے ایک راہب کے پاس چلے گئے تا
دین کی کچھ باتیں معلوم کریں۔ اس نے پوچھا وہ کون ہے جو بیر کے درخت
سائے میں بیٹھا ہوا ہے؟ جناب ابوبکر صدیق ﷜ نے جوابا کہا وہ محمد بن عبداللہ
عبدالمطلب ہے۔ راہب نے کہا اس درخت کے سائے میں حضرت عیسیٰ کے بعد
شخص نہیں بیٹھا سوائے محمد نبی اللہ کے (اس سے) حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کے
میں یقین کی دولت سما گئی اور دل سے تصدیق کر دی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآل
(سچ مچ اللہ کے) نبی ہیں۔

اس دن کے بعد کیا سفر میں اور کیا حضر میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے
ساتھ رہے ایک لحہ کی جدائی بغیر عذر معقول کے قبول نہیں فرماتے پس جب
دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر شریف چالیس برس کی ہو گئی سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآ
کو فرائض نبوت سونپے گئے حضرت ابوبکر صدیق ﷜ اڑتیس برس کے ہوئے تو
لائے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تصدیق کی جب چالیس برس کے ہوئے تو
خداوندی میں عرض پرداز ہوئے:

رَبِّ أَوْزِعْنِی أَنْ أَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِی أَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ

اے میرے پالنے والے مجھے والہانہ توفیق عطا فرمایا کہ میں تیری اس نعمت کا شکر
کروں جو تو نے مجھ پر نازل فرمائی ہے اور میرے والدین پر (نازل فرمائی ہے)

۸۔ إِنَّ الَّذِینَ قَالُوا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلَائِكَ
تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِی كُنْتُمْ تُوعَدُونَ (حم السجدۃ
ترجمہ: (بیشک وہ لوگ جنھوں نے کہا ہمارا پالنے والا اللہ ہے پھر وہ ڈٹ گئے

فرشتے نازل ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کے تم نہ ڈرو اور نہ غم کھاؤ تمہیں بشارت ہے اس جنت کی جس کا تمہیں وعدہ دیا جاتا تھا)۔ یہ آیت بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں اتری (اسباب النزول ص280 مصنفہ واحدی نیشاپوری)

اس میں ایک تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اعلان توحید باری تعالیٰ اور توحید ربوبیت پر استقامت کا ایسا روشن ثبوت ہے جو کہ صدیقیت کے ماتھے پر استقامت کے تاج کی طرح پھبتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

جہاں یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی جوانمردی اور رسم وفا کی پاس داری کا ذکر بہت دھاکے سے کر رہی ہے وہاں سورہ حم سجدہ/ فصلت کے اندرونی مطالب و مشتملات کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ یہ ایام مشرکین مکہ کی عداوت کے جوار بھاٹہ کا زمانہ ہے حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ ایمان لا چکے ہیں اور جناب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ابھی تک ایمان نہیں لائے تاریخ کی ورق گردانی کی جائے تو یہ دور نہایت ہی پر خطر ہے بڑے بڑے شیروں دلیروں کے پتے پانی ہو رہے تھے ایسے وقت میں ڈٹنا، جان کو جوکھوں میں ڈالنا اور موت کا دروازہ کھٹکھٹانا تھا، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایسے سمے میں ڈٹے رہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت اور رسالت میں کوئی مثال نہیں جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی استقامت میں کوئی نظیر نہیں۔

۹۔ وَاتَّبِعْ سَبِيلَ مَنْ أَنَابَ إِلَيَّ (لقمان۔۱۵)

ترجمہ: تم اسکی پیروی کرو جو میری طرف جھکا ہے۔

یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔ علامہ

واحدی نیشاپوری، اسبابِ نزول ص 268 میں ورطہ تحریر میں لاتے ہیں کہ ج
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایمان لائے (چونکہ آپ ایک نامی گرامی شخص تھے اور س
حلقوں میں آپ کو ایک چڑھتا آفتاب سمجھا جاتا تھا اور ملکی تاجروں میں آپ کی حیثی
اعلانیہ ممتاز تھی اسلئے آپ کے ایمان لانیکی اطلاع مکہ شریف اور مضافاتی علاقوں
جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی جس سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن
ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ اس لئے آپ کے حلقہ اثر کے لوگ متجسس ہوئے) تو عبدالر
بن عوف، سعد بن ابی وقاص، سعید بن زید، عثمان، طلحہ، اور زبیر (رضی اللہ عنہم) افو
تصدیق کرنے کے لئے آئے۔ (اور سہمی سہمی سی ادا سے) پوچھنے لگے: کیا آ
سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئے ہیں۔ اور کیا آپ نے انکی تصدی
دی ہے۔ جواب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ماجرا کہہ سنایا۔ حضرت ا
صدیق رضی اللہ عنہ کا اس ماضی کی تصدیق کیا کرنی تھی کہ یہ لوگ بلاتوقف سرکار دو عالم
علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش اشتباہ میں حاضر ہوئے۔ اور بصد ادب سرِ نیاز سرکار دو
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور جھکا کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ تو جناب
تعالی کی طرف سے اس آیت کا نزول ہوا۔ یعنی اے سعد تمہاری سعادت اسی می
کہ تم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قابلِ تقلید نمونے کو اپناؤ اور ساری سو
تبلیغ کرو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلم
رسالت میں ایک معیاری نمونہ سمجھو۔ جس نے دینِ متین کی جوہری حیثیت کو حا
کرنا ہے وہ جنابِ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے نشانِ راہ کو اپنا مقتدا بنائے۔

۱۰۔ وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُ

وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (النور۔۲۲)

ترجمہ (تم میں سے جولوگ بزرگ ہیں اور صاحبِ استطاعت ہیں وہ قسم نہ کھائیں اس بات کی کہ وہ نہیں دیں گے قریبی رشتہ داروں مسکینوں اور راہ مولا میں ہجرت کرنے والوں کو۔انہیں چاہیے کہ وہ معاف کریں اور درگزر کریں کیا تم اس بات کو پسند نہیں کرتے ہو کہ اللہ تعالی تمہارے گناہ معاف کرے اور اللہ تعالی بہت بخشنہار اور رحم فرمانے والا ہے)

محب الدین طبری شافعی مکی (متوفی ۶۹۴ھ) فرماتے ہیں یہ آیت مبارکہ بھی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی۔جب ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو منافقین نے تہمت دی۔تو جناب نبی کریم روف رحیم بہت مغموم ہوئے۔جنابِ سیدہ کو شدید صدمہ پہنچا۔حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنی صاحبزادی کی وجہ سے بھی حزین [illegible] ہوئے مگر زیادہ صدمہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہوا گردش روزگار دیکھئے کہ مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ جو آپ کے رشتے کے بھانجے تھے اور آغاز ہی سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی پرورش اور دیگر غورو پرداخت کی تھی وہ بھی اس مہم میں سرگرم عمل ہوئے۔جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی توقعات بے حد مجروح ہوئیں مگر صبر وتحمل سے کام لیا جب جناب ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طہارت سورہ نور کی متعدد آیات کے ذریعے بیان کر دی گئی اس وقت گو کہ اس اکبرا لکبائر و بہتان عظیم کا مصنف تو عبداللہ بن ابی تھا مگر مسطح بن اثاثہ بھی اس کے طبل رحیل میں شریک کاروان ہوئے لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جذبات بے قابو ہوگئے۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں آئندہ کوئی اس کی مالی مدد نہیں کروں گا اور مصالح زندگی میں بھی اس کی دستگیری نہیں کروں گا۔ اس پر یہ آیت مبارکہ نازل ہوئی اور آپ کی توجہ اس طرف مبذول کرائی گئی کہ اگرچہ مسطح بن اثاثہ نے کمزوری دکھائی ہے مگر یہ فیصلہ جو آپ نے کیا ہے وہ آپ کے اخلاق حسنہ اور کردار رفیع کے لائق نہیں لہٰذا اس میں ترمیم کریں۔ جناب ابوبکر صدیق ﷺ کے جب یہ آیت سامعہ نواز ہوئی تو قسم توڑ دی اور قسم کا کفارہ ادا کیا۔

یہاں یہ مسئلہ بیان کر دینا ضرورت کی چیز ہوگا کہ ایسے موقعہ پر قسم کا توڑنا ایک کار خیر ہے۔ مسلم شریف کی حدیث ہے: من حلف علی یمین فرایٔ غیرھا خیرًا منھا فلیاتِ الذی خیر و لیکفر عن یمینہ (احکام القرآن، ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی ۳۷۰ھ)

جو شخص کوئی کام کرنے کی قسم کھائے پھر اسے بہتر کام معلوم ہو جائے تو وہ بہتر کام کرے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دے۔

۱۱۔ أَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ آنَاءَ اللَّيْلِ سَاجِدًا وَقَائِمًا يَحْذَرُ الْآخِرَةَ وَيَرْجُو رَحْمَةَ رَبِّهِ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ إِنَّمَا يَتَذَكَّرُ أُولُوا الْأَلْبَابِ (الزمر۔۹)

ترجمہ: (کیا وہ شخص جو عبادت کرتا ہے رات کی ساعتوں میں درآں حال کہ وہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے یا قیام کر رہا ہوتا ہے درآں حال کہ وہ ڈرتا ہے یوم آخرت سے اور اپنے رب کی رحمت کی امید کرتا ہے آپ پوچھئے کہ کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں صرف عقل مند لوگ ہی نصیحت حاصل کرتے ہیں)

یہ آیت مبارکہ ان آیات طیبات میں سے ہے جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اس آیت میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شب بیداری اور کثرت نیاز کا ذکر ہے یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان بندگان خاص میں سے ہیں جو سارا دن سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مشن کی سعی ناتمام میں مستغرق رہتے ہیں جب رات کا وقت آ جاتا ہے رکوع وسجود وقیام وقعود میں محو رہتے ہیں۔

سوئے گردوں نالہ شب گیر کا بھیجے سفیر
رات کے تاروں میں اپنا رازداں پیدا کرے

رات بھر عبادت میں گزارنا پھر مفتخر نہ ہونا بلکہ خوفِ آخرت دل میں جاگزیں ہونا اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے چیدہ چنیدہ بندوں کی علامات ہیں۔ آیت کا خاتمہ بتاتا ہے کہ یہ روشِ زندگی علم حقیقی ومعرفت تحقیقی کا نتیجہ ہے جو محض فضلِ الٰہی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ جلیلہ سے حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ وہی علم ہے جو بموہبت الٰہی علم نافع ہوتا ہے اور یہی علم عبرت پذیری کے کام آتا ہے۔ خدا تعالیٰ ذوقِ صدیقی عطا فرمائے جو معرفتِ الٰہی کا ذریعہ بھی بنے اور پند پذیری کے بھی کام آئے۔

۱۱۔ إِنَّ الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي آيَاتِنَا لَا يَخْفَوْنَ عَلَيْنَا أَفَمَن يُلْقَى فِي النَّارِ خَيْرٌ أَم مَّن يَأْتِي آمِنًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ اعْمَلُوا مَا شِئْتُمْ إِنَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ (حم السجدۃ۔۴۰)

ترجمہ: بے شک جو لوگ ہماری آیات میں انحراف کی راہ اختیار کرتے ہیں وہ ہم پر پوشیدہ نہیں ہیں۔ کیا وہ شخص جو آگ میں پھینکا جائے وہ بہتر ہے۔ یا جو پرامن حالات

میں (اللہ تعالیٰ کے حضور) قیامت میں حاضر ہو۔جو جی میں آئے کئے جاؤ یقی
(ذاتِ باری تعالیٰ) جو کچھ تم کر رہے ہو دیکھ رہی ہے۔

یہ آیتِ کریمہ بھی حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نا
ہوئی۔بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما محبّ الدین طبری (متوفی ۶۹۴) اپنی کتا
ریاض النضرۃ ۱۔۱۷۹ پر تحریر میں لاتے ہیں کہ اس میں حضرت ابوبکرصدیق
دنیائے اسلام کی طرف سے ایک فقید المثال کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔
ابوجہل کو کفر والحاد کی طرف سے ایک قبیح ترین مثال کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔
مطلب یہ بنتا ہے کہ اگر کوئی شخص اسلام کی معراجِ کمال دیکھنا چاہے تو حض
ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی ذات والا صفات کو دیکھ لے۔اور اگر کوئی شخص کفر کی نف
انگیز اور کریہہ ترین بناوٹ دیکھنا چاہے تو ابوجہل کو دیکھ لے۔اور یہ دونوں مث
قیامت کے میدان میں تمام انسانی برادری وجن و ملائکہ کے جم غفیر میں پیش
جائیں گے۔حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ بروز حشر جو ہجومِ اضطرابِ اور شبابِ کر
وقت ہوگا۔نہایت طمانیت، امن وامان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونگے۔
ابوجہل تذلیل وتحقیر کی برسات میں گرمئ محشر میں پیش ہوگا۔

اُس تاریخ حب وبغض رسول اور اطاعت وبغاوت محبوب کی قیمت پڑ
گی۔اُس وقت پتہ چلے گا کہ انعامِ خداوندی گدائے کوچہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ و
نچھاور کئے جاتے ہیں یا روسائے مکہ کو بوجہ ریاست مکہ کے دیئے جاتے ہیں۔خدا
قدوس حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں ہمیں بھی وہ شعورِ غلامی عطا فرما
قیامت کے میدان میں سرخروئی کا ذریعہ بن جائے۔آمین ثم آمین بجاہ سید المرسلین

۱۳۔ لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا وَكُلًّا وَعَدَ اللَّهُ الْحُسْنَى وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌO (الحدید۔۱۰)

ترجمہ: (تم میں سے کوئی شخص اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جس نے فتح (مکہ) سے قبل (مال) خرچ کیا ہے۔ اور (راہِ مولا میں) جنگ کی، وہ لوگ درجے میں ان لوگوں سے بلند پایہ ہیں جنہوں نے (اسکے) بعد (مال خرچ کیا ہے اور راہ مولا میں) جنگ کی۔ اللہ نے (ان میں سے) ہر ایک سے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کچھ سے باخبر ہے جو تم کر رہے ہو)

یہ آیت (بقول واحدی نیشا پوری، بحوالہ اسباب النزول ۳۰۳) حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں: ہمارے درمیان سرکار دوعالمؐ تشریف فرما تھے۔ اور آپ کی بارگاہ بندہ نواز میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی باریاب تھے۔ جبکہ آپ ایک عباءِ مبارک زیب تن کئے ہوئے تھے۔ جس کے گریبان پر آپ رضی اللہ عنہ نے ببول کے کانٹے بطور بٹن کے استعمال کئے ہوئے تھے کہ ناگاہ جبریل امیں علیہ السلام حاضر خدمت ہوئے۔ خدائے قدوس کی بارگاہ سے سلام پیش کیا۔ اور کہا اے محمد (علیہ الصلوٰۃ والسلام): کیا وجہ ہے کہ میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کو دیکھ رہا ہوں کہ اس نے رسی عباء زیب تن کر رکھی ہے۔ جسکے گریبان پر بجائے بٹنوں کے ببول کے کانٹے استعمال کئے ہوئے ہیں تو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اے جبریل اس نے مکہ فتح ہونے سے قبل اپنا سارا مال مجھ پر خرچ کر دیا۔ تو جبریل امیں نے کہا کہ انہیں مولا تعالیٰ کی طرف سے سلام کہیں اور پوچھیں کہ کیا آپ اپنی اس

موجودہ تہی دستی پر مجھ سے راضی ہیں یا ناراض؟ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جناب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے طرف متوجہ ہوئے اور جو کچھ جبریل امین نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا تھا سارا کہہ سنایا، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری ہو گیا اور عرض کیا میں اپنے رب سے ناراض ہوسکتا ہوں؟ (ہرگز نہیں) میں اپنے رب سے راضی ہوں، یہ جملے بار بار دہرائے۔ (اس حدیث کی مزید تفصیلات کی ضرورت نہیں کیونکہ پہلے یہ حدیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سخاوت کے باب میں گذشتہ اوراق میں گزر چکی ہے)۔ البتہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ترتیبِ مراتب میں ایک معیار یہ بھی ہے کہ فتح مکہ سے قبل جان مال خرچ کرنا بھی بعد میں جان مال خرچ کرنے والے صحابہ کرام کے مقابلے میں ایک وجہ برتری ہے۔

۱۴۔ لَا تَجِدُ قَوْمًا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ يُوَادُّونَ مَنْ حَادَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَوْ كَانُوا آبَاءَهُمْ أَوْ أَبْنَاءَهُمْ أَوْ إِخْوَانَهُمْ أَوْ عَشِيرَتَهُمْ أُولَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ وَيُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ أُولَئِكَ حِزْبُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ○ (المجادلۃ۔۲۲)

ترجمہ: آپ ایسی قوم کو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے، نہیں پائینگے کہ وہ ان لوگوں کو دوست رکھیں جو اللہ اور اسکے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دشمن سمجھتے ہوں۔ (جھگڑا کرتے ہوں، اہل اسلام کی سچائی تسلیم نہ کرتے ہوں) اگرچہ وہ (دشمن سمجھنے والے) ان کے باپ لگتے ہوں، خواہ بیٹے لگتے ہوں، خواہ ان کے بھائی لگتے ہوں یا قریبی رشتہ دار لگتے ہوں، (اللہ تعالیٰ نے) ایسے لوگوں کے دلوں میں ایمان

کندہ کردیا ہے۔اورانہیں فیض خاص (نور قلبی) سے قوت عطا فرمائی۔(اللہ تعالی) انہیں ایسے باغوں میں داخل فرمائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جن میں وہ ہمیشہ رہنگے، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہوگیا اور وہ اس سے راضی ہوگئے۔ وہ اللہ تعالی کا گروہ ہیں اور (اچھی طرح) سن لو! اللہ تعالیٰ کا گروہ ہی (دونوں جہانوں میں) کامیاب ہونے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کوایک تمدنی زندگی کامکمل شعور عطا فرمایا۔ ایک فرد سے لے کر پوری قوم تک اور پوری قوم سے لے کر بین الاقوام تک ایک جامع پروگرام دیا۔سیاسی، معاشی اور دفاعی معاملات تک ایک جامع حکمت عمل اور نظام حیات کا ایک مکمل پروگرام بتایا۔اور مسلمانوں کو جغرافیائی، نسلی، علاقائی اور لسانیاتی قید و بند سے آزاد فرما دیا۔اور مسلمان کو بتایا کہ مسلمان، قوم پرست، نسل پرست، زبان پرست اور مفاد پرست نہیں ہے۔ مسلمان ہر طرح کے نشیب وفراز میں اسلامی حدود و قیود کا پابند ہے۔اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زلف دوتا کا اسیر ہے وہ کسی رنگ و نسل کے جھانسے میں آنے والا نہیں ہے، بہار ہو کہ خزاں اس کا نعرہ لاالہ الا اللہ ہے۔خاندانی رواداریاں پالنا وطنیت کے پھندوں کا پابند سلاسل ہونا یہ شیوۂ عاشقان رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں۔

یہ ہندی وہ خراسانی یہ افغانی وہ تورانی
تو اے شرمندۂ ساحل اچھل کر بیکراں ہوجا

(علامہ اقبالؒ)

اس آیت کریمہ کے آئینے میں پاکستان کی جنگی آزادی کا فوٹو دیکھا جائے تو

خداپرست نگاہیں اورایمان دوست شخصیتیں یقیناً وہ چہرے پہچان جائینگی جنہوں
اس آیت کے مضمون سے کھلی بغاوت کی اوراسلامی نظریہ قومیت کو دانستہ طور پر چھو
بتوں کے پجاریوں کا صرف ساتھ ہی نہیں دیا بلکہ انہیں اپنا قائد مطلق تسلیم کیا
اسوقت روح رسول کریم بے چین نہ ہوئی ہوگی؟ کیا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفاؤں
قیامت نہ ہوہوکر گزری ہوگی؟ کیا اس وقت ان لوگوں نے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ و
وسلم کے دیئے ہوئے نظام زندگی کا شیرازہ اپنے ہاتھوں سے تار تار نہیں کیا ہوگا؟
جن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے باپوں، بیٹوں، بھائیوں اور قریبی رشتہ داروں کو
اوراُحد کی جنگوں میں قتل کیا تھا ان کی روحیں ایک ماہی بےآب کی طرح نہیں پھڑ
ہوں گی؟سنیت کی پیروی کا معیار تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں۔سنت کی پیروی
دعویدار مسلمانوں کو چھوڑ کر مندروں اور کلیساؤں کو حرم سمجھ بیٹھا، افسوس صد افسوس!

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیان کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

ایسے میں علمائے اہل سنت، خصوصاً اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی،
محمد محدث کچھوچھوی، سید نعیم الدین مرادآبادی، سید السادات سید پیر جماعت علی
محدث علی پوری اور خواجہ خواجگان رئیس المجددین پیر سیّد مہر علی شاہ گولڑوی (فا
قادیانیت ونجدیت) اورعلامہ ابوالحقائق پیر محمد عبدالغفور ہزاروی (رحمۃ اللہ علیہم) کا کر
نمایاں طور پر ممتاز رہا۔

یہ آیت شریف سورہ مجادلہ کی آیت نمبر ۲۲ ہے اسمیں صحابہ کرام کا ایک
معیاری کردار ایک قانون کے پردے میں بیان کیا گیا ہے۔

امام واحدی نیشا پوری نے اپنی کتاب اسباب النزول ۱۰۔۳۰۹ پہ لکھا ہے
کہ یہ آیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر نازل ہوئی کہ ابوقحافہ والد ابوبکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت حبیب کبریا علیہ وعلی آلہ اطیب الصلوٰۃ والسلام کی شان پاک میں
گستاخی کا ارتکاب کیا۔ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اتنا زور سے دھکا دیا کہ ابوقحافہ
بری طرح سے زمین پر گر پڑے۔ انہوں نے سرکار کی خدمت باعظمت میں جا کر
ساری سرگذشت کہہ سنائی۔ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عالی مدار نے جناب ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا؛ کیا تو نے ایسا ایسا کیا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا؛ ہاں یا رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ آپ نے فرمایا: دوبارہ یہ کام نہیں کرنا۔ حضرت ابوبکر صدیق نے
مؤدبانہ عرض کیا؛ اگر اسوقت تلوار مجھے میسر ہوتی تو میں انہیں قتل کر دیتا۔ تو اللہ تعالیٰ نے
یہ آیت نازل فرمائی (ابوقحافہ مسلمان ہوئے اور جلیل القدر صحابی بنے اور ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ کے خصائص میں سے ہے کہ بیک وقت چار پشتیں مسلمان ہوئیں اور
سارے کے سارے صحابہ تھے)

عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ آیت حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کے
حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے باپ کو بدر کی جنگ میں قتل کر ڈالا۔ اور اسی طرح
ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ آپ نے اپنے بیٹے جناب عبدالرحمان بن
ابوبکر کو مقابلے کا چیلنج کیا۔ جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم سے وہ رک گئے۔ اور
مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ انہوں نے اپنے حقیقی بھائی عبید بن عمیر کو
احد کی جنگ میں واصل جہنم کر دیا۔ اور جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جبکہ

آپ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام بن مغیرہ کو بدر کی جنگ میں مار ڈالا۔اور جناب
مرتضٰی ﷜ وجناب امیر حمزہ ﷜ کے میں نازل ہوئی جبکہ علی مرتضٰی ﷜ نے ولید بن
،رستم عرب کو قتل کیا اور جناب امیر حمزہ ﷜ نے ربیعہ کو قتل کیا اور شیبہ کو دونوں نے مل کر
کیا اور یہ جنگ بدر تھی،تو یہ آیت اتری جس نے بتایا کہ یہ آیت مبارکہ جن اشخاص
بارے میں نازل ہوئی ان کے ایمان کی مکمل تصدیق ہوگئی۔

اب اگر کوئی ان کے ایمان کی سچائی پر انگلی اٹھائے تو وہ اس لئے دا
ایمان سے خارج ہو جائے گا کہ اس نے قرآن کی تصدیق کو جھٹلایا ہے جو سرا
کفر ہے۔معلوم ہوا ان لوگوں کا ایمان صرف سچا ہی نہیں ہوگا بلکہ ایمان کی سچائی
کسوٹی بن گیا ہے۔اب قیامت تک جس کی بھی پالیسی مشکوک نظر آئے گی تو
اس کو اسی کسوٹی پر پرکھیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کی تاریخی یادگاریں

حضرت ابوبکر صدیق ﷜ ایک تاریخ ساز شخصیت کا نام ہے۔آپ
ایمان لانے سے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ مکہ اور اس کے گردونواح کی موثر شخصیا
تھیں۔معاشرے اور سوسائٹی پر ان کا زبردست دباؤ تھا۔اور خود ابوبکر صدیق ﷜
شریف کے مضافاتی علاقوں پر پوری طرح اثر انداز تھے۔حضرت ابوبکر صدیق ﷜
ترغیب وتبلیغ سے جو لوگ مسلمان ہوئے وہ اسلام کے سینے کا زور بن گئے۔اور اسلا
عمارت میں ان کی حیثیت ٹیپ کے بند کی بن جاتی ہے۔اور کفر و کفریات کے را
میں وہ لوگ سدّ سکندری ٹھہرے۔اسلام کی شب دیجور پر صبح کامرانی طلوع ہونے والی

آئی۔ اور یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا انفرادی کارنامہ تھا۔ جسکو اسلامی تاریخ کبھی فراموش نہیں کرسکتی بلکہ تاریخ کا یہ حصہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی دینی خدمات سے لبریز ہے۔ ہر تاریخ کے لیے تاج زرنگار ہے۔ ابوجہل اور اس کے اعتقادی ہم زلف سارے محو حیرت اور نقش بر دیوار ہوچکے ہیں۔ یہ کیا ہو رہا ہے۔ زمیں پاؤں تلے سے نکلی جارہی ہے۔

امام محب الدین شافعی مکی طبری متوفی ۶۹۴ھ ریاض النضرۃ، ا۔۹۱ پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا راویہ ہیں؛ حضرت ابوبکر صدیق نے عثمان بن عفان، طلحہ، زبیر اور سعد رضی اللہ عنہم سے رابطہ کیا اور اپنی خداداد صلاحیتوں سے انہیں دین سمجھایا اور سرکار صلی اللہ علیہ والہ وسلم پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔

ذبح کر ڈالا تیری اللہ اکبر نے

خدا جانے وہ صور اسرافیل تھا یا بجلی کا کڑکا جس نے ان کے دلوں کے کفرانی قلعے یکایک مسمار کردیئے۔ عثمان بن مظعون ابوعبیدہ بن الجراح، عبدالرحمان بن عوف، ابوسلمہ اور زید بن ارقم رضی اللہ عنہم بھی ان خوش نصیب لوگوں میں سے ہیں جنہوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے وسیلہ جلیلہ سے اسلام قبول کیا۔ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کا بھی شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مصاحبت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں یہ وادی ہفت خوان طے کی۔

احادیث در فضائل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

(۱) روی البخاری عن ابن عمر قال : کنا نخیر بین الناس فی زمان رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فنخیر ابا بکر ثم عمر ابن

الخطاب ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم و زاد الطبرانی فی ال
فیعلم بذالک النبی (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ولا ینکرہ
ترجمہ: (امام بخاری (رحمۃ اللہ علیہ) نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے انہوں
کہا؛ ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں درجے کے فیص
کرتے تھے۔ لوگوں کے درمیان افضلیت دیا کرتے تھے (یعنی اُمت محمد
لوگوں کو ایک دوسرے پر افضلیت دیا کرتے تھے) تو ہم لوگ ابو بکر صدیق
افضل بتایا کرتے تھے، پھر جناب عمر بن الخطاب ﷜ کو پھر عثمان بن عفان ﷜
طبرانی نے معجم الکبیر میں زیادہ کہا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس با
جانتے تھے اور اسکو برا نہیں سمجھتے تھے)

(۲)۔ واخرج ابن عساکر عن ابن عمر قال کنا وفینا رسول
(صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) نفضل ابا بکر و عمر و عثمان و علی
ابن عساکر نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔ انہوں نے کہا
ہم لوگ افضلیت دیا کرتے تھے جناب ابو بکر صدیق، عمر، عثمان و علی (رضی اللہ
کو، جبکہ ہمارے درمیان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود تھے۔

(۳) و اخرج ابن عساکر عن ابی ہریرۃ قال کنا معا شر اص
رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) ونحن متوافرون نقول اف
ھذہ الامۃ بعد نبیھا ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت
ترجمہ: (ابن عساکر نے جناب ابوھریرہ ﷜ سے اس حدیث کا اخراج کیا، انہوں

(کہا) ہم لوگ اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کئی جماعتیں تھے اور ہم لوگ بڑی تعداد میں تھے۔ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ اس امت میں سے افضل بعد از نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عمر رضی اللہ عنہ ہیں، پھر عثمان رضی اللہ عنہ ہیں، پھر چپ کر جایا کرتے تھے۔

انشاء اللہ تعالیٰ ان تینوں احادیث پر (افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں پوری تفصیل آجائے گی۔ بفضلہٖ تعالیٰ پڑھنے والے کی پوری تشفی ہو جائے گی، حضرات اہل سنت سے حوالہ جات پیش کیے جائیں گے۔ شروح حدیث پیش کی جائیں گی۔ کوئی پہلو تشنۂ تکمیل نہیں چھوڑا جائے گا۔ اور اسی مضمون کی چند احادیث جو محمد بن حنفیہ و علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب ہوئیں انکو بھی وہیں زیر بحث لایا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ)۔

(۳) امام ترمذی نے جابر بن عبداللہ انصاری سے اس حدیث کا اخراج کیا ہے؛ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا:

یا خیر الناس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم).

فقال ابو بکر: اما ان قلت ذاک فلقد سمعته یقول: ما طلعت الشمس علی رجل خیر من عمر.

ترجمہ: اے وہ شخص جو سب لوگوں سے بہتر ہے بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ سورج کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو جناب عمر رضی اللہ عنہ سے بہتر ہو۔

اس بیان میں ایک حدیث موقوف ہے جو کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ
ہے اور دوسری حدیث مرفوع ہے جو کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بیان فرمائی
بجوائے حدیث موقوف (قول عمر رضی اللہ عنہ) معلوم ہوتا ہے کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
اُمت مسلمہ سے افضل ہیں مگر حدیث مرفوع کے مقابلے میں یہ حدیث درخور
نہیں ہوگی۔ حدیث بروایت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، حدیث مرفوع ہے جو کہ بتاتی
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پوری امت سے افضل ہیں۔ ظاہر حدیث سے تو حضرت
صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی ہوئی۔ بادی النظر میں حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ
حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر حدیث مرفوع پیش کر کے اپنی افضلیت سے د
برداری کا اعلان کر دیا۔ اب جو شخص حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل نہ ماننے پر
سے اخراج کا حکم دیتا ہے، وہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں کیا حکم دے

سنیت کا معیار آج کل کا فیشنی سنی نہیں ہے بلکہ سنیت کا معیار صحابہ
رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان سے جو سنیت ملے گی اس پر آئندہ سنیت کو پرکھیں گے۔ اسی مض
کی بہت ساری احادیث (افضلیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) میں لائی جا
گی۔ اور دیگر ضروری انکشافات بھی اسی مقام پر کیے جائیں گے)۔

(۵) امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس حدیث کا اخراج کیا، آپ
کہا: ابو بکر سیدنا وخیرنا واحبنا الی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و
وسلم)۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں، ہم سب
اچھے ہیں اور سب سے زیادہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے ہیں''۔

ہمارا اپنا عقیدہ بحیثیت سنی کے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں بحیثیت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برحق ہونے کے افضل الامت ہونے کا ہے۔ مگر ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور علمائے امت کو سنیت سے خارج نہیں کیا جا سکے گا جو ہماری اس رائے سے اختلاف رکھتے ہیں۔ (افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے باب میں تفصیلی بحث ہوگی لیکن چند ایک نمونے یہاں بھی ملاحظہ فرمالیں:

اس جگہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے یہ تین ارشادات

(۱) ابوبکر سیدنا (ابوبکر رضی اللہ عنہ ہمارے سردار ہیں)

(۲) خیرنا (ہم میں سے سب سے اچھے ہیں)

(۳) واحبنا الی رسول اللہ (اور ہم میں سب سے زیادہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیارے ہیں)

قابل غور ہیں۔ سید و خیر کا مفہوم متبادر تو افضل ہوتا ہے اور سب سے زیادہ پیارا ہونے کو بھی افضلیت میں دخل ہے۔

سب سے پہلے تو علم المصطلح کی رو سے یہ بات قابلِ غور ہوگی کہ یہ حدیث موقوف ہے۔ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تدریب الراوی'' میں حدیث موقوف پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر قیاس صحابی کو قول صحابی میں دخل نہ ہو تو حدیث لفظاً موقوف ہوگی مگر حکماً مرفوع ہوگی

یہاں چونکہ قول صحابی میں قیاسِ صحابی کو دخل ہے اس لئے اس حدیث کو مرفوع حکمی کا درجہ نہیں دیا جائے گا چونکہ شیخین میں دوستانہ ہے لہٰذا اس طرح کے الفاظ دوستی میں بھی ہو سکتے ہیں۔ اسکے بالمقابل حدیث مرفوع ہے، جو یہ کہتی ہے:

اول من اشفع له یوم القیامه من امتی اهل بیتی ثم الاقرب لا قرب من قریش ثم الانصار ثم من آمن بی وا تبعنی من الیمن سائر العرب ثم الا عا جم ومن اشفع له اولا افضل

۱۔ فتاوی رضویہ ۲۳۔۲۳۲ حدیث نمبر ۸۹ رواہ الطبر انی فی الکبیر حدیث ۱۳۵۵۰ (الصواعق المحر قہ)

۲۔ یہی حدیث امام سخاوی متوفی ۹۰۲ نے اپنی کتاب الاستجلاب ۱۱۵ پر درج کی۔

۳۔ یہی حدیث انہی الفاظ میں ابی شجاع بن شہرویہ بن وشہرور بن شہرویہ دیلمی ہمدانی متوفی ۵۰۹ھ نے اپنی کتاب مسند الفردوس ۱۔۲۳ پر نقل کی ہے

۴۔ سید علاوء الدین علی متقی دکنی برھان پوری متوفی ۹۷۵ھ اپنی کتاب ''کنز العمال'' ۱۲۔۹۴ حدیث ۳۴،۱۴۵ کے طور پر درج فرمائی ہے۔

۵۔ امام طبرانی (الحافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد (متوفی ۳۶۰ھ) نے اپنی کتاب کبیر ۲۔۱۲/۳۲۱ پر یہی حدیث انہی الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے۔

اب ذرا ترجمہ ملاحظہ فرمایئے:

جسکی قیامت کے دن سب سے پہلے شفاعت کرونگا میری امت میں وہ میری اہلِ بیت ہے۔ پھر اسکے بعد قریش میں سے جو میرے زیادہ قریب ہونگے۔ پھر انکے بعد جو زیادہ قریبی ہونگے۔ اسکے بعد انصار کی شفاعت کرونگا اسکے بعد جو میرے اوپر ایمان لایا اور میری پیروی کی۔ اہل یمن سے اسکی شفاعت کرونگا پھر سارے عرب کی کرونگا پھر عجمیوں کی کرونگا اور جسکی سب سے پہلے شفاعت کرونگا وہ سب سے افضل ہوگا۔

اب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا قول ذاتی رائے کی حیثیت رکھتا ہے اگر حدیث سے متعارض نہ ہوتا تو اس میں بھی حجتِ شرعیہ تھی۔ سیّد و خیر کے جو دو الفاظ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے استعمال فرمائے انکی وضاحت ہوگئی۔ اب جو آپ نے فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ والا صفات، سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سب سے زیادہ پیارے ہیں اسکا بھی جائزہ لے لیتے ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ذاتِ پاک ہمہ صفت موصوف شخصیت ہیں لیکن بارگاہِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں فیض یاب لوگوں کے مختلف پہلو اور مختلف مدارج ہیں۔

حضرت امام محمد عبدالرؤف بن علی بن زین العابدین مناوی مصری متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب "سیدۃ نساء اھل الجنۃ" ص۱۶ میں خامہ فرسا ہیں:

"منزلتها هي و زوجها عند رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم)" عن النعمان بن بشير . استأ ذن ابو بكر على المصطفى (صلى الله عليه وآله وسلم) ،فسمع عائشة (رضى الله تعالى عنها) عاليا و هي تقول .والله لقد عرفت ان فاطمة (رضى الله تعالى عنها) و عليا (رضى الله تعالى عنه) احب اليک منی و من ابی مرتين او ثلثا. فاستأ ذن ابو بكر فاهوى عليها .فقال يا بنت فلان الا سمعتک ترفعين صوتک على رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) (رواه الامام احمد و رجاله رجال الصحيح) یہ حدیث امام احمد بن حنبل نے فضائل صحابہ جلد اول ص ۔۔ پر نقل فرمائی ہے)

نعمان بن بشیر سے روایت ہے: کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضری کی اجازت مانگی۔ تو انہوں نے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا۔ جبکہ آپ کہہ رہی تھیں: خدا کی قسم مجھے پتہ ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مجھ سے اور میرے والد (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ) سے دوگنا یا تین گنا پیارے لگتے ہیں۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے انکی طرف متوجہ ہوئے اور کہنے لگے۔ اے فلاں کی بیٹی (یعنی اپنا نام لیا) میں نے تجھے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آواز پر آواز اونچی کرتے ہوئے پایا۔

اس موقعہ پر جنابِ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ جملہ کہنا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو مجھ سے اور میرے والد گرامی سے دوگنا یا تین گنا زیادہ پیار کرتے ہیں۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکے اس دعویٰ کی تردید نہ کرنا حدیثِ تقریری کہلائے گا جو کہ شرع میں حجتِ شرعیہ اور حدیث مرفوع ہوگا۔ وہاں جنابِ عمر رضی اللہ عنہ کا ذاتی قول تھا جس میں انکے قیاس کو دخل نہ ہوتا تو بظاہر حدیث موقوف کہلاتا مگر حکماً حدیثِ مرفوع کہلاتا جو قابلِ احتجاج ہوتا۔ اب اس حدیث مرفوع کی موجودگی میں یہ قول قابلِ احتجاج نہیں ٹھہرتا۔

حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا بارگاہ خداوندی میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد امتِ محمدیہ میں سب سے زیادہ پیارا ہونا ایک ایسی مسلمہ حقیقت ہے جسکا انکار کرنا کسی بھی خدا پرست اور حق شناس سنی کے لئے ممکن نہیں۔

حدیث طیر پر ایک ضمنی تبصرہ

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۶۔۲۱۵ پر رقمطراز ہیں: **انہ احب الخلق الی اللہ بعد رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم رواہ انس فی حدیث الطائر**

(ترجمہ) جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد (اور سارے انبیاء کے بعد) اللہ کی بارگاہ میں سب سے زیادہ پیارے ہیں۔ (اس بات کو جناب انس ﷺ نے حدیثِ طائر میں روایت کیا ہے)۔ ایک طائرانہ نگاہ سے وہ حدیث بھی ملاحظہ فرمالیجئے:

عن انس: قال کان عند النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طیر فقال اللھم ائتنی باحب خلقک الیک یا کل معی ھذا الطیر فجاء علی فاکل معہ (ترمذی شریف ۲۔۲۳۶ مطبوعہ قرآن محل مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی) (للحافظ المتقن ابی عیسی محمد بن عیسی الترمذی)

(ترجمہ) حضرت انس ﷺ کی روایت ہے کہ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں ایک پرندہ (بھنا) ہوا تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اے میرے اللہ میرے پاس وہ بندہ لے آجو تیرے نزدیک تیری مخلوق میں سب سے پیارا ہو۔ جو میرے ساتھ یہ پرندہ کھائے۔ سو حضرت علی ﷺ آگئے تو انہوں نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر اُسے کھایا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

این حدیث دلالت دارد برآنکه علی مرتضٰی ﷺ احبّ خلق

خـدا۔بـود نـزد خـدا و شـارحـان بـدان رفته اندو تخصیصات و تقلیدات می کنند که از جمله احب خلق خدا مراد است یا از احب از بنی اعمام آنحضرت یا قرابتان قریب وے صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلـم یـا کسیکه اولی و اقرب و احق است با احسان کردن من بوے و غـالباً ایـن تـخـصیصـات بجهت آن است کـه احبیت از ابـوبـکـر صـدیـق و عـمـر فـاروق لازم نیـاید به حقیقت حاجت بـایـن‌تـخـصیصات نیست زیراکه یقین است که مراد تمام خلق علـی الـعـموم نیسـت چـه احـب مـطلق سید المحبوبین و افضل الـمـخـلـوقیـن اسـت صـلـی اللّٰہعلیه وآله وسلم و در صـحـابه اگر بـعضے را محبوب تر به بعض وجوه وارند چه میشود و افضلیت از جهـت کثـرت ثـواب منـافات بآن ندارد چه مراد بجمیع وجوه نیسـت چـنـانـکـه در مسئله افضلیت و احبیت بعضے علماء گفته انـدو مقام وسیع است، اینهمه تضییق درکار نیست فافهم و باللّٰہ التوفیق (اشعۃ اللمعات ص ٦٦٦۔٦٦٥۔ج ۴،شاہ عبدالحق قادری محدث دہلوی)

(ترجمہ) یہ حدیث اسپر دلالت کرتی ہے کہ حضرت علی مرتضٰی ؓ خدا کی بارگاہ میں امت محمدیہ میں سب سے زیادہ پیارے تھے۔اورشارحین نے یہ رائے قائم کی ہے(کئی ایک)تخصیصات کرتے ہیں اور(کئی ایک)قیدیں بڑھاتے ہیں(اور وہ یوں کہ)اس سے مراد ہے(حضرت علیؓ)اس مخلوق خدامیں سے ہیں جو اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں،یا آپ کے چچیرے بھائیوں میں سے جو احب خلق ہیں،یا

آپ کے دوسرے اقرباء میں سے جو قریب لوگ ہیں ان میں سے احب ہیں۔اور
تا بایہ تخصیصات اس وجہ سے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق
سے زیادہ احبیت لازم نہ آئے۔اور حقیقتاً ان تخصیصات کی کوئی ضرورت نہیں ہے
کیونکہ یہ بات یقینی ہے کہ جملہ خلق خدا علی العموم مراد نہیں کیونکہ احب مطلق سید
العالمین وافضل المخلوقین (محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہیں۔اور اگر صحابہ میں بعض
کو بعض وجوہ کے پیش نظر محبوب تر (بمقابلہ دوسرے صحابہ کے) سمجھا جائے تو کیا ہو
گا؟ اور جہت کثرت ثواب سے افضل ہونے کے ساتھ اسکا کوئی ٹکراؤ نہیں۔کیونکہ اس
کہ جمیع وجوہ مراد نہیں جیسا کہ مسئلہ افضلیت و احبیت میں بعض علماء نے کہا
ہے۔(یہ) مقام وسیع ہے یہ ساری تنگی کرنے کی ضرورت نہیں۔

اور اسی سے ملتی جلتی بات شاہ عبدالحق قادری محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی
کتاب تکمیل الایمان صفحہ ۵۷ پر بھی لکھی ہے:

از قول خطابی که از بعضے مشائخ نقل کرده است نیك توان یافت که چه مقصود وارد خیریت چیست و افضلیت کدام است که گفته است "ابوبکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر" (رضی الله عنهما) اگر مراد خیریت ابی بکر از وجهے دیگر وافضلیت علی از وجهے دیگر پس این سخنے است بیرون از دائره اختلاف و خارج از محل نزاع، و اگر مراد از خیریت کثرت ثواب است و از افضلیت وجوه دیگر مثل شرف ذات و کرامت است و امثال آن ،منافات بمقصود ندارد (خطابی از

اولاد عمر فاروقؓ و شارح سنن ابی داود، متوفی ۳۸۰، مزار کابل (افغانستان))

(ترجمہ) قول خطابی جو اس نے اپنے بعض مشائخ کے حوالے سے نقل کیا ہے، اچھی طرح معلوم کیا جاسکتا ہے کہ خیریت سے کیا مراد ہے اور افضلیت کیا چیز ہے کہ اسے کہا ہے۔ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر (ابوبکر صدیقؓ علی مرتضیٰؓ سے اچھے ہیں اور علی مرتضیٰؓ، ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہیں۔ اگر جناب ابوبکر صدیقؓ کا جناب مرتضیٰؓ سے اچھا ہونا اور وجہ سے ہے اور جناب مرتضیٰؓ کا جناب ابوبکر صدیقؓ سے افضل ہونا اور وجہ سے ہے تو یہ ایک ایسی بات ہے جو دائرہ اختلاف سے خارج ہے اور اسمیں کوئی جھگڑا نہیں۔ اگر خیریت سے مراد کثرت ثواب ہے اور افضلیت سے مراد دوسری وجوہات مثلاً شرف ذات و بزرگی اور اسطرح کی دوسری خوبیاں تو ان کا مقصود سے کوئی ٹکراؤ نہیں۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی عبارت صفحہ ۲۶۔۲۶۵۔ ج۴ اور تکمیل الایمان کی عبارت صفحہ ۵۸۔۵۷ سے یہ خدشہ دور کر دیا ہے کہ یہ حدیث موضوع یا ضعیف ہے، جسکا ذکر ملا علی قاری نے " مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" ص۵۶۹ پر کیا۔ (ابن جوزی نے کہا یہ حدیث موضوع ہے اور حاکم نے کہا حدیث موضوع نہیں) چونکہ اس حدیث کو حضرت امام احمد بن حنبل نے (المناقب) کے اندر بھی روایت کیا ہے جس کا ذکر ملا علی قاری ہروی (متوفی ۱۰۱۴ھ) ۵۔۵۶۹ مرقاۃ شریف میں کیا ہے۔ اس لیے قول ابن جوزی کو معتمد نہیں کہا جاسکتا کیونکہ امام احمد بن حنبلؓ کتب صحاح کے مصنفین کے بالواسطہ یا بلاواسطہ استاد ہیں۔ اور اہل علم کی دنیا

میں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد جملہ محدثین میں کثیر الاطلاع اور نقاد حدیث تسلیم ہوتے ہیں۔ ان کے اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد ابن جوزی کی تنقید کی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ اور امام بغوی نے اپنی مصابیح میں احادیث احسان میں ذکر کیا اس حدیث کا حربی نے بھی اخراج کیا، عمر بن شاہین نے بھی اس حدیث کی تخریج کی، اور نجار نے اس کی تخریج کی (ریاض النضرۃ مصنفہ محبّ الدین طبری متوفی ۶۹۴ھ)۔

اس حدیث کے بارے میں محدثین کو خدشہ ہوا ہے کہ اس حدیث سے روافض کو حضرت مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلافصل ہونے کا موقعہ ہاتھ آ جائے گا، جو سراسر بے بنیاد ہے۔ اصول حدیث کی رو سے کسی حدیث کو موضوع یا ضعیف کہنے کا یہ کوئی اصول ہی نہیں ہے کہ کوئی حدیث اگر مولا مرتضٰیؓ کی شان میں آ جائے تو شیعہ کی عداوت کی وجہ سے اس حدیث کو ضعیف یا موضوع کہہ دیا جائے اسطرح کا کوئی سقم حدیث میں نہیں ہے جس کی وجہ سے قبول حدیث یا حجیت حدیث پر کوئی اثر پڑے۔ رہ گئی یہ بات روافض کے جناب مولا مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بلافصل ثابت کرنے کی، یہ سراسر باطل ہے۔ کیونکہ اس حدیث میں کوئی ایسا لفظ یا عبارت نہیں جو خلافت کا معنی دے۔ یہ خدشہ انہیں ہوسکتا ہے جو امامت صغریٰ یا امامت کبریٰ کے لیے افضلیت کو شرط قرار دیتے ہیں۔ یہ مذہب اہل سنت کا نہیں ہے بلکہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست نہیں، یہ روافض کا مذہب ہے، جس کی کوئی بنیاد ہی نہیں۔ اگر امامت کے لیے افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں امام نہ بنائے جاسکتے اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کی اقتدا کرنا درست نہ ہوتا۔ ثابت ہوا کہ افضلیت اقتدا کے لئے امر مانع

بھی نہیں، اور امامت کبریٰ یا صغریٰ کے لئے افضلیت شرط بھی نہیں ہے۔

کہا جا سکتا ہے کہ وہ تو نماز کی امامت تھی، یہ امامت کبریٰ جس کے ہم در پے گفتار ہیں، اسکی کوئی مثال لاؤ۔ ہم جواب میں حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جو تیسرے خلیفہ برحق ہیں کی مثال پیش کرتے ہیں، انکی خلافت ثالثہ پر اہل سنت کا اجماع ہے اسکے باوجود جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ اور جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا اختلاف اہل سنت میں پایا جاتا ہے۔ اگر ترتیب خلافت میں اولیت یا تقدم برابر افضلیت کے ہوتا تو اہل سنت میں یہ اختلاف نہ پایا جاتا معلوم ہوا کہ کسی وجہ سے بھی افضلیت متقاضی خلافت نہیں، لہٰذا روافض کا یہ استدلال باطل ہے کیونکہ سنیوں میں یہ مسئلہ آج تک زندہ ہے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں یا جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ، عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔ نیز حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس حدیث کو خلافت بلا فصل برائے جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا مفید مطلب سمجھتے تو وہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے بیعت نہ کرتے۔ انہوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دست حق پرست پر خلیفہ راشد جان کر بیعت کی اور زندگی بھر اس پر قائم رہے۔ معلوم ہوا کہ یہ حدیث جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خلیفہ بلا فصل ہونے پر کسی طرح بھی دلالت نہیں کرتی۔

مزید برآں جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے بذات خود خواہ دیر یا سویر سے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر خلافت کی بیعت کی اور زندگی بھر ان کے پیچھے نمازیں پڑھیں، جمعہ اور عیدین کی نماز بھی ادا فرماتے رہے۔ اگر اس حدیث کی جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق میں خلافت بلا فصل پر دلالت ہوتی تو (انا مدینۃ العلم وعلی بابها) کی شان رکھنے والا اس سے کیسے آگاہ نہ ہوتا۔

نیز تمام جنگی مہمات میں جناب خلیفہ برحق، حضرت ابو بکر صدیق ﷛ کی اطاعت کرتے رہے۔ تاریخ کے صفحات بحروف جلی یہ شہادت دے رہے ہیں کہ اس حدیث سے خلیفہ بلا فصل مراد لینا مرادِ مرتضیٰ ﷛ نہیں، یہ نفس و شیطان کی پیروی اور خواہشات کو اپنے معبود بنانے کے برابر ہے:

أَفَرَأَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ (سورة الجاثية.23)

ترجمہ: (کیا تم نے دیکھا اس شخص کو جس نے اپنی خواہش کو اپنا معبود بنالیا ہے)

زبان سے گر کیا توحید کا دعویٰ تو کیا حاصل؟
بنایا ہے بت پندار کو اپنا خدا تو نے

(علامہ اقبالؒ)

اس جگہ نواب محمد قطب الدین دہلوی کی ''مظاہر حق'' شرح مشکوٰۃ ۷۔۳۴۶ کے چند اقتباسات پیش کر دینا بھی بے فائدہ نہیں ہوگا۔ وہ اسی حدیث کی شرح لکھتے ہوئے آخر میں لکھتے ہیں۔ ایک بات اہل سنت سے بھی کہہ دینا ضروری ہے کہ افضلیت کا مسئلہ ''ظنی'' ہے اسکو ایمان و کفر کا معاملہ نہیں بنانا چاہیے اور اسطرح اس روایت کو موضوع قرار دینے پر زور صرف کرنا، چاہے فنی اور تحقیقی طور پر کتنا ہی درست ہو مگر ظاہری طور پر اس کو شدت و تنگی بلکہ تعصب پر محمول کیا جانا مستبعد نہیں ہے۔ اس طرح کے الفاظ حضرت عمر فاروق ﷛ کی شان میں بھی وارد ہوئے ہیں اُن میں اس طرح کی کسی کو محسوس نہیں ہوتی مثلاً:

ما طلعت الشمس علی خیر من عمر (حضرت عمر ﷛ سے بہتر

آدمی پر سورج طلوع نہیں ہوا)۔جسکا معنی ہے کہ حضرت عمر فاروق، جناب ابوبکر صدیق (رضی اللہ عنہما) سے بھی افضل ہیں۔اور ایک دوسری حدیث میں یہ الفاظ بھی وارد ہوئے ہیں: **ارفع درجة فی الجنة عمر** (جنت میں سب سے بلند مرتبہ انسان حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ہوں گے (ملخصا)۔

ان دونوں احادیث میں نہ ہی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور نہ ہی انبیاء ومرسلین کو مستثنیٰ کیا گیا ہے تو اس جگہ علمائے اہل سنت وجماعت میں سے کسی نے اس پر اعتراض نہیں کیا۔نہ ہی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر برتری ثابت ہونے پر آزردہ ہوکر ان احادیث کو موضوع یا ضعیف کہا ہے، جس سے صاف طور پر یہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ صرف نام علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے کد ہونے کی وجہ سے اس طرح کی دوراز کار باتیں کی گئی ہیں۔ورنہ معانی ومطالب سمجھنے میں تو کوئی دقت نہیں جبکہ اس حدیث کی ابتدائی شرح میں حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی اشعۃ اللمعات سے وضاحت پیش کی گئی۔اور بہت ساری آیات واحادیث حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں وارد ہوئیں وہ آپ کے سب سے افضل ہونے کے باب میں بیان کی جائیں گی۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

سببِ تالیف

ہمارے سنی علمائے کرام برطانیہ میں مساجد ومدارس میں دینی خدمات انجام دے رہے تھے کہ آج سے چند برس پہلے چند نظریاتی دہشت گردوں کی ایک جماعت جو زمرہ علماء سے تعلق رکھتی تھی اس ملک میں آنکلی اور انہوں نے سنی علماء وعوام میں ایک مہم چلادی جو سنی ووہابی اور سنی وشیعہ کے عنوان سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت

تخریب کاری کا پروگرام تھا اور دراصل وہ ایک جماعتِ نواصب کے لوگ تھے جنہوں نے مختلف بہروپ بنائے۔ اور کئی ایک کانفرنسوں میں زورا زوری گھسے اور مانگ کر وقت لئے۔ اور بغیر منتظمین مجالس کی اجازت کے انہوں نے مسلمانوں کے دوسرے فرقوں کو جو اہل سنت کے سوا تھے، کھلم کھلا کافر کہنا شروع کر دیا۔ مثلاً وہابی کافر ہیں شیعہ کافر ہیں، جنکی ٹیپیں ہمارے پاس موجود ہیں۔ اس سے برطانیہ میں ایک خلفشار پیدا ہو گیا اور طبقاتی جنگ کے واضح امکانات پیدا ہو گئے، لوگوں میں جا بجا ہاتھا پائی تک نوبت آئی۔ ہم نے ملک گیر سطح پر امن و آشتی کے لئے مقدور بھر کوشش کی جو ایک حد تک کارگر ثابت ہوئی۔

اب اس نظریاتی دہشت گرد جماعت کے دو گروہ بن گئے۔ ایک کا کام لوگوں کو وہابی یا شیعہ قرار دینا تھا اور دوسرے گروہ کا کام ان دونوں جماعتوں کے لوگوں کو کافر قرار دینا تھا۔ اسطرح اول الذکر گروہ صغریات تیار کرتا گیا اور دوسرا گروہ انہیں کافر قرار دینے کے کبریات بناتا گیا۔ بالآخر شیعہ جماعت نے ان کی کارکردگی کے پیش نظر بڑی بڑی کانفرنسیں منعقد کر کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بالخصوص جناب امیر معاویہ ﷺ کی شان میں نہایت تکلیف دہ کلمات کہہ کر اہل سنت و جماعت کے جذبات کو بری طرح زخمی کیا۔ جو سوالات شیعہ علماء نے کئے وہ بد قسمتی سے ان سے حل نہ ہو پائے۔ آخر (ڈوبتے کو تنکے کا سہارا) کے طور پر اہل سنت و جماعت کے اکابر کی تصانیف کی کاپی کر کے کتابیں چھاپ دیں مگر سوئے قسمت سے وہ سوالات جو شیعہ حضرات نے کئے تھے وہ ان اکابر کی کتب میں زیر بحث نہیں لائے گئے تھے اس لئے ان سوالات کا جواب نہ دیا

جاسکااوراہل سنت کے عوام آج تک ان جوابات کاانتظار کرتے رہے ہیں۔

یہاں آکرانہوں نےشیخین کریمین (حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ) کے فضائل کی آڑ میں اہل بیت اطہار کے بارے میں بڑاپراسرار طریقہ اپنا لیا۔ چونکہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے فضائل وکمالات پر اس ملک میں کافی کام ہوا ہوا تھا لہٰذا اس طرز گفتگو کو بہت پسند کیا گیا۔ اور ہم لوگ بھی فضائل صحابہ رضی اللہ عنہم اور خصوصاً امتیازات شیخین کریمین کو استحسان کی نظروں سے دیکھتے رہے۔ باوجودیکہ ان کے اصل پروگرام سے ہم لوگ شروع ہی میں آگاہ ہو گئے تھے۔ ناصبیت پر جو سنیت کا خول چڑھا ہوا تھا وہ زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکا۔ حقیقت کو چھپانا خاصا مشکل کام ہے۔

لوگ اپنی دیرینہ عادت کے مطابق نعرہ حیدری لگاتے رہے۔ کچھ دیر یہ لوگ چپ رہے بالآخران کا جام صبر لبریز ہو گیا۔ لوگوں کو برملا طور پر نعرہ حیدری سے روکنے لگے اور عذر یہ پیش کرنے لگے کہ یہ نعرہ لگانے سے شیعہ کو فائدہ پہنچتا ہے۔ لوگ نعرہ بھی اسوقت لگاتے تھے جب جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کی شجاعت و بہادری اور دلیری کا ذکر آجائے۔ چونکہ پوری امت کے مسلمات میں سے ہے کہ جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ ان اوصاف میں واضح امتیاز رکھتے تھے۔ جیسے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ و جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خدمات یا محاسن کا ذکر چل نکلنے پر ان کے نام پاک کے کوئی نعرے لگائے تو اعتراض کی گنجائش نہیں۔ اسطرح جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے نعرہ پر اعتراض بھی نہیں ہونا چاہیے تھا۔ ان لوگوں نے اپنا شعار بنا لیا کہ ہماری مجالس میں نعرہ حیدری رضی اللہ عنہ نہیں لگے گا۔ مگر سنی لوگ چار یار کبار پر بھی اور خلیفہ پنجم حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر بھی جان

نے والے لوگ ہیں۔ انہوں نے شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کے نعرے بھی، جناب مولا مرتضیٰ ؓ کے نعرے بھی خوب لگائے۔ اس پر جگہ جگہ تصادم ہوا مگر یہ لوگ پند پر رہے۔ اب یہ سوال اٹھتا ہے کہ کیا اس نعرہ سے شیعہ ہی کو فائدہ پہنچتا ہے؟ اہل سنت کو فائدہ نہیں پہنچتا؟

امام ابوالحسن اشعری (متوفی ۳۳۰ھ) اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین ا۔۱۶۷) میں تحریر فرماتے ہیں: **اجمعت الخوارج علی اکفارعلی بن ابی طالب (رضوان اللہ علیہ) ان حکم وھم مختلفون :ھل کفرہ شرک ام لا**

جناب مرتضیٰ ؓ کے کافر گرداننے پر (معاذ اللہ) خوارج نے اجماع کیا یہ کہ انہوں نے تحکیم کی (کافر کہنے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فیصلہ کرنے کے لئے اپنی طرف سے ابوموسیٰ اشعری ؓ کو حکم بنایا۔ اوران خوارج کا آپس میں اختلاف تھا اس بارے میں کیا حضرت علی مرتضیٰ ؓ کا کفر (معاذ اللہ) ازقسم شرک ہے کہ نہیں۔

اوراسکے برعکس اسی کتاب کے اسی صفحہ پر درج ہے:

والفرقة العاشرة الخوارج ويقال لهم النواصب والحرورية نسبة الى حروراء موضع خرج فيه اولهم على علي (رضى الله تعالى عنه) وهم الغلاة فى حب ابى بكر و عمر (رضى الله تعالى عنهما) وبغض علي بن ابى طالب (رضى الله تعالى عنه)

(ترجمہ): جنتہ کا دسواں فرقہ خوارج ہیں انہیں نواصب بھی اور حروریہ بھی کہا جاتا ہے۔ حروریہ ایک اسم منسوب ہے۔ یہ ایک جگہ کی طرف منسوب ہے۔ یہ ایک جگہ کا

نام ہے جہاں ان کے پہلے فرقے نے جناب علی مرتضیٰ ﷺ پر خروج کیا تھا۔ اور یہ خوارج جناب شیخین کریمین (حضرت ابوبکر صدیق و حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کی محبت میں غالی تھے اور بغض علی ﷺ میں بھی غالی تھے۔

اب اگر نعرہ شیخین سے روکنے والا یہ عذر پیش کرے کہ یہ نعرہ صرف اسلئے نہیں لگانا چاہیئے کہ اس سے خوارج کو فائدہ پہنچے گا تو یہ عذر بغض شیخین کی علامت ہو گا۔ کیونکہ اگر شیخین کی محبت میں خارجیوں کے غالی ہونے کی وجہ سے خوارج کو فائدہ پہنچے گا تو اہل سنت بھی تو محبان شیخین ہیں۔ ان کو بھی فائدہ نہیں پہنچے گا؟ حاصل یہ کہ جسطرح عذر خوارج کی وجہ سے نعرہ شیخین روکنا درست نہیں اور بغض شیخین کی علامت ہے۔ اسطرح شیعہ کا بہانہ بنا کر نعرہ حیدری روکنا، یہ بغضِ علی ﷺ کی نشانی ہے جو کہ نواصب کے لائق ہے، اہل سنت کے لائق نہیں۔

اگر کوئی آدمی یہ تجویز دے کہ جو آیات جناب عیسیٰ علیہ السلام کی شان بیان کرتی ہیں ان کو قرآن سے نکال دو کیونکہ ان کے بیان سے عیسائیوں کو تقویت ملتی ہے۔ یا جو آیات موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کی شان بیان کرتی ہیں ان کو قرآن سے نکال دو کیونکہ ان کے بیان سے یہودیوں کو تقویت پہنچتی ہے۔ یہ دونوں تجاویز حرام ہیں۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے رسول (علیہما السلام) ہیں۔ ہم مسلمانوں کا کام تمام انبیاؤ مرسلین کی شان کو پھیلانا اور تحفظ مہیا کرنا ہے۔ اسی طرح ہم لوگ سنی ہیں، ہمارا کام اہل بیت رضوان اللہ علیہم پر بھی قربان ہونا ہے اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم پر بھی نثار ہونا ہے۔

چونکہ نظریاتی دہشت گردوں نے پہلے پاکستان میں سنی وہابی فساد اور سنی شیعہ

ت کا کامیاب تجربہ کر لیا ہوا تھا۔اس لئے اسی تجربے کو انگلینڈ میں دہرانا یہاں کچھ لوگ پہلے سے اس تخریب کاری میں مصروف کار تھے۔ان لوگوں کو در ل کرتے کرتے دربار مل گیا۔اس میدان کے سابقین اولین نے تو پہلے ہی سے جوان طبقے کو گمراہ کر رکھا تھا۔ان لوگوں کی تعلیمات نے جلتی پر تیل کا کام کیا۔جا بجا جوان طبقہ اس طرح کی تحریکوں کی زد میں آیا اور بیشمار گھرانوں کا سکون چھین لیا یا۔اور بڑی تعداد میں والدین اپنے نوجوان بچوں کے مستقبل سے نا امید ے۔اور یہ نوجوان نسل کے لوگ پرانی اور نئی خلافت کا آپس میں ادغام کرنے لگے ویزہ اپلائی کرتے وقت اور نیشنیلٹی اپلائی کرتے وقت جس حلف وفاداری یا سچائی پر داری سے دستخط کیے تھے۔اسکو اسطرح بھول گئے جیسا کہ کلمہ پڑھنے والا کسی پیمان کا پابند ہوتا ہی نہیں۔

یاایہاالذین امنوا اوفوا بالعقود (۵۔۱)

اے ایمان والو! اپنے وعدے پورے کرو۔

یہ تحریکیں چلانے والوں نے بے دین لوگوں کی طرح اپنے وعدوں کی مٹی پلید کر کے رکھ دی اور اس سعادت کا سہرا اُن بزرگوں کے سر پر بھی ہے جنہوں نے چاہا اپنے چند حواشی کے بغیر سب کو کفر کے تمغے تقسیم کئے۔کاش انہیں پتہ ہوتا کہ ان کا لوگوں کو مسلمان بنانا تھا نہ کہ کافر بنانا۔

ان لوگوں کا طریقہ واردات یہ تھا کہ اپنی تحریک کے ایک مرکز میں بیٹھ کر اپنے فرائض تقسیم کرتے۔ایک کی ڈیوٹی لگاتے کہ آپ مہربانی کر کے اپنے

اثر ورسوخ کے ذریعے سے اس جلسہ یا کانفرنس میں مجھے بمعہ میری پوری کابینہ کے
دعوت شرکت دلا دیں اگر اکے دُکے آدمی کو دعوت مل جاتی تو دوسرے طفیلی
(Paracite) بن کر ساتھ چلے جاتے۔ایک تقریر کے دوران کہتا: "وہابی
کافر،شیعہ کافر" تو طفیلی کٹھ پتلیاں واہ واہ، واہ واہ کے نعرے لگاتے اور ہرگز یہ خیال
نہ کرتے کہ مذہبی پیشواؤں نے سالہا سال کام کیا تو جب جا کے ایسے حالات پیدا
ہوئے ہیں مگر ان کی بلا سے۔اس نئے سیلاب میں بہت سارے اچھے لوگوں کے
تربیت یافتہ نوجوان بھی پانی بن کے بہے اور اپنے بزرگوں کے مشن سے دغا کیا۔

شبابِ شعلہ خس یک نفس ہے
ہوس کو پاس ناموس وفاء کیا!

ان کافر ساز اداروں سے ایک دریافت طلب امر یہ ہے کہ جنہوں نے دنیا
کے سب سے غالی شیعہ کا جنازہ بھی پڑھا اور چالیسویں سے بھی فیضیاب ہوئے ہیں اور
وہاں سے پیسے لا کر مدارس بھی قائم کئے ہیں، کتب خانے بھی خریدے ہیں، اور ذاتی
مکان بھی خریدے ہیں، ان کا ایمان بھی بچا ہے یا انہی سرگرمیوں کی نذر ہو گیا ہے؟

نیز اگر وہابیہ کافر ہیں تو آٹھ تراویح پر عمل کرنے والے وہابی پیر کی بیعت
کرنے والے پیر یا صوفی یا مولوی صاحب کا کیا حکم ہوگا؟ کیونکہ آٹھ تراویح تو ائمہ
اربعہ اہل السنّت والجماعت میں سے کسی کا بھی مذہب نہیں۔آٹھ تراویح پڑھنا تو وہابیہ
کے خصائص میں سے ہے۔اگر کوئی صوفی یا مولوی صاحب ایسے پیر کا مرید ہو جو ساری
زندگی آٹھ تراویح ہی پڑھتا پڑھتا مرا ہو، وہ بھی مسلمان رہ گیا ہے کہ نہیں؟ صرف

گیارہویں کھانے یا قادری وغیرہ کہلانے کے سہارے اپنی سنیت پر خوش ہے؟ بعض لوگوں کا ہمارے خلاف یہ بھی احتجاج ہے کہ ہم گیارہویں کھاتے ہیں۔

یار ! ہم تو حضرت غوث پاک کی اولاد ہیں، اگر کھاتے ہیں تو اپنے باپ کا مال کھاتے ہیں۔ پوچھنا ان سے ہے جو اولاد غوث پاک بھی نہیں اور دشمن اولاد غوث پاک بھی ہیں وہ کس ناطے سے گیارھویں شریف کھاتے ہیں؟ اور قادری بھی غالباً قادر آباد کا باشندہ ہونے کی وجہ سے کہلاتے ہیں، قادری طریقت کے ساتھ ان کا کوئی تعلق نہیں۔

نعرہ حیدری

نعرہ کا لغوی معنی آواز کا بلند کرنا، شور مچانا ہے۔

نعر الرجل ، ینعَر و ینعِر نعیرا، و نعارا: صاح و صوت بشدة و هو من الصوت (لسان العرب ۵. ۲۲۰ مصنفه ابن منظور افریقی مصری). نعرہ کے معنی شور مچانا اور آواز کا بلند کرنا ہے (خصوصاً ناک کے راستے سے غنغنا کے آواز نکالنا ہے۔

(نعر القوم) قوم نے جوش وخروش ظاہر کیا۔ (مصباح اللغات مرتبہ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی استاذالادب ندوۃ العلماء لکھنو ۸۸۸)

اب مسلمانوں اور خصوصاً اہل سنت والجماعت کے ہاں نعرہ تکبیر نعرہ رسالت اور نعرہ حیدری کا ایک پرانا معمول چلا آرہا تھا، جس پر مسلمانوں کے کسی طبقے کو اعتراض نہیں تھا۔ ہم نے خود اپنے کانوں سے، کلکتے سے لیکر طورخم کی زنجیر تک اور مقبوضہ کشمیر سے لیکر آزاد کشمیر تک یہ نعرہ بغیر روک ٹوک کے لگتا سنا۔ سن ۱۹۵۳ یا اسکے کچھ

بعد جہلم میں دوسرے طبقے کے علماء کرام نے ''نعرہ خلافت'' کہہ کر ''حق چار یار'' کا جواب تجویز کیا۔ ہمارے زمرے کے علمائے کرام نے اپنا پلہ برابر کرنے کے لئے ''نعرہ خلافت'' کی جگہ ''نعرہ تحقیق'' کا اجتہاد کیا مگر جواب میں دوسروں کے مقلد ہی رہے، اور جواب میں ''حق چار یار'' ہی کہا۔ اگر جواب میں حق پانچ یار کہہ دیتے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت کو بھی تحفظ مل جاتا اور منکرین امام حسن رضی اللہ عنہ کی تردید بھی ہوجاتی۔ یا اس سے بھی زیادہ وسیع مفہوم کا نعرہ ''حق سب یار'' لگا دیتے تو سنیت کی اعتقادی حیثیت بھی واضح ہوجاتی اور اغیار کی تقلید سے بھی دامن پاک رہتا۔

اصولی طور پر اہل سنت والجماعت کے مطابق خلافت پانچ خلفاء پر مشتمل ہوتی ہے۔ کیونکہ حدیث سفینہ رضی اللہ عنہ میں تیس سالہ خلافت کا ذکر ہے اور جب تک امام حسن کی ششماہی خلافت بیچ میں نہ ڈالی جائے، تیس سالہ خلافت راشدہ پوری نہیں ہوتی۔ امام حسن رضی اللہ عنہ نے چونکہ جناب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حق میں دست برداری فرمائی تھی اس لئے منکرین صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے انکے بارے میں بہت منفی رویہ اختیار کیا۔ نیز حضرت غوث الثقلین سید عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے منکرین صحابہ کی خوب خبر لی اور سید علی ہجویری داتا گنج بخش نے بھی مقدور بھر منکرین صحابہ رضی اللہ عنہم کا تعاقب کیا۔ اور یہ لوگ چونکہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی اولاد اطہار میں سے ہیں۔ اس لئے ان دونوں حضرات کو بھی اور انکے آباؤ اجداد کو بھی منکرین صحابہ نے بنظر استحقار دیکھا اور قول وقلم کے ذریعے ان سے انتقام لیا۔

بنا بر حقائق مذکورہ بالا اہل السنّت والجماعت کو اپنی یومیہ سرگرمیوں میں

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کے ایثار اور حضرت غوث الثقلین رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت داتا گنج بخش سید علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کی دینی خدمات کا احساس کرتے ہوئے انکے تحفظ کے لئے بھی نعرے لگانے چاہئیں تھے جیسا کہ اہل السنّت والجماعت کے دوسرے نعروں میں اس ذوق کا احساس ہوتا ہے۔

اگر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کا احساس کر کے خلافت راشدہ کے نعرے لگانے تھے تو "حق پنج یار" کہنا چاہیے تھا اور اگر منکرین صحابہ کی سرکوبی کے لئے نعرے لگانے تھے تو انہیں "حق سب یار" کا نعرہ لگانا چاہیے تھا تاکہ جو لوگ صحابہ رضی اللہ عنہم کے منکر ہیں ان کی بھی تردید ہو جاتی۔ مگر موجودہ نعرہ (حق چار یار) میں بغض اہل بیت کی بو آتی ہے یا بغض صحابہ کی (رضی اللہ عنہم)۔

مگر ان لوگوں کا اصلی مقصد نہ ہی صحابہ کا نعرہ لگانا تھا نہ ہی اہلِ بیت کا بلکہ انکا مقصد اصل نعرۂ حیدری کو روکنا تھا اس لیے انہوں نے اپنے خودساختہ رویے پر اصرار کیا۔

نعرہ کی شرعی حیثیت

اب نعرہ کی شرعی حیثیت پر مندرجہ ذیل سطور ملاحظہ فرمایئے:

صاوی علی الجلالین ۴۔۲۷۶ پر علامہ احمد صاوی مالکی یمنی رحمۃ اللہ علیہ درج کرتے ہیں کہ بعض اسباب کے تحت کئی دن تک وحی نہ آئی۔ تو کفارِ مکہ نے یہ مشہور کر دیا کہ "ودع محمدا ربه وقلى" (محمد کو اُن کے رب نے چھوڑ دیا اور ان سے ناراض ہو گیا)۔ تو اللہ تعالیٰ نے سورہ والضحیٰ نازل فرمائی۔

وَالضُّحٰی ۝ وَاللَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝ قسم ہے چہرہ تابدار کی اور قسم زلفِ پیچدار کی

مَا وَدَّعَکَ رَبُّکَ وَمَا قَلٰی: نہ ہی تیرے رب نے تجھے چھوڑا اور نہ ہی بیزار ہوا

تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بآواز بلند نعرہ تکبیر لگایا: ای قال الله اکبر او لا اله الا الله والله اکبر او لا اله الا الله والله اکبر ولله الحمد و حکمة تکبیره تذکرة عظمة نعمة الله تعالی علیه فشکر ربه علی ذالک ولم تشغله النعم عن المنعم

یعنی سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا: اللہ سب سے بڑا ہے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر کوئی معبودِ برحق نہیں۔ اور اللہ سب سے بڑا ہے اور ساری تعریفیں خدا تعالیٰ ہی کے لئے ہیں۔ علامہ صاوی مالکی یمنی لکھتے ہیں کہ آپکے نعرہ تکبیر کی حکمت یہ تھی کہ جو رب تعالیٰ نے آپ پر نعمت بھیجی ہے وہ بہت بڑی ہے۔ اس بات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے رب کا شکریہ ادا کیا اور نعمائے الٰہیہ نے آپ کو انعام دینے والے سے بے خبر نہیں کیا۔

اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے عطیہ پر جب بے حد خوشی و جوش کے ملے جلے احساسات ابھرتے ہیں تو اس جوش میں جو آواز بلند کی جاتی ہے اسکا نام نعرہ ہے۔ اور سورۃ والضحیٰ سے لیکر الناس تک ہر سورۃ کے خاتمہ پر نعرہ تکبیر لگانا مذہب شافعی میں سنت سمجھا جاتا ہے۔ تو اب جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی بدر و احد، احزاب، خیبر اور حنین کی کارکردگی پر مسلمانوں کے جذبات ابھریں اور لوگ نعرہ لگائیں تو عین برمحل ہے۔

جنابِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی تو آپ کے جانباز ساتھی بھی ترک وطن کر کے مدینہ شریف آگئے اور جو دوسرے ملکوں میں پناہ گزین تھے وہ بھی مدینہ شریف آگئے۔ مدینہ شریف مہاجرین کا ایک کیمپ بن

گیا۔ انصارِ مدینہ نے اپنی املاک تقسیم کر کے ان صحابہ رضی اللہ عنہم کو جو مہاجرین تھے دے دیں۔ مگر صحابہ مہاجرین کا احساسِ مظلومیت دور نہ کیا جاسکا۔ اپنی غربت و تہی دستی کا شعور انہیں ہمیشہ ستاتا رہا۔ بدر کی جنگ میں اترنے تک یہ احساس بدستور زندہ رہا اور میدان جنگ میں صورتِ حال نازک سے نازک تر ہوتی چلی گئی۔ بڑے شیروں دلیروں کے پتے پانی ہونے لگے، سینوں میں دل دھکڑ دھکڑ بجنے لگے۔ میدان جنگ کا پانسہ پلٹتا ہوا دیکھ کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سر مبارک سجدے میں چلا گیا اور حضورِ کردگار عرض کیا: مولا یہ مٹھی بھر مسلمان اگر مارے گئے تو قیامت تک تیرا نام لینے والا دنیا میں کوئی باقی نہیں ہوگا۔

ادھر مجموعی نقشہ جنگ یہ تھا اُدھر جنابِ مولا مرتضی رضی اللہ عنہ کی جنگی کیفیت دُرِ یکتا کی طرح بے ہمتا تھی۔ اس صورتِ حال کا دباؤ صرف خاکی نژادوں پر ہی نہیں تھا بلکہ آسمانی قدسیوں پر بھی پڑ رہا تھا حتی کہ داروغہ جنت، جنت کی فضاؤں کو چھوڑ کر صفِ کارزار میں اُتر آیا اور بانگِ دہل یہ نعرہ لگایا:۔

لا سیف الا ذوالفقار — لا فتی الا علی

ذوالفقار کے بغیر تلوار کوئی نہیں — علی کے بغیر مرد کوئی نہیں

اس جگہ نعرہ کے معنی صادق آ گئے، بے حد خوشی اور جوش کے احساس میں داروغہ جنت رضوان نے یہ نعرہ بلند کیا: **عن ابی جعفر محمد بن علی قال نادی ملک من السماء یوم بدر یقال له رضوان : لا سیف الا ذوالفقار لا فتی الا علی** (ریاض النضرۃ ۴۔۱۵۵)

اعتراضات کے جوابات

اس پر معترض کا اعتراض یہ ہوسکتا ہے کہ اس سے تو انبیاء علیہم السلام پر بھی جناب مرتضیٰ ﷛ کی برتری لازم آتی ہے، اس بیان سے تو لازم آتا ہے کہ جناب مرتضیٰ ﷛، انبیاء علیہم السلام سے بھی افضل ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ تو بداہت عقلی سے مستثنیٰ ٹھہرتی ہیں۔ کوئی غیر نبی، نبی سے افضل ہرگز نہیں ہوسکتا۔ افضل کی تو کیا بات ہے، نبی جیسا بھی کوئی نہیں ہوسکتا۔

دوسرا اعتراض یہ واقعہ ہوسکتا ہے کہ صرف علی ﷛ ہی نہیں باقی بھی تو دنیا میں مرد گذرے ہیں یہ امر واقعہ کے خلاف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اسلوب کلام بلاغیوں کی زبان میں قصر کہلاتا ہے، جسکو نحوی لوگ حصر کہتے ہیں۔ اسمیں دو اسلوب ہوتے ہیں۔ ایک کا نام قصر حقیقی واقعی ہوتا ہے اور دوسرے کا نام قصر حقیقی ادعائی ہوتا ہے۔ حقیقی واقعی کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یہ کہے کہ، اس شہر میں نہیں ہے کوئی پہلوان مگر ایک اور سچ مچ اس شہر میں سوائے ایک کے کوئی دوسرا پہلوان نہ ہو۔ اس کا نام ہے قصر حقیقی واقعی۔ یعنی جیسا کہا ویسا ہی ہے۔ یعنی سچ مچ اس شہر میں ایک ہی پہلوان ہے۔ قصر حقیقی ادعائی کی مثال یہ ہے کہ کہنے والے نے کہا، (اس شہر میں کوئی پہلوان نہیں سوائے ایک پہلوان کے) حالانکہ اس شہر میں کئی ایک اور بھی پہلوان ہیں مگر متکلم نے جو معیار ایک پہلوان کے لئے وضع کیا ہے اسپر پورا اترنے والا پہلوان ایک ہی ہے۔ یعنی اگر چہ پہلوان اور بھی ہیں مگر ہمارے معیار پر پورا اترنے والا صرف ایک ہی پہلوان ہے۔

تو داروغہ جنت رضوان فرشتے کے بیان **لا سیف الا ذو الفقار لا فتی الا علی** کا بالکل صاف اور بے عیب مطلب لیا جا سکتا ہے کہ ہمارے معیار پر پوری اترنے والی تلوار صرف ایک ہی تلوار ہے۔ یعنی علی رضی اللہ عنہ جس پر تلوار کا وار کرے وہ جان بر نہ ہو سکے اور جو اس کو مارنا چاہے اسکا کچھ بگاڑ نہ سکے، یہ شان جوانوں میں صرف علی رضی اللہ عنہ کی ہے۔ اور تلواروں میں صرف یہ ذوالفقار کی ہے۔ اس منظر کو دیکھ کر مہاجر صحابہ رضی اللہ عنہم کو اپنی بلا دستی کا احساس بھی ہوا اور انصار مدینہ کی جان میں بھی جان آ گئی۔

اب نعرہ حیدری کا مسئلہ ایک حد تک صاف ہو آیا۔ دور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں نعرہ حیدری لگایا گیا، منع نہ کیا گیا۔ اور لگانے والا آسمانی فرشتہ ہے جسکی بیگناہی مسلمات میں سے ہے۔ بنیادی طور پر یہ نعرہ آسمانی قدسیوں نے سکھایا ہے جسکو زمین والوں نے اپنا لیا تھا۔

اب سنیت جس کا نام ہے اس کا معیار دور حاضر کے مولانا صاحب نہیں ہوں گے بلکہ (ما انا علیہ الیوم واصحابی) کے تحت سنیت کا معیار حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور آپ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہوں گے۔ اب نعرہ حیدری لگنے کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے صحابہ کرام کے دور میں لگا۔

معلوم ہوا کہ نعرہ حیدری سنیت کا نعرہ ہے، ورنہ تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دور میں اس پر پابندی لگ جاتی۔ اگر پابندی نہیں لگی تو اسپر پابندی لگانا یہ سنت نہیں ہو گا بلکہ بدعت ہو گا۔ جس طرح ایصال ثواب کا روکنا ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے شرح فقہ اکبر کے اندر پہلی بدعت قرار دیا کیونکہ ایصال ثواب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصحابہ رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوتا رہا ہے۔ روکنے والے بعد میں

پیدا ہوئے۔لہٰذا پہلی بدعت ایصال سے روکنا اور پہلا بدعتی معتزلہ ہے کیونکہ سب سے پہلے ایصال ثواب سے معتزلہ نے روکا ہے۔

اسطرح نعرہ حیدری، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں متعدد مرتبہ لگا۔پہلی مرتبہ جنگ بدر میں داروغہ جنت رضوان نے لگایا جیسا کہ پہلے عرض ہو چکا ہے اور دوسری مرتبہ نعرہ حیدری داروغہ جنت رضوان نے ہی میدان احد میں لگایا (ازالۃ الخلفاء عن خلافۃ الخلفا جلد ۴، مآثرِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ مصنفہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی)

نعرہ حیدری روکنے کی وجوہات

سب سے پہلے یہ دیکھنا ہے کہ اگر نعرہ حیدری اہل سنت کے ہاں قابل اعتراض چیز تھی تو ۱۹۵۳ء سے قبل کے جتنے بھی جید و محقق علمائے کرام تھے۔انہوں نے کیوں نہ روکا؟ معلوم ہوا کہ اس عصر رواں کی کرامات میں سے ہے کہ صوفی صاحب، مولوی صاحب، سیاسی لیڈر، اور گرانٹ دلوانے والے خانہ زاد قائدین کے نعرے لگنے چاہییں مگر علی رضی اللہ عنہ کا نعرہ روکا جانا چاہیے۔اس سے بغضِ علی کی صراحت ہوتی ہے۔

من احبّ شیأً اکثر ذکرہ (جو کسی چیز سے پیار کرے گا کثرت سے اسکا ذکر کرے گا) تو لامحالہ بطورِ مفہوم مخالف کے جو بغض رکھے گا وہ ذکر روکے گا۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منافقین کے پہچاننے میں خاصی دقت پیش آتی تھی کیونکہ وہ بہت سنجیدہ قسم کے کپڑے بھی پہنتے تھے اور مسجدِ نبوی میں اپنی دینی سرگرمیاں بھی خوب دکھلاتے اور وعظ نصیحت میں بھرپور حصہ لیتے۔ظاہر داری میں عام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں بہت ترقی یافتہ مسلمان معلوم ہوتے تھے۔انکا پہچان

یہ ایک مسئلہ بن گیا تھا۔ حضرت ابو سعید ؓ خدری بڑے فقیہ، مجتہد اور افاضل صحابہ رضی
اللہ عنہم میں سے تھے، فرماتے ہیں کہ ہم نے حدیثِ مرفوع سنی ہوئی تھی۔ حضرت ام سلمہ
رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كان رسول الله (صلى الله عليه و آله وسلم) يقول لا يحب عليا منافق ولا يبغضه مؤمن (ترمذی شریف ۲۔۲۳۵)

(سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ: کوئی منافق، علی ؓ سے پیار نہیں کرتا اور کوئی مومن علی ؓ سے بغض نہیں رکھتا)

اب کوئی یہ تو کہہ نہیں سکتا کہ میں علی مرتضیٰ ؓ کا نعرہ محبت کی وجہ سے روکتا ہوں۔ اب ابو سعید خدری ؓ کا فرمان کہ ہم نے حبِ علی ؓ کو نشان مومن کے طور پر سمجھا ہوا تھا اور بغضِ علی نشان منافقت کے طور پر سمجھا ہوا تھا۔ اس لئے ہم لوگ مومن اور منافق کی تمیز کیلئے نامِ علی ؓ کا ذکر کرتے منافق کے چہرے پر منفی قسم کے آثار ظہور میں آجاتے:

ان كنا لنعرف المنافقين نحن معشر الانصار ببغضهم على ابن ابى طالب (ترمذی شریف ۲۔۲۳۵) حضرت ابو سعید خدری ؓ سے روایت ہے بے شک ہم لوگ (جو جماعتِ انصار کے لوگ تھے) منافقین کو بغضِ مرتضی ؓ سے پہچان لیا کرتے تھے۔

تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جس فارمولے کے مطابق منافقین کو پہچانا کرتے تھے وہ پہلے سنیوں کا فارمولا ہے۔ ہم بھی اسی قاعدے کے مطابق منافقین کو پہچاننے کا حق

رکھتے ہیں۔نعرہ حیدری کے روکنے سے بغض علی ؓ ثابت ہوااور بغضِ علی ثابت ہونے سے منافقت ثابت ہوئی۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی رضویہ میں حدیث نقل فرماتے ہیں: **قال صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم :من لم یعرف عترتی والانصار والعرب فهو لا حدی ثلث اما منافق واما لزنیة و اما لغیر فهو حملته وامه علی غیر طهر رواه الباوردی ۔ وابن عدی والبیهقی فی الشعب واٰخرون عن علی کرم اللہ وجهه.**

ترجمہ:(جومیری عترت اور انصار اور عرب کا حق نہ پہچانے وہ تین حال سے خالی نہیں،یا تو منافق ہے یا حرامی یا حیضی بچہ۔اسے روایت کیا ہے باوردی اور ابن عدی اور بیہقی نے شعب میں اور ان کے علاوہ دوسروں نے علی کرم اللہ وجہہ سے) فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۲۵۳)

حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بغض رکھنے والے کو خود تلاش کرنے اور فیصلہ کرنیکی ضرورت ہے کہ وہ ان تینوں اقسام میں سے کون ہے؟

کافرسازایجنسیوں کے زعماءکودعوتِ فکر

۱۔ **ستفترق اُمتی علی ثلا ث وسبعین فرقة، الناجیه منها واحده والباقون هلکی قیل: من الناجیه،قال: اهل السنة والجما عة.قیل:ما السنة والجماعة.قال: ما انا علیه الیوم واصحابی. (الملل و النحل ۱۱.۱ علامه عبد الکریم شهرستانی)**

ترجمہ:عنقریب میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ان میں سے نجات پانے والا

ایک فرقہ ہوگا۔ باقی ہلاک ہونے والے ہونگے۔ سوال کیا گیا: نجات پانے والا فرقہ کونسا ہوگا؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (وہ) اہل السنّت والجماعت ہونگے۔ سوال کیا گیا اہل السنّت والجماعت کیا ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (اہل السنّت والجماعت) وہ چیز ہے جس پر میں اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) آج کے دن ہیں۔

۲۔ عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال تفرقت الیھود علی احدی وسبعین فرقۃ او ثنتین و سبعین فرقۃ و النصاری مثل ذلک وتفترق امتی علی ثلاث وسبعین فرقۃً (ترمذی ۲۔۱۰۴)

ترجمہ: جناب ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے: رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا: یہودی اکہتر یا بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور نصرانی بھی اسی طرح (بٹ گئے تھے) اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔

۳۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

ان بنی اسرائیل تفرقت علی ثنتین و سبعین ملۃ وتفترق امتی علی ثلاثٍ وسبعین ملۃً کلھم فی النار الا ملۃ واحدۃ قالوا من ھی یا رسول اللہ قال ما انا علیہ و اصحابی (ترمذی شریف ۲۔۱۰۴)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے: بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی جو سارے کے سارے دوزخ میں جائینگے۔ سوائے ایک فرقے کے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا یارسول اللہ وہ کون ہیں؟ سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: (وہ وہ لوگ ہیں) جو اس عقیدے

اورعمل پر ہونگے جو میرا اور میرے صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔

۴۔ عن معاویة بن سفیان انه قام فینا فقال الا ان رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم) قام فینا فقال الا ان من قبلکم من اهل الکتاب افترقوا علی ثنتین وسبعین ملة وان هذه الملة ستفترق علی ثلاث و سبعین ثنتان وسبعون فی النار. و واحد فی الجنة وهی الجماعة.

ترجمہ: حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بن سفیان سے روایت ہے۔ وہ ہم میں کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا: خبردار بیشک ہم میں سرکار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا: ''خبردار بیشک جو لوگ تم سے پہلے گزرے ہیں اہل کتاب میں سے وہ بہتر فرقوں میں بٹ گئے تھے اور یہ ملت (میری اُمت) تہتر فرقوں میں بٹ جائیگی۔ بہتر دوزخ میں جائینگے اور ایک جنت میں جائے گا اور وہ جماعت ہے۔

یہ ہیں وہ بہتر فرقوں والی احادیث جسمیں صرف تہتر واں فرقہ جنتی ہو گا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ امت جو تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی اور صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا باقی بہتر دوزخ میں جائیں گے، کیا یہ امت دعوت ہے یا امت اجابت؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہے (جنہوں نے اسلام قبول کیا ہے) امت دعوت مراد نہیں ہے (یعنی وہ لوگ جن کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلام کی دعوت دی ہے یا جن کو دینی چاہیے تھی) کیونکہ اگر امت دعوت مراد لی جائے تو وہ تہتر فرقے نہیں بنتے بلکہ وہ تو کئی ہزار ہوں گے۔ لہٰذا اہل علم نے اسی پر اتفاق کیا ہے کہ اس سے مراد امت اجابت ہی ہے۔

یہاں ایک سوال ابھر کر سامنے آتا ہے کہ بہتر فرقے جو دوزخ میں جائیں گے کیا وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے یا کچھ عرصہ اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر جنت میں آجائیں گے؟ اس کا جواب اگر یہ دیا جائے کہ وہ ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے تو یہ جواب نصوص واحادیث قطعیہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ امت محمدیہ کا کوئی فرد بھی ہمیشہ دوزخ میں نہیں رہے گا اور اگر یہ جواب دیا جائے کہ وہ لوگ صرف اپنے اپنے گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد واپس جنت میں آجائیں گے تو اسمیں ان ناری فرقوں کی کیا خصوصیت ہے۔ اسمیں تو اہل السنّت والجماعت کے وہ گنہگار بھی شامل ہوں گے جو گناہوں سے توبہ کیے بغیر مر گئے اور کسی وجہ سے سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکی شفاعت نہ فرمائی اور کسی سبب سے ان پر فضل الٰہی بھی نہ ہوسکا۔

یہ ایک قدیم سوال عقائد کی کتابوں میں چلا آرہا ہے جسکا جواب شرح عقائد کے دیگر شارحین نے بھی دیا ہے اور ملا جلال الدین دوانی نے بھی ''ملا جلال'' میں دیا ہے۔ ان کے جوابات کا خلاصہ یہ ہے باقی فرقے جو ناری کہلاتے ہیں وہ اپنے عقائد باطلہ کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے اور اپنے بطلان عقائد کی وجہ سے دوزخ سے کبھی نہیں نکلیں گے مگر اہل سنت کا کوئی فرد بھی اپنے عقائد صحیحہ کی وجہ سے دوزخ میں داخل نہیں جاسکے گا۔ اگر دوزخ میں کچھ مدت کے لئے جائے گا تو صرف اپنے اعمال بد کی وجہ سے جائے گا۔ اور اپنے اعمال سیئہ کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں آجائے گا۔ اور زیادہ ممکن یہ بھی ہے کہ اسکے عقائدِ صحیحہ اور نظریاتِ راسخہ کی وجہ سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شفاعت فرمائیں تو اسکے گناہ معاف ہوجائیں۔

شفاعتی لا ھل الکبائر من امتی (میری شفاعت میری امت کے بڑے بڑے گناہ گاروں کے لئے (بھی) ہے)

اس پر اہلِ علم نے یہ سوال کیا ہے کہ اس جگہ، اس حدیث میں تو، جہنم سے بچنے کی وجہ عقیدہ صحیحہ تو قرار نہیں دیا اور نہ ہی عقیدہ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ تو آپ نے عقیدہ کا مفہوم کس طرح استنباط کیا ہے؟

اس کا جواب عرض ہے کسی پوری کی پوری جماعت کے دوزخ میں داخل ہو جانے کا یا پوری کی پوری جماعت کے دوزخ سے بچ جانے کا سبب کوئی ایسی چیز ہو سکتی ہے جو اُن سب میں یکساں طور پر مشترک ہو۔ اب ظاہر ہے کہ پوری کی پوری جماعت کے اعمال یکساں نہیں ہو سکتے بلکہ پوری کی پوری جماعت کا عقیدہ ایک جیسا ہو سکتا ہے۔ لہٰذا ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ اہل بدعت کے جماعۃً دوزخ میں جانے اور اہلِ سنت کے جماعۃً دوزخ سے بچ جانے کا سبب عقیدہ فاسدہ یا عقیدہ صحیحہ علی الترتیب المذکور ہو سکتا ہے۔

اب ایک مسئلہ زیرِ بحث لایا جاتا ہے کہ اہلِ حق تو اہل السنّت والجماعت ہیں ۔مگر کیا دوسرے فرقے جنھیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہنمی قرار دیا ہے، انھیں کافر سمجھنا چاہیے جیسے کہ جبریہ و قدریہ ہیں، روافض وخوارج ہیں، معطلہ وغیرہ ہیں۔ علمائے عقائد کا کہنا ہے کہ یہ جملہ فرقے مبتدعہ کہلائینگے، فاسق وفاجر کہلائیں گے، مستوجب جہنم ہونگے۔ مگر اس وقت تک کافر نہیں کہلائیں گے جب تک اُن کی بدعت کفر کو نہیں پہنچتی۔ یعنی جب تک ضروریاتِ دین کا انکار نہیں کریں گے یا نصوص

نہیں انکار نہیں کریں گے انکا شمار مسلمانوں کے بدعتی جہنمی فرقوں میں ہوگا مگر کافر نہیں کہلائیں گے۔

شرح عقائد ص ۱۱۵ پر ہے: تجوز الصلوة خلف کل بر و فاجر لقوله علیه السلام صلوا خلف کل بر و فاجر لان علماء الا مة كانوا يصلون خلف كل الفسقة واهل الا هواء والبدع هذا اذا لم يود الفسق او البدعة الى حد الكفر

جمہور فقہاء و متکلمین کی رائے درباره مبتدعین

ہندوستان میں جن علمائے کرام نے شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے بعد پہلے پہل عقائد پر کام کیا ان میں سے ایک مولانا فضل رسول بدایونی رحمۃ اللہ علیہ اپنی مشہور کتاب المعتقد المنتقد ص ۱۱ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

وجمهور الفقهاء والمتكلمين الى انه لا يحكم بكفر احد من المخالفين فيما ليس من الا صول المعلومة ضرورة من الدين ولكن المخالف فيها يبدع ويفسق .

جمہور فقہاء و متکلمین کا یہ مذھب ہے کہ کسی ایسے آدمی کو کافر نہ کہا جائے جو اس مسئلے میں اختلاف کرے، جو دین کی اصولی ضروریات میں سے نہ ہو لیکن ایسے مسئلہ میں اختلاف کرنے والے کو بدعتی یا فاسق کہنا چاہیے۔

شرح عقائد ۱۱۵ ص پر ہے: تجوز الصلوة خلف كل بر و فاجر لقوله علیه السلام: صلوا خلف كل بر و فاجر .لان علماء الامة كانوا

یصلون خلف الفسقة واهل الاهواء والبدع من غیر نکیر

ترجمہ؛ ہر نیک و بد کے پیچھے نماز درست ہے کیونکہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ہر اچھے اور برے (مسلمان) کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو اور اس وجہ سے کرامت کے علماء فاسقون، اہل اہواء (وہ اہل قبلہ جو اہل سنت جیسے عقائد نہیں رکھتے) اور اہل بدعت کے پیچھے بغیر انکار کے نماز پڑھ لیا کرتے تھے۔

وما نقل عن بعض السلف من المنع خلف المبتدع فمحمول على الكراهية اذ لا كلام فى كراهية الصلوة خلف الفاسق والمبتدع

جو بعض سلف صالحین کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے مبتدع (غیر سنی) کے پیچھے نماز پڑھنے سے منع کیا ہے اس سے مراد نماز کا مکروہ ہونا ہے۔ کیونکہ فاسق اور مبتدع کے پیچھے نماز مکروہ ہونے میں کوئی بحث ہی نہیں ہے۔

یہ جمہور اہل سنت کی آراء ہیں۔ بحیثیت سنی حنفی کے میں نے مبتدع کے پیچھے نماز کے عدمِ جواز پر اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا قول لکھ دیا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنی کتاب، (میزان العقائد) میں شرح عقائد کے مذکورہ جملے کی شرح میں تحریر فرمایا ہے:

حاشیہ نمبر ۴ :خلف كل بر و فاجر اشارة الى انهما سواء فى الامامة والا لاحاجة لقوله "بر" لانه تجوز الصلوة خلفه مطلقا فقط

(ملاجلال) حاشیہ

خلف کل بروفاجر،اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ دونوں امامت میں برابر ہیں ورنہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشادگرامی کی کوئی ضرورت نہ تھی "بر" کیونکہ اس کے پیچھے نماز مطلقاً وقطعاً درست ہے۔

تفسیرہ. اھل الاھواء ھم اھل القبلة الذین لا یکونوا معتقدھم معتقد اھل السنة والجماعة وھم الجبریة والقدریة والروافض والخوارج والمشبھة والمعطلة

جن اہل اہواء کے پیچھے نماز پڑھنے کو شاہ عبدالعزیز نے جائز قرار دیا ہے وہ (اہل اہواء وہ اہل قبلہ ہیں، جنکے عقائد اہل سنت والے نہیں ہیں اور وہ (جبریہ وقدریہ ہیں روافض وخوارج ہیں اور معطلہ ومشبہ) ہیں۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی کتاب "البنایہ فی شرح الہدایہ" ۱۔۳۹۲ پر رقمطراز ہیں:

اما الفاسق بالتا ویل کمن یسب السلف الصالح فعنه روایتان ،وعن احمد فیه روایتان فی جواز الاقتداء به مطلقا ،اصحھما المنع وقلنا نحن والشافعی بجواز امامته لقوله علیه الصلوة والسلام "صلوا خلف کل بر وفاجر" و لان ابن عمر وانسا و غیرھما من الصحابة رضی الله عنهم والتابعین صلّوا خلف الحجاج الجمعة و غیرھا مع انه کان افسق اھل زمانه

ترجمہ: رہی بات اس فاسق کی جو تاویل کرتا ہے،جیسا کہ وہ شخص جو سلف صالحین کو سب کرتا ہے۔(امام مالک) سے اسکے بارے میں دو روایتیں ہیں اور امام احمد سے

بھی دوروایتیں ہیں۔ایک روایت میں تو مطلقاً جواز ہے(یعنی ایسے مبتدع کے پیچھے جوسلف صالحین کوسب وشتم کرتا ہے مگرکوئی تاویل کرتا ہے، درست ہے) مگرصحیح روایت کے مطابق منع ہے(اسکے پیچھے نماز منع کی گئی ہے۔) ہم نے (احناف نے) اور امام شافعی نے اسکی امامت کو جائز قرار دیا ہے، کیونکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہراچھے اور برے کے پیچھے نماز پڑھ لیا کرو(یعنی کسی بھی درجے کے مسلمان کی اقتداء میں نماز پڑھ لیا کرو) کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما اور انس ﷺ اور دوسرے صحابہ کرام اور تابعین (رضی اللہ عنہم) نے حجاج بن یوسف کے پیچھے جمعہ اور دوسری نمازیں پڑھیں باوجودیکہ وہ اپنے زمانے کا سب سے بڑا فاسق تھا۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر علامہ بدرالدین عینی خامہ فرسا ہیں۔

وکان ابن مسعود یصلی خلف الولید بن عقبة صلوة الجمعة وسائر الصلوات وکان الولید والیا بالکوفة وکان فاسقا حتی صلی بالناس یوما وھو سکران.

ترجمہ: ابن مسعود ﷺ، ولید بن عقبہ کے پیچھے جمعہ کی نماز اور دوسری نمازیں پڑھا کرتے تھے جبکہ ولید بن عقبہ کوفے کا گورنر تھا اور فاسق تھا حتیٰ کہ اسنے لوگوں کو ایک دن نماز پڑھادی جبکہ وہ نشے میں مخمور تھا۔

علامہ بدرالدین عینی اپنی انہی توضیحات میں اسی کتاب کے ص ۳۹۳ پر تحریر فرماتے ہیں: **فأصل الجواب ان من کان من اھل قبلتنا ولم یعمل فی قوله حتی لم یحکم بکفره تجوز الصلوة خلفه**

(ان کی سوالات کا) اصل جواب یہ ہے کہ جو ہمارے اہل قبلہ میں سے ہو اور کوئی ایسی بات کرے کہ اسکے کفر کا حکم کیا جائے اسکے پیچھے نماز درست ہوگی۔

اسی صفحہ پر علامہ عینی لکھتے ہیں:

وعن ابی یوسف من اتخذ من هذه الاهواء شیئا فهو صاحب البدعة

ترجمہ (جو کوئی ان چیزوں میں سے کسی کو اختیار کرے خلق قران کا قول کرے یا رافضی ہال جو ابوبکر صدیق ﷺ کی خلافت کا انکار کرے یا مشبہ کا مذھب اختیار کرے وہ بدعتی ہوگا (کافر نہیں ہوگا)۔

اسی کتاب کے اسی صفحہ پر بدرالدین عینی تحریر فرماتے ہیں؛

وروی محمد عن ابی حنیفة و ابی یوسف ان الصلوة خلف اهل الاهواء لاتجوز

ترجمہ امام محمد نے ابوحنیفہ وابویوسف (رحمہم اللہ) سے روایت کیا، اہل اہواء (غیر اہل سنت) کے پیچھے نماز درست نہیں۔

چونکہ ہم لوگ سنی حنفی ہیں ہمارے امام صاحب (امام ابوحنیفہ ﷺ) کسی بھی بدعتی کے پیچھے نماز کو جائز قرار نہیں دیتے لہٰذا ہم کسی مبتدع کے پیچھے نہ ہی نماز پڑھتے ہیں اور نہ ہی جائز قرار دیتے ہیں باوجود اس بات کے کہ ہمارے ائمہ کسی بھی مبتدع کو کافر نہیں قرار دیتے۔

یہ جتنی بحث مبتدع (غیر سنی) کے بارے میں گزری ہے جسکے پیچھے دوسرے ائمہ دین نماز پڑھ لینے کو بھی جائز قرار دیتے ہیں اور کافر بھی قرار نہیں دیتے اور ہمارے

ائمہ اہل سنت حنفی کافر قرار نہ دینے میں تو متفق ہیں مگران کے پیچھے نماز پڑھنے کو جائز نہیں قرار دیتے، اس سارے بیان سے یہ مراد ہوگی کہ جب تک انکی بدعت درجہ کفر کو نہیں پہنچتی اس وقت تک انکے پیچھے نماز جائز ہے، (بقول غیر حنفی سنی کے) مگر جب انکی بدعت کفر کو پہنچ جائے گی تو وہ لوگ کافر بھی قرار پائینگے اور انکے پیچھے نماز بھی درست نہ ہوگی۔

شرح عقائد نسفی ص ۱۱۵ پر ہے: **ھذا اذا لم یود الفسق او البدعة الی حد الکفر، اما اذا ادی الیه فلا کلام فی عدم جواز الصلوة خلفه**

ترجمہ: یہ (مراعات؛ کفر کا حکم نہ لگانا اور انکے پیچھے نماز جائز قرار دینا) اسوقت تک ہے جسوقت تک فسق یا بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچے مگر جس وقت اس حد (کفر) تک پہنچ جائے تو پھر اسکے پیچھے نماز ناجائز ہونے میں کوئی کلام نہیں۔

مسئلہ تکفیر کے بارے میں سید شریف جرجانی (متوفی ۸۱۶ھ) شرح مواقف (بر مواقف مصنفہ قاضی عضدالدین عبدالرحمان متوفی ۷۵۶ھ) ۸۔۳۷۰ پر خامہ فرسا ہیں۔ **"الاتفاق علی انه لا یکفر احد من اھل القبلة"**

(اس پر اتفاق ہے کہ کسی بھی اہل قبلہ کو کافر نہیں کہا جائے گا)

جمھور المتکلمین و الفقھاء علی انه لا یکفر احد من اھل القبلة . فان الشیخ ابا الحسن الاشعری قال فی اول کتاب "مقالات الاسلامیین" اختلف المسلمون بعد نبیھم علیه السلام فی اشیاء ضلل بعضھم بعضاو تبرء بعضھم عن البعض فصاروا فرقا متباینین الا

ان الاسلام يجمعهم ويفهمهم فهذا مذهبه وعليه اكثر اصحا بنا.

(ترجمہ) جمہور متکلمین اور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ اہل قبلہ میں سے کسی کو کافر نہ کہا جائے۔ شیخ ابوالحسن اشعری نے اپنی کتاب (مقالات الاسلامیین) کے آغاز میں کہا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مسلمان بہت ساری اشیاء میں آپس میں مختلف ہو گئے۔ انہوں نے ایک دوسرے کو گمراہ کہا اور ایک دوسرے کو تبرا کیا۔ مختلف فرقوں میں بٹ گئے۔ مگر اسلام انہیں آپس میں اکٹھا کرتا ہے اور ہم آہنگی پیدا کرتا ہے، یہی مذہب ہے (امام ابوالحسن اشعری کا اور اکثر احناف کا بھی یہی مذھب ہے) ۔

ایک نظر سے علمائے حدیث کا جائزہ لینا بھی مناسب ہوگا۔ اگر اہل سنت کے سوا دوسرے فرقے کافر ہو جاتے ہیں تو فرقہ ہائے مبتدعہ (جبریہ و قدریہ، شیعہ خوارج، مشبہ، معطلہ) سے حدیث لینا کیسا ہوگا؟

تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ج ۱۔ص ۳۲۸، ۳۲۹ پر جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: النوع الثالث و العشرون. صفة من تقبل روايته ومن ترد وما يتعلق به . اس شخص کی صفت جسکی حدیث لی جائے اور اسکی صفت جسکی حدیث رد کی جائے، اس میں بہت سارے مسائل ہیں جسکی پہلا مسئلہ یہ ہے:

اجمع الجماهير من آئمة الحديث والفقه انه يشترط فيه ان يكون عدلا، ضا بطا بان يكون مسلما، بالغا، عاقلا، سلما من اسباب الفسق وقوارم المروئة (تدريب الراوى ۱. ۳۰۰)

حدیث و فقہ کے جمہور ائمہ نے اس بات پر اتفاق کیا کہ (قبول حدیث کے لئے) ضروری ہوگا کہ وہ عدل ہو، ضابط ہو، یعنی کہ وہ مسلمان، عاقل، بالغ ہو، اسباب فسق سے پاک ہو اور اخلاق مذمومہ سے بھی منزہ ہو۔

عدل کی تفسیر کرتے ہوئے امام سیوطی حیز تحریر میں لاتے ہیں:

بان یکون مسلما، بالغا، عاقلا فلا یقبل کافر ومجنون مطلق بالاجماع (تدریب الراوی، ۳۰۰) ۔یعنی کہ وہ (راوی) مسلمان ہو، بالغ ہو، عاقل ہو، کسی کافر کی اور مسلسل پاگل رہنے والے کی حدیث قبول نہیں کی جائے گی۔

تدریب الراوی کے ان مندرجات سے پتہ چلا کہ علم المصطلح میں کافر سے حدیث لینا ممنوع ہے۔ جسکا معنی یہ ہوگا کہ جس سے حدیث لی گئی اسکو محدثین نے کافر نہیں سمجھا۔ اگر کافر سمجھا ہوتا تو حدیث کبھی نہ لیتے۔

اب ہم محدثین کے مجموعہ ہائے احادیث سے اقتباسات پیش کریں گے جس سے یہ بات طشت از بام ہو جائے گی کہ دور حاضر کے وہ دانشور جو اپنے ذاتی جذبات کی تسکین کے لئے کہتے پھرتے ہیں (وہابی کافر، شیعہ کافر) کیا انہوں نے درسیات پورے پڑھے ہوئے ہیں؟ اگر پورے پڑھے ہوئے ہیں تو یہ سینہ زوری تو انہیں نہیں کرنی چاہئے تھی۔

امام سیوطی، تدریب الراوی شرح تقریب النواوی ۱۔۳۲۸ پر لکھتے ہیں:

اردت عن اسرد ھنا من رمی ببدعته ممن اخرج لھم البخاری ومسلم او احدھما وھم (۱) ابراھیم بن طھمان (۲) ایوب بن عائذ طائی (۳) ذر بن عبداللہ المدھی (۴) شبابه بن سوار (۵) عبدالحمید بن

عبدالرحمان،ابو یحییٰ حمانی(٦)عبدالمجید بن عبدالعزیز(٧)ابن ابی داود(٨)عثمان بن غیاث بصری(٩)عمر بن زر(١٠) عمر بن مرہ(١١)محمد بن حازم(١٢)ابو معاویہ الفریر(١٣)ورقاء بن عمر الشکری(١٤)یحییٰ بن صالح ابو حاظی(١٥)یونس بن بکیر،

سیوطی تحریر فرماتے ہیں: میں نے چاہا کہ ان لوگوں کو یہاں ترتیب دوں جنکو بدعتی کہا گیا اور مسلم و بخاری نے یا ان میں سے ایک نے ان بدعتیوں سے روایات لی ہیں۔

سیوطی نے ان پندرہ آدمیوں کے نام بطور راویان بخاری و مسلم کے لئے ہیں اور یہ پندرہ آدمی کوئی نہیں بلکہ مرجہ تھے جنہیں تہتر فرقوں میں سے ایک جہنمی فرقہ قرار دیا گیا ہے۔

اسی طریقے سے امام سیوطی نے ان راویان مسلم و بخاری کے نام لئے ہیں جو بغض علی کے مریض تھے اور ہر دوسرے آدمی کو جناب مرتضٰی ﷺ سے افضل سمجھتے تھے۔

(١)اسحٰق بن سوید العدوی،(٢) ھند بن اسد (٣) ضریر بن عثمان (٤) حصین بن نمیر ابو محصن(٥)خالد بن سلمہ الفافاء(٦) عبداللہ بن سالم الاشعری (٧) قیس بن ابی حازم۔ ھولاء رموا بالنصب ،ان آدمیوں کا نام لینے کے بعد سیوطی تحریر فرماتے ہیں کہ یہ لوگ منکرین مرتضٰی تھے۔علی مرتضٰی ﷺ سے بغض رکھتے ہوئے دوسروں کو اُن سے افضل سمجھتے تھے۔

اسی باب میں امام سیوطی لکھتے ہیں (١)اسمٰعیل بن ریان (٢) اسماعیل بن زکریا خلقانی (٣) جریر بن عبدالحمید (٤) ابان بن تغلب الکوفی (٥) خالد بن مخلد القطوانی (٦) سعید بن فیروز (٧) ابوالبختر ی (٨) سعید بن اشوع (٩) سعید بن

عقیر(۱۰)عباد بن عموریہ(۱۱)عباد بن یعقوب(۱۲)عبداللہ بن عیسٰی (۱۳) عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ(۱۴)عبدالرزاق بن ہمام(۱۵)عبدالملک بن اعین(۱۶) عبیداللہ بن موسیٰ عصبی(۱۷)عدی بن ثابت الانصاری(۱۸)علی بن الجعد(۱۹)علی بن ہاشم بن البرید(۲۰)الفضل بن دلکن(۲۱)فضیل بن مرزوق الکوفی(۲۲)فطر بن خلیفہ(۲۳)محمد بن مجادہ الکوفی(۲۴)محمد بن فضیل بن غزوان(۲۵)مالک بن اسماعیل ابوغسان(۲۶)یحیٰ بن الخراز(تدریب الراوی ا۔۳۲۸)ان چھبیس راویان بخاری ومسلم کا نام لے کر بتایا کہ یہ سب لوگ شیعہ تھے۔اسی طرح اگلے صفحہ پرامام سیوطی نے تیس راویان کے نام درج کئے جو سارے کے سارے قدریہ تھے۔

اسی باب میں امام سیوطی نے چندنام راویان بخاری کے گنوائے اور بتایا کہ یہ لوگ خارجی تھے۔ان میں سے ایک عکرمہ مولیٰ ابن عباس ہے

(۲)ولید بن کثیر ہے، یہ لوگ حروری تھے جو جناب مولامرتضٰی ﷺ کوتبرا کرتے تھے۔

اب ذرا سوچ کر بتلایئے کہ (وہابی کافر،شیعہ کافر)اور واہ واہ کے نعرے لگانے والے کٹھ پتلیاں،انکی شرعی حیثیت کیا ہوگی؟ جملہ مبتدعین سے شیخین (مسلم و بخاری) نے احادیث روایت لی ہیں۔چونکہ مسلمان کے سواسے حدیث لینا ممنوع ہے بطور قاعدہ مسطورہ کے۔اور مسلم و بخاری (رحمۃ اللہ علیہما) دونوں نے ان مبتدعین سے روایات لی ہیں۔ثابت ہوا کہ خارجی،ناصبی اورشیعہ بطور جماعت کے مبتدع ہوں گے،کافرنہیں ہوں گے ورنہ ان جماعتوں سے احادیث لینا درست نہ

اور چونکہ یہ جماعتیں کلیات مشککہ ہیں اس لئے ان میں سے جو ضروریات دین یا ادلہ قطعیہ کا منکر ہوگا وہ کافر ہوگا۔

علامہ شامی ہمارے مذہب اہل السنۃ کے نامی گرامی بزرگ ہیں۔آپ کے چند اقتباسات پیش خدمت ہیں:

مطلب فی عدم تکفير الخوارج و اهل البدع قد ذکر فی المحيط ان بعض الفقهاء لا يکفر احدا من اهل البدع و بعضهم يکفر من خالف منهم ببدعته دليلا قطعيا (ص ۲۶۲ ج ۴)

در محیط میں ذکر کیا گیا کہ بعض فقہاء کسی بھی اہل بدعت کو کافر نہیں کہتے۔بعض فقہاء ان اہل بدعت کو کافر کہتے ہیں جو اپنی بدعت کے ذریعے سے کسی دلیل قطعی کی مخالفت کرتے ہیں۔

مطلب لا عبرة بغير الفقهاء يعنی المجتهدين (شامی ص۲٦۳ ج ۲)

کذا قال فی شرح منية المصلی .ان ساب الشيخين و منکر خلافتهما ممن بناه علی شبهة له لا يکفر بخلاف من ادعی ان عليا اله وان جبريل غلط

مطلب: مجتہدین فقہاء کے بغیر دوسرے لوگوں کے فتویٰ کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا (مزید علامہ شامی اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں)

شیخین کریمین (ابوبکر صدیق وعمر فاروق رضی اللہ عنہما) کو سبّ کرنے والا اور ان دونوں کی خلافت کا منکر جو ایک شبے کی بنیاد پر (اس خلافت کا انکار کرتا ہو) اس کو کافر

نہیں کہا جائے گا۔ بخلاف اس آدمی کے جو حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو خدا سمجھتا ہو یا جبرئیل کے (سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن نازل کرنے میں غلطی کا قائل ہو۔ یعنی قرآن جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر نازل کیا جانا چاہئے تھا) وہ کافر ہو جائے گا۔

امام شامی کی تحقیقات سے پتہ چلا کہ بعض فقہائے مجتہدین تو کسی بھی مبتدع کو کافر نہیں کہتے۔ جتنے بھی فرقے اہل سنت والجماعت سے جدا ہو کر بدعتی بنے ہیں، جہنمی قرار پائے ہیں، گمراہ ہیں مگر انکی گمراہی درجہ کفر کو نہیں پہنچی۔ ایک طبقہ فقہاء نے ان مبتدعین کو بجا طور پر کافر کہا ہے جنہوں نے ادلہ شرعیہ میں سے کسی دلیل قطعی کا انکار کیا ہے۔

تکفیر اہل قبلہ کی مزید توضیح کے لئے دور حاضر کے ایک عظیم فنی دانشور کی تحقیقات پیش خدمت ہیں:

ا۔ عن ابن عمر ان النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) قال: اذا اکفر الرجل اخاہ فقد باء بھا احد ھما (مسلم حدیث ۱۲۳)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا،، جب کوئی شخص اپنے دینی بھائی کو کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے کسی ایک شخص کی طرف کفر ضرور لوٹتا ہے۔

۲۔ عن ابن عمر یقول قال رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ایما امرئ قال لاخیہ یا کافر فقد باء بھا احدھما ان کان کما قال والا رجعت الیہ مسلم حدیث ۱۲۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اپنے دینی بھائی سے کہا، اے کافر، تو کفر دونوں میں کسی ایک کی طرف ضرور لوٹے گا۔ اگر وہ شخص واقعی کافر ہو گیا تھا تو ٹھیک ہے ورنہ کفر کہنے والے کی طرف لوٹے گا۔

۳۔ عن ابی ذر انه سمع رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) لیس من رجل ادعی بغیر ابیه وهو یعلمه الا کفر ومن ادعی ما لیس له فلیس منا ولیتبوا مقعده من النار ومن دعا رجلا بالکفر او قال عدو الله ولیس کذالک الا حاد علیه (شرح مسلم ۱۔۴۸۱۔۴۸۰، علامہ غلام رسول سعیدی)

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے علم کے باوجود اپنے نسب کے خلاف کسی اور سے نسب قائم کیا، اس نے کفر کیا۔ اور جس شخص نے دوسرے کی چیز پر دعویٰ کیا وہ ہم میں سے نہیں، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے اور جس نے کسی شخص کو کافر کہا یا دشمن خدا کہکر پکارا، حالانکہ وہ ایسا نہیں ہے تو یہ کفر اسی کی طرف لوٹ کر آئے گا۔

مسلمان کو کافر کہنے کی توجیہات

علامہ یحییٰ بن شرف نووی لکھتے ہیں: بعض علماء نے اس حدیث کو مشکل احادیث میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ اس حدیث کا ظاہری معنی مراد نہیں اس لئے اہل حق کا مذہب یہ ہے کہ قتل، زنا اور اسی طرح دوسرے کبیرہ گناہوں کی وجہ سے کسی مسلمان کی تکفیر نہیں کی جاتی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہے درآں حال

کہ اسکا یہ اعتقاد نہ ہو کہ دین اسلام باطل ہے تو اسکی تکفیر نہیں کی جائیگی۔ اس وجہ سے اس حدیث کی حسب ذیل توجیہات بیان کی گئی ہیں۔؛

(۱) جو شخص جائز اور حلال سمجھ کر کسی مسلمان کو (اے کافر) کہے، وہ کافر ہو جائے گا۔

(۲) جو شخص مسلمانوں کو بکثرت کافر کہے گا، اسکی شامت سے وہ خود مآل کار کافر ہو جائیگا۔

(۳) جو شخص کسی مسلمان کو کافر کہہ رہا ہے وہ در حقیقت خود کو کافر کہہ رہا ہے۔ اسکے عقائد اسی کی مثل ہیں، وہ اسی کی طرح مسلمان ہے۔ (۴) اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جو شخص مسلمان کو کافر کہے گا اس کی تکفیر کا گناہ اسی کی طرف لوٹے گا۔

(۵) اگر کسی مسلمان شخص نے مسلمان کو بطور سب وشتم کافر کہا تو یہ گناہ کبیرہ ہے، اگر مسلمان کو اسکے اسلامی عقائد کی وجہ سے کافر کہا تو پھر یہ کفر اس کی طرف لوٹ جائیگا۔

(۶) قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ نے امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا کہ یہ حدیث خوارج پر محمول ہے جو مسلمانوں کی تکفیر کیا کرتے تھے لیکن تحقیق یہ ہے کہ باقی اہل بدعت کی طرح خوارج کی بھی تکفیر نہیں کی جاتی۔

ملا علی قاری اس بحث میں لکھتے ہیں:

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے اہل قبلہ کی تکفیر نہ کرنے پر تفصیل سے کلام کیا ہے، خواہ وہ اہل معصیت ہوں یا اہل بدعت، اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ قول اس پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو سب کرنا کفر نہیں ہے۔ چنانچہ ابو شکور سالمی نے ''تمہید'' میں اسی قول کو صحیح قرار دیا ہے کیونکہ اس تکفیر کا معنی ثابت نہیں ہے۔ مسلمان کو سب کرنا فسق ہے جیسا کے حدیث میں ہے۔ اور اس

[illegible] حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دوسرے مسلمان مساوی ہیں پس اگر یہ فرض کرلیا جائے کہ کسی شخص نے حضرت ابوبکر اور حضرت عمر (رضی اللہ عنہما) کو قتل کر دیا بلکہ حضرت عثمان وحضرت علی (رضی اللہ عنہما) کو بھی قتل کر دیا ہے، تب بھی وہ اہل سنت والجماعت کے نزدیک اسلام سے خارج نہیں ہوگا۔ اور یہ امر مسلم ہے کہ سب کرنا قتل کرنے سے کم درجے کا گناہ ہے۔ ہاں اگر کوئی شخص حلال سمجھ کر قتل یا سب کرے تو وہ لامحالہ کافر ہوگا۔ (الیٰ قولہ)۔

شرح عقائد میں ہے صحابہ کو سب کرنا اور ان پر طعن کرنا اگر ادلہ قطعیہ کے خلاف ہو تو کفر ہے جیسے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر بہتان لگانا، ورنہ بدعت اور فسق ہے۔ اس عبارت میں تصریح ہے کہ متکلمین کے نزدیک حضرت ابوبکر وحضرت عمر (رضی عنہما) کو سب کرنا کفر نہیں (شرح صحیح مسلم ۱۔۴۸۳ مصنفہ علامہ غلام رسول سعیدی)

اگر کافر ساز اداروں کے ارباب بست و کشاد جملہ مبتدعین (جبریہ و قدریہ، شیعہ وخوارج، مشبہ ومعطلہ) کو کافر کہنے پر بضد ہیں، تو ان سے سوال کیا جائے کہ سب سے پہلے جن پر شیعہ کا اطلاق ہوا ہے، وہ تو صحابہ وتابعین کرام (رضی اللہ عنہم) ہیں۔ جن میں سر عنوان حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، جابر بن عبداللہ انصاری، ابوسعید خدری اور زید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) وغیرہم کا نام بولتا ہے۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی اپنی کتاب تحفہ اثنا عشریہ کے ص ۲ پر ارقام فرماتے ہیں:

الفرقة الاولى : الشيعة الاولى و يسمون " الشيعة المخلصين" ايضا و هم عبارة عن الذين كانوا في وقت خلافة الامير

کرم اللہ و جھہ من المھاجرین و الانصار و الذین اتبعوھم با

حسان، کلھم عرفوا له حقه، و ا حلوہ من الفضل محله، و لم یتنقصوا

احدا من اخوانه اصحاب رسول اللہ (صلی اللہ علیه و آله وسلم)

ترجمہ: پہلا فرقہ، شیعہ اولیٰ ہے اور انہیں شیعہ مخلصین بھی کہا جاتا تھا۔ اس سے مراد وہ

لوگ ہیں جو جناب امیر کرم اللہ وجہہ کی خلافت کے وقت موجود تھے، مہاجرین و انصار

اور وہ جنہوں نے اچھے طریقے سے ان کی پیروی کی، سبھی (شیعان علی) نے آپ کا حق

پہچانا اور انکو انکی شان کے مطابق فضیلت دی اور آپ کے بھائیوں میں سے کسی کی

شان میں کوتاہی نہیں کی۔

اب بقول شاہ عبدالعزیز صاحب کے شیعہ اولیٰ متبعین مرتضٰی ؑ کا نام ہے

جو صحابہ و تابعین کرام (رضی اللہ عنہم) تھے۔ اور دور حاضر کے کافر ساز ادارے شیعہ کو آل

متواطی جان کر سب کو کافر قرار دے رہے ہیں، اُن کے اپنے ایمان کا کیا بنے گا؟

امام جلال الدین سیوطی، درمنثور ۸۔ ۵۸۹ ورطہ تحریر میں لاتے ہیں،

اخرج ابن عساکر عن جابر بن عبداللہ قال کنا عند النبی

فاقبل علی فقال النبی والذی نفسی بیدہ ان ھذا و شیعته لھم الفائزون

یوم القیامة ۔ اس ذات کی قسم جسکے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور اسکے

شیعہ ہی یوم قیامت میں کامیاب ہونے والے ہیں۔

جب یہ آیت نازل ہوئی: ان الذین آمنو او عملوا الصالحات

أولئک ھم خیرا لبریه : قال رسول اللہ (صلی اللہ علیه وآله وسلم)

علی ھو انت و شیعتک یوم القیامه راضین مرضیین

بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے وہی لوگ سب سے اچھی مخلوق ہیں، تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جناب مرتضیٰ ؓ سے فرمایا وہ (سب سے اچھی مخلوق) تو اے علی وہ تیرے شیعہ ہیں جو قیامت کے دن خوش ہوں گے اور خوش کئے جائیں گے۔

اب اگر امام سیوطی یہ بتائیں کہ جناب مرتضیٰ ؓ کو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان اپنے شیعہ کے کامیابی اور خوشی وخرمی کی دستاویز عطا فرمائی، تو اہل دانش کو وہ شیعہ ہوا نگے عقائد کے تلاش کرنے پڑیں گے جن پر کفر کا اطلاق ہو۔ جو شیعہ ضروریات دین کا انکار کریں گے یا ادلہ قطعیہ کا انکار کریں گے، وہ کافر ہوں گے۔ اور اس میں صرف شیعہ کی خصوصیت نہیں بلکہ امت مسلمہ میں جو بھی ضروریات دین کا انکار کرے گا وہ کافر ہوگا۔ حاصل کلام یہ کہ سوائے اہل سنت والجماعت کے اسلام کے جملہ دیگر فرقے مبتدع ہوں گے۔ کوئی بھی حق پر نہیں سمجھا جائیگا۔ مگر کافر وہ فرقہ یا شخص ہوگا جو ادلہ قطعیہ یا ضروریات دین کا منکر ہو، خواہ اہل سنت کیوں نہ کہلاتا پھرے۔

علمائے عقائد کی تحقیق کے مطابق مبتدعہ میں سب سے بڑا فرقہ خوارج کا ہے جنہوں نے اس ذات مقدس کو کافر کہا جو سب سے پہلے مسلمان تھے اور جنہوں نے اسلام کی بالادستی کیلئے سب سے پہلے تلوار چلائی تھی اور جس میدان میں تلوار لیکر گئے کبھی بھی شکست کھا کر گھر نہیں لوٹے۔

ان خوارج کے بارے میں امام کمال الدین، محمد بن

عبدالواحد سیواسی، سکندری المعروف بابن ہمام الحنفی المتوفی ۶۸۱ھ) اپنی کتاب مستطاب فتح القدیر شرح ھدایہ میں تحریر فرماتے ہیں:

وهؤلاء يسمون بالخوارج يستحلون دماء المسلمين واموالهم، يسبون نسائهم ويكفرون اصحاب رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم)، حكمهم عند جمهور الفقهاء وجمهور اهل الحديث حكم البغاة (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

ترجمہ؛ ان لوگوں کو خوارج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے یہ لوگ مسلمانوں کے خون کو مباح جانتے ہیں اور اموال کو (بھی مباح جانتے ہیں) اور مسلمانوں کی خواتین کو گرفتار کرتے ہیں۔ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو کافر کہتے ہیں ان کا حکم جمہور فقہاء اور اہل حدیث کے نزدیک باغیوں والا ہے۔

اسی ضمن میں جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کا موقف درباره خوارج بھی ملاحظہ فرمایئے

بلغنا عن علی (رضی الله عنه) انه بينما هو يخطب يوم الجمعة اذ حكمت الخوارج من نا حية المسجد، فقال علی (رضی الله عنه): كلمة حق اريدبها باطل، لن نمنعكم مساجدالله ان تذكروا فيها اسم الله ولن نمنعكم الفئ ما دامت ايديكم مع ايدينا ولن نقاتلكم حتى تقاتلونا .ثم اخذ فی خطبته (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

روز جمعہ میں جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں معلوم ہوا کہ جب آپ بروز جمعہ خطبہ دے رہے تھے کہ اچانک خوارج نے مسجد کے ایک کونے سے (بآواز بلند) کہا: ان الحکم اِلا لِلّٰہ ، جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: کلمہ حق ہے جس سے باطل مراد لی گئی ہے (نیز فرمایا) ہم تمہیں اللہ کی مساجد میں ذکر (عبادت کرنے) سے نہیں روکتے اور تمہیں مال غنیمت سے بھی نہیں روکتے جب تک تمہارے ہاتھ ہمارے ہاتھوں سے ملے ہوئے ہیں (جب تک تم ہمارے شریک کار ہو) پھر آپ نے خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔

ومعنى قوله "حكمت الخوارج" ندائهم بقولهم "الحكم لله. ان الحكم الا للّٰه" وكانوا يتكلمون بذالك اذا على فى الخطبة ليشوشوا خاطره فانهم كانوا يقصدون بذالك نسبته الٰى الكفر لرضاه بالتحكيم فى صفين ولهذا قال على (رضى الله عنه): كلمة حق اريد بها باطل (فتح القدیر ۶۔۱۰۰)

ترجمہ: قول (حکمت الخوارج) کا معنی (اپنی بات میں آواز بلند کرنا) الحکم للہ (فیصلہ کرنا صرف اللہ کا ہی حق ہے) وہ (خوارج) یہ بات کیا کرتے تھے جب کہ علی مرتضیٰ خطبہ شروع فرمایا کرتے، ان کا مقصد (دراصل) حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پریشان کرنا ہوتا تھا۔ اور یہ الفاظ بولنے سے ان کا مقصد آپ رضی اللہ عنہ کو کافر کہنا ہوتا تھا۔ بوجہ اس بات کے کہ آپ رضی اللہ عنہ صفین میں تحکیم پر راضی ہوئے تھے۔

اہل نظر سے التماس انصاف ہے

جب حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو کافر کہنے والوں کو محققین نے کافر نہیں کہا تو اور کسی کے بارے میں مبتدع کہکر کافر کہنا کہاں کا انصاف ہوگا؟ جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے خوارج کو تین طرح کی سہولتیں فراہم فرمائیں جو صرف مسلمان کو دی جاسکتی تھیں۔ ہم تمہیں اپنی عبادت گاہوں میں عبادت کرنے سے نہیں روکتے۔ مسجد کے اندر عبادت کرنے کی اجازت صرف مسلمان کو دی جاسکتی ہے۔ اور مال غنیمت میں تمہیں حصہ ملتا رہے گا جب تک تم ہمارے ساتھ جہاد میں شریک رہوگے۔ یہ سہولت بھی صرف مسلمان کو دی جاسکتی ہے اور تمہارے ساتھ لڑائی نہیں کریں گے جب تک تم خود ہم سے جنگ نہ چھیڑو۔ ان کوائف کو بروئے کار لانے سے یہ طے ہوگیا کہ بدترین مبتدع خوارج بھی جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے قول کے مطابق کافر نہیں تو پھر (وہابی کافر، شیعہ کافر) کے نعرے بے بصری یا تنگ نظری کے نتائج ہوسکتے ہیں۔ کسی علمی تحقیق کا نتیجہ نہیں ہوسکتے۔

بہت سارے لوگ اس التباس میں سرگرداں ہیں کہ جب جملہ اہل بدعت مبتدع ہیں کافر نہیں۔ جب کافر نہیں ہیں تو ان کی اقتداء میں نماز پڑھ لینے میں کیا مضائقہ ہے؟ اور اس سلسلے میں اعلیحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کارکردگی کو نشانہ تنقید بناتے ہیں کہ آپ نے مذاہب باطلہ کے ائمہ مساجد کے پیچھے اقتداء کرنے کو ممنوع لکھا ہے۔ دور حاضر کے کچھ مرنجاں مرنج کی حکمت عملی اختیار کرنے والوں نے اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے اس رویئے کو سخت گیری سے تعبیر کیا ہے اور قبول عام کی خاطر گستاخان رسول کے پیچھے نماز پڑھنے کو مباح لکھا ہے۔

نیز عصر رواں میں پیرانِ ہرجائی نے موقعہ بموقعہ اشتہار بانٹے اور برملا اعلان کئے ہمارے دروازے ہر طبقہ اور ہر فرقہ کے لئے کھلے ہوئے ہیں اور بیان کرتے ہیں کہ ہمارا مقصد اصلاح کرنا ہے۔جب تمہیں خود کو "ناظرہ القرآن" بھی نہیں آتا، تمہیں اصلاح کیا کرنی ہے؟اس ذوق کے حق [illegible] مدعین ان گندی نالیوں میں گندے پانی کی طرح بہے، اگر بروقت ان کا تعاقب نہ کیا جاتا تو شائد یو کے (برطانیہ) میں مذہبی حلقوں کا نقشہ کچھ اور ہوتا۔

میں عرض کرنا چاہوں گا کہ اعلیحضرت کا یہ موقف حق ہے کہ، ان کے پیچھے نماز نہیں پڑھنی چاہئے کیونکہ ان کے پیچھے نماز ہوتی ہی نہیں۔

اعلی حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے فتویٰ کی دو وجہ ہیں

(۱) اعلیحضرت نے مبتدعین کی عبارات کفریہ بلفظہا لکھ کر "حسام الحرمین" میں حرمین شریفین کے مفتیان کرام اور محدثین عظام سے فتاویٰ لئے جنکی روشنی میں یہ امر بالکل واضح ہے کہ ان کے پیچھے نماز نہیں ہوسکتی۔

(۲) دوسری وجہ یہ ہے؛ **وروی محمد عن ابی حنیفه و ابی یوسف رحمهما الله تعالی ان الصلوة خلف اهل الاهواء لا تجوز.** امام محمد نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ اہل اہواء کے پیچھے نماز جائز نہیں۔

چونکہ اہل سنت والجماعت کے سوا سبھی اہل بدعت واہل اھواء ہیں، لہٰذا ہوئے امام ابوحنیفہ وامام یوسف بروایت امام محمد (رحمہم اللہ) اہل اہواء واہل بدعت کے پیچھے نماز درست نہیں۔

امام طبری اور دیگر ائمہ اہل سنت پر شیعیت کے الزام کی حقیقت

اب جن حضرات کو لوگوں کو (شیعہ وہابی) بنانے کا نیا نیا شوق دامنگیر ہے، ان کے ذوق وسعت پسندی کا جائزہ لیجیے کہ ان کے خنجر بیداد کے مظلوموں میں کن کن لوگوں کا نام بولتا ہے۔ پوری امت اسلامیہ کے مسلمہ اشخاص بھی ان کے نزدیک شیعہ ہیں۔ اگر وہ شخصیات شیعہ ہیں تو یہ صغریات ہوں گے اور ان کے حلیفوں نے شیعہ کے متعلق پہلے ہی فتویٰ دیا ہوا ہے کہ (وہ کافر ہیں)۔ اب منطقی صورت یہ ہو گی وہ وہ لوگ شیعہ ہیں اور ہر شیعہ کافر ہے۔ نتیجہ یہ ہوگا وہ لوگ کافر ہیں۔ اب اگر پوری ملت نے آج تک قرآن وحدیث میں انکی قیادت کو قبول کیا ہوگا تو ملت نے کافروں کی پیروی کی ہوگی۔ ملاحظہ فرمائیے:

(۱) میزان الکتب باب اول، کتاب بست و دوئم مصنفہ مولانا محمد علی لاہوری ۱۷۔۳۰۳، ابوجعفر محمد بن جریر طبری (متوفی ۳۱۰ھ) میں تشیع تھا۔ اس امر کا ثبوت پیش کرنے کے لئے کہ وہ شیعہ تھے۔ ایک تو یہ ثبوت پیش کیا کہ انکا بھانجا شیعہ تھا جسکی قیمت کو اہل علم سمجھتے ہیں۔

اور دوسرا حوالہ جو کسی مستند کتاب کا ہوسکتا ہے وہ "البدایہ والنہایہ" کا حوالہ ہو سکتا ہے۔ اس پر منصفانہ غور کرنے سے درجہ تحقیق اور خوف خدا کا اندازہ ہوجائیگا۔

البدایہ والنہایہ ۷۔۱۴۶ مصنفہ عمادالدین ابن کثیر:

ابو جعفر محمد بن جریر الطبری. وقد کانت وفاته وقت

المغرب عشية يوم الاحد بيومين بقيا من شوال من سنة عشر وثلاثمائة وقد جاوز الثمانين بخمس سنين او ست ثما نين وفي شعر راسه ولحيته سواد كثير ودفن في داره لا ن بعض عوام الحنابل ورعاعهم منعوا من دفنه نهارا و نسبوه الى الرفض ،ولما توفي اجتمع الناس من سائر اقطار بغداد وصلوا عليه بداره ودفن بها

ترجمہ: ابوجعفر محمد بن جریر طبری کی وفات مغرب کے وقت (یعنی) اتوار کے دن، دن ڈھلے ہوئی۔ جبکہ شوال کے دو دن رہتے تھے۔ ۳۱۰ھ میں اور آپ کی عمر ۸۵ یا چھیاسی سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اور انکے سر کے اور ڈاڑھی میں کالے بالوں کی اکثریت تھی۔ اور انھیں اپنے گھر کی چار دیواری میں دفن کیا گیا۔ کیونکہ بعض حنبلی عوام اور لوگوں نے دن کے وقت انھیں دفن کرنے سے روک دیا۔ اور انھیں رافضی ہونے کی طرف منسوب کیا۔ جب انھوں نے وفات پائی تو لوگ بغداد کے باقی اطراف سے بھی اکٹھے ہوئے اور انہوں نے انکی نماز پڑھی۔ انکی حویلی میں اور انھیں وہیں دفن کیا گیا۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ امام طبری پر شیعہ ہونے کی تہمت کی اصل کیا ہے:

ودفن في داره لان بعض عوام الحنابلة ورعا عهم منعوا من دفنه نهارا ونسبوه الى الرفض ومن الجهلة من رماه بالحاد وحا شاه من ذالك كله بل كان احد ائمة الاسلام علما و عملا بكتاب الله و سنة رسوله وانما تقلدوا ذالك عن ابي بكر محمد بن داؤد الفقيه الظاهري حيث يتكلم فيه ويرميه با لعظائم و بالرفض ولما توفي اجتمع

الناس من سائر اقطار بغداد و صلوا علیه بداره ودفن بها مکث الناس یترددون الی قبره شهورا ویصلون علیه (البدایہ والنہایہ ۱۱۔ ۷۔ ۱۴۶)

ترجمہ: آپ کو اپنی حویلی میں دفن کیا گیا۔ بعض عوام حنابلہ نے جو جاہل اور سفلہ تھے انہیں دن کے وقت دفن کرنے سے روک دیا تھا۔ اور آپ کو رافضی ہونے کی تہمت دی اور بعض جاہلوں نے آپ کو ملحد ہونے کا الزام دیا تھا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سب چیزوں سے پاک رکھا۔ بلکہ وہ اللہ کی کتاب اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کو جاننے اور عمل کرنے میں ائمہ اسلام میں یکتائے روزگار تھے۔ (الزام دینے والوں نے) یہ ساری باتیں داؤد ظاہری (کے پروپیگنڈے سے) اپنالی تھیں۔ کیونکہ یہ شخص آپ کے خلاف باتیں کرتا رہتا تھا۔ اور بڑی بڑی تہمتیں اور رافضی ہونے کا الزام لگاتا رہتا تھا۔ اور جب آپ کا وصال ہوا تو بغداد کے دوسرے حصوں سے بھی لوگ بڑی تعداد میں اکٹھے ہوئے اور انکی نماز جنازہ پڑھی اور لوگ کئی ماہ تک ان کی قبر پر آتے رہے اور نماز جنازہ پڑھتے رہے۔

اب بتائیے عماد الدین ابن کثیر نے تو یہ الزامات ذکر کیے اور ان کی خوب تردید کی۔ مولوی محمد علی لاہوری صاحب نے یہ الزامات ذکر کئے اور عماد الدین ابن کثیر کی کتاب کا نظریہ ذکر نہ کر کے اپنی شان سے نہایت گرا ہوا کام کیا اور علمائے کرام کی دنیا میں ایک نہایت افسوسناک یادگار چھوڑی۔

شیعہ ساز عالم دین کی حیثیت سے مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے امام طبری کے خلاف ایک اور ثبوت بھی فراہم فرمایا ہے۔

انہ کان یقول بجواز مسح القدمین فی الوضوء وانہ کان لا یوجب غسلھما وقد اشتھر عنہ ھذا (البدایۃ والنھایۃ ص ۱۴۷ ج ۱۱)

ترجمہ: (امام طبری) وضوء میں دونوں پاؤں کے مسح کو جائز قرار دیتے تھے اور اُن پاؤں کے دھونے کو واجب نہیں سمجھتے تھے اور آپکے بارے میں یہ بات مشہور تھی)

یہ ہے مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی البدایہ والنہایہ سے نقل کردہ عبارت سے دیانت وامانت کا لہو، اگر دیانت وامانت کو بولنے کی عادت ہوتی تو شائد اتنا بڑا استغاثہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے سوا کسی کے خلاف نہ ہوتا۔

اب البدایۃ والنھایۃ کی اصلی عبارت ملاحظہ فرمایئے اور شیعہ ساز علمائے کرام کی دیانت وامانت کا فیصلہ فرمایئے:

ونسب الیہ انہ کان یقول بجواز مسح القدمین فی الوضوء وانہ لا یوجب غسلھما وقد اشتھر عنہ ھذا فمن العلماء من یزعم ان ابن جریر اثنان احدھما شیعی والیہ ینسب ذالک و ینزھون ابن جریر ھذا عن ھذہ الصفات و الذی عول علیہ کلامہ فی التفسیر عنہ یوجب غسل القدمین ویوجب مع الغسل دلکھما ولکن عبر عن ذالک بالمسح فلم یفھم کثیر من الناس مرادہ ومن فھم مرادہ نقلوا عنہ انہ یوجب الغسل والمسح وھو الدلک۔ (البدایۃ والنھایۃ ص ۱۴۷ ج ۱۱)

ترجمہ: آپ کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے کہ آپ وضوء میں پاؤں پر مسح کرنے کا حکم دیا کرتے تھے اور ان کا دھونا ضروری نہیں قرار دیا کرتے تھے اور یہ بات انکے

متعلق مشہور تھی۔ بعض علمائے کرام کا گمان ہے کہ ابن جریر دو ہیں، ان میں سے ایک شیعہ ہے اور اسی کی طرف یہ بات منسوب کی جاتی ہے۔ وہ اس ابن جریر کو ان اوصاف سے پاک قرار دیتے ہیں اور آپ کی تفسیر میں جس چیز پر ان کے کلام کا مدار سمجھا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ آپ پاؤں دھونے کو ضروری قرار دیتے ہیں اور دھونیکے ساتھ ساتھ ملنے کو بھی ضروری قرار دیتے ہیں لیکن انہوں نے ملنے کو مسح سے تعبیر کیا ہے۔ تو بہت سارے لوگ (عوام) ان کی مراد کو سمجھ نہیں سکے۔ اور جنہوں نے انکا مطلب سمجھ لیا ہے، انہوں نے ان کے متعلق بتایا کہ آپ پاؤں کے دھونے اور ملنے دونوں کو لازم قرار دیتے تھے۔

اب بتائیے عمادالدین ابن کثیر کو تو مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے امام طبری کے متعلق شیعہ ہونے کا سلطانی گواہ بنایا تھا مگر اس کے مقابلے میں عمادالدین ابن کثیر تو امام طبری کے وکیل صفائی نکلے۔ وہ تو ان تمام الزامات کی تردید کرتے ہیں جو مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے عائد کئے تھے۔

مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنی اسی کتاب میزان الکتب کے ص ۳۰۸ پر امام طبری کو شیعہ ثابت کرنیکی سعی لاحاصل کی جو ملاحظہ فرمایئے:

ولما بلغه ان ابن ابی داؤد تکلم فی حدیث غدیر خم عمل کتاب الفضائل و تکلم علی تصحیح الحدیث .قلت رأیت مجلدا من طریق الحدیث لابن جریر فاندهشت له لکثرة تلک الطرق

(تذکرۃ الحفاظ للذہبی ص ۲۰۲-۲۰۳ ج ۲)

مولوی محمد علی صاحب لاہوری کی دیانت وامانت قابل ملاحظہ ہے۔

پھر جب امام طبری کو ابن ابی داؤد کے بارے میں معلوم ہوا کہ اس نے حدیث غدیر کے بارے میں خلاف باتیں کیں تو اس (امام طبری) نے (کتاب الفضائل) لکھی اور اس نے اس حدیث کی تصحیح کے حق میں کلام کیا تو میں نے کہا؛ میں نے ابن جریر کی طرق حدیث پر ایک کتاب دیکھی تو نقش بر دیوار رہ گیا۔ امام طبری کے وفور روایت کو دیکھ کر اور ان کثیر طرق کی اطلاع پر۔

ایمانداری سے بتلایئے اسمیں کوئی شیعیت کی بو تک بھی ہے؟ امام شمس الدین ذھبی (متوفی ۷۴۸ھ) نے تو امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری کی مدح وثناء کی اور مولوی صاحب انہیں شیعہ کہنے کی تاک میں ہیں۔

اب ملاحظہ فرمایئے کہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری ان کو شیعہ ثابت کرنے کیلئے شمس الدین ذھبی کی تذکرۃ الحفاظ پیش کر رہے ہیں اور شمس الدین ذھبی کے نظریات دربارہ امام طبری ملاحظہ فرمایئے:

قال ابو بکر الخطیب : کان ابن جریر احد الائمة یحکم بقوله ویرجع الی رأیه لمعرفته وفضله وجمع من العلوم ما لم یشارکه فیه احد من اهل عصره فکان حافظا للکتاب الله وبصیرا بالمعانی فقیها فی احکام القرآن ،عالما با لسنن وطرقها وصحیحها وسقیمها ، نا سخها ومن منسوخها ،عارفا باحوال الصحابة والتابعین ، بصیرا با یام الناس وا خبارهم ،له الکتاب الکبیر المشهور فی تاریخ الا مم و له کتاب التفسیر الذی لم یصنف مثله وکتاب تهذیب الاثار لم ار مثله فی معناه لکن لم یتمه

و له فی الاصول والفروع کتب کثیرة وله اختیار من اقاویل الفقہاء و قد تفرد بمسائل حفظت عنه(تذکرۃالحفاظ للذہبی ۲-۱-۲۰۱)

ترجمہ: ابو جعفر محمد بن جریر طبری ایک ایسے اسلامی امام تھے۔ جنکے قول کے مطابق شرعی احکام جاری کیے جاتے ہیں۔ اور باقی آراء کو چھوڑ کر آپ کی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ آپکے عرفان (دین) اور (علم میں) کمال فضیلت کی وجہ سے آپ نے وہ علم جمع کیئے۔ جس میں انکے دور کا کوئی دوسرا شخص شریک نہیں۔ وہ کتاب اللہ کے حافظ تھے اور معانی میں کمال درجے کی بصیرت رکھتے تھے۔ احکام القرآن میں فقیہہ تھے علوم الحدیث کے عالم تھے اور طرق حدیث کے جاننے والے تھے، انکے صحیح و سقیم، ناسخ و منسوخ کو بھی بخوبی پہچانتے تھے۔

صحابہ و تابعین کے احوال کی بھی معرفت رکھتے تھے۔ لوگوں کی تواریخ وغیرہ کو بھی بکمال معرفت جانتے تھے اور تاریخِ اقوام میں انکی ایک بڑی ضخیم و مشہور کتاب ہے۔ اور انکی تفسیر ہے جسکی مثل تصنیف نہیں کی جاسکی۔ انکی ایک کتاب ''تہذیب الآثار'' ہے۔ اس معنے میں اسکی مثل میں نے نہیں دیکھی۔ لیکن وہ اسے مکمل نہیں کر پائے اور انکی اصول و فروع میں بہت زیادہ کتب ہیں۔ اور انکے ہاں اقوال فقہاء کے مختارات بھی ہیں اور بہت سارے مسائل میں ان کی حیثیت منفرد ہے۔ جو مجھے صرف ان سے ہی حاصل ہوئے ہیں۔

یہ تو خطیبِ بغدادی کے حوالے سے امام ذھبی کے تاثرات تھے۔ جو مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے بیانات سے قطعاً متضاد ہیں، یہ تو قطعاً غلط بیانی ہے۔ مولوی صاحب نے امانت و دیانت کے ساتھ وہی سلوک کیا ہے جو قصاب

...ے کے ساتھ کرتا ہے۔ یہ منظر دیکھ کر چنگیز کے ہاتھوں بغداد کی بربادی کا منظر یاد آتا ہے۔ اگر حق پوشی وظلم کوشی کا یہ عالم رہا تو مسلم قوم کا کیا حشر ہوگا۔

اب صرف ایک شہادت علامہ محمد حسین صاحب ذھبی مصری کی دربارۂ طبری پیش کررہا ہوں تاکہ یہ ثابت ہوجائے کہ دورحاضر تک اہل دانش وبینش امام طبری کو دنیائے علم وفضل میں تاجور سمجھتے ہیں اور عالم سنیت کا ایک علمبردار اور میرِ کارواں تسلیم کرتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری نے ''التفسیر والمفسر ون'' دوجلدوں کی کتاب لکھی ہے جسمیں انہوں نے جملہ تفسیرات پر بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے:

...مبلغه من العلم و العدالة و كان ابن جرير احد الائمة الاعلام يحكم بقوله ويرجع الى رأيه لمعرفته و فضله و كان قد جمع من العلوم مالم يشاركه فيه احد من اهل عصره فكان حافظا لكتاب الله بصيرا بالقرآن عارفا بالمعانی فقيها فی احكام القرآن عا لما با لسنن وطرقها صحيحها و سقيمها .ناسخها و منسوخها عارفا با قوال الصحابة و التابعين ومن بعدهم من المخالفين فی الاحكام و مسائل الحلال و الحرام عارفا بايام الناس و اخبارهم هذا هو ابن جرير فی نظر الخطيب البغدادی و هی شهادة عالم خبير باحوال الرجال

(التفسير والمفسرون ج ١ ص ٢٠٥)

(ترجمہ) ابن جریر (رحمۃ اللہ علیہ) ایک مشہور امام عالم اسلام تھے۔ جنکے قول کے مطابق فیصلے کئے جاتے ہیں اور انکی رائے کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ انکے علم ودانش کی وجہ سے اور (علم وفنون میں) بالادستی کے وجہ سے اور انہوں نے وہ علوم یکجا کر لئے تھے کہ

جسمیں کوئی بھی انکا ہمسر اور ہم پلہ نہ تھا۔وہ کتاب اللہ کے حافظ تھے،معانی قرآن میں بصیرت رکھتے تھے اور اس مضمون میں انہیں مہارتِ تامہ حاصل تھی اور احکام القرآن کے ایک مکمل قانون دان تھے۔احادیث کے مکمل عالم تھے اور طرقِ حدیث کے بھی دانائے راز تھے،اُسکے صحیح وسقیم،ناسخ ومنسوخ کو بھی خوب جانتے تھے۔صحابہ رضی اللہ عنہم وتابعین اور انکے بعد کے لوگوں کے اقوال بھی جانتے تھے۔اور احکام میں اختلاف مذاہب کو بھی بخوبی جانتے تھے۔اور مسائلِ حلال وحرام کو بھی خوب جانتے تھے۔لوگوں کے ایام واخبار تاریخہائے زندگی بھی جانتے تھے۔

یہ ہیں ابن جریر،خطیب بغدادی کی نظروں میں ''**وھی شھادة عالم خبیر باحوال الرجال**'' یہ احوال رجال سے باخبر عالم کی شہادت ہے۔

ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری لکھتے ہیں:

قد اعتبر الطبری ابا للتفسیر کما اعتبر ابا للتاریخ الاسلامی

(ترجمہ)امام طبری تفسیر کے بانی تسلیم کئے گئے جیسا کہ وہ تاریخ اسلامی کے بانی مانے گئے(التفسیر والمفسرون ج ا ص ۲۰۶)

یہی ڈاکٹر محمد حسین صاحب ذھبی مصری اسی کتاب کے صفحہ ۲۰۷ پر تحریر فرماتے ہیں: **یعتبر تفسیر ابن جریر من اقوم التفاسیر و اشھرھا کما یعتبر المرجع الاول عند المفسرین الذین عنوا بالتفسیر النقلی۔**

(ترجمہ) ''تفسیر ابن جریر'' ایک نہایت مضبوط اور مشہور تفسیر ہے جیسا کہ وہ پہلا مرجع اور مصدر تسلیم ہوئی ان مفسرین کے ہاں جنہوں نے تفسیر بالماثور کیطرف دھیان دیا۔

ان توضیحات سے غالباً کھل کر یہ بات سامنے آگئی ہوگی کہ جن علمائے عصر کو

شیعہ سازی کا شوق دامنگیر ہے انکے پاس ثبوت جعل سازی ہے۔ سوائے تحریف و تضعیف روایات کے دلیل سازی کا کوئی دوسرا مصدر انکے پاس نہیں ہے۔

یہ تو ایک نمونہ تھا شیعہ سازی کا جسکے دلائل تارِ عنکبوت سے زیادہ ناتواں ہے لیکن اس پر بس نہیں مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے اپنے حلیفوں کو کافر سازی کیلئے اور بھی بہت سارا خام مال مہیا کیا ہے اور کافر سازاداروں کو ذہنی طور پر خوش حال کیا ہے اور ایسے ایسے قدسی صفات لوگوں کو شیعہ کہا ہے جنہوں نے سنیت کی یادگاری خدمات انجام دی ہیں۔ اب ان لوگوں کی فہرست حسب ذیل ہے جن کو بلا وجہ مولوی محمد علی صاحب لاہوری نے شیعہ قرار دیا ہے۔ انکی گردِ راہ کو بھی پہنچنا مولوی صاحب موصوف کے لیے ممکن نہیں۔

(۱) عبدالکریم شہرستانی۔ صاحبِ الملل والنحل

(۲) حافظ ابو نعیم۔ صاحبِ حلیۃ الاولیاء، دلائل نبوت۔

(۳) سید علی ہمدانی قادری (م ۷۸۶ھ) چوٹی کے محدث ہیں جنہوں نے پہلی بار کشمیر میں علم حدیث کی نشر واشاعت کی اور (ذخیرہ الملوک) امر بالمعروف ونہی عن المنکر پر کتاب لکھی۔ اسکے آغاز میں خلفائے راشدین کے اسمائے گرامی انکے مع القاب سے لئے جو سنیت کی پوری عکاسی کرتے ہیں۔

(۴) امام احمد بن شعیب نسائی کو بھی مولوی صاحب نے شیعہ کہا جنکی کتاب کتب صحاح ستہ میں ایک معتبر کتاب ہے۔

(۵) امام عبدالرزاق، صاحب مصنف (دس مجلدات) کو بھی شیعہ کہا جو کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے استاد ہیں اور امام بخاری کے دادا استاد ہیں۔ اور بخاری

شریف میں اس سلسلہ اسناد کی کثیر روایات موجود ہیں۔

(۶) ملا نورالدین عبدالرحمان جامی رحمۃ اللہ علیہ کو بھی شیعہ کہا ہے جو کہ مذھباً سنی اور سلسلہ طریقت نقشبندیہ میں خواجہ عبیداللہ احرار رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں۔

یہ چند نمونے مولوی صاحب کی تنگ نظری کی یادگار کے طور پر پیش کئے ہیں اور انکے شیعہ ہونیکا ثبوت مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے پاس وہی کچھ ہے جو انہوں نے امام طبری رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں پیش کئے۔ سوائے اختراع وافتراء کے مولوی صاحب کے پاس ان بزرگان مذکورہ بالا کے بارے میں اور کوئی ثبوت نہیں مگر ان لوگوں کی خوب خدمت کرڈالی ہے جو جملہ شیعہ کو کافر قرار دیتے ہیں۔ اگر بقول مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے یہ جملہ حضرات شیعہ ہیں اور ان کے حلیفوں کے فتویٰ کے مطابق ہر شیعہ کافر ہوکر یہ جملہ حضرات کافر قرار پائینگے اور پیچھے (تدریب الراوی) مصنفہ امام سیوطی (متوفی ۹۱۱ھ) میں سے یہ بحث گزر چکی ہے کہ کافر سے نقل حدیث منع ہے۔ اسطرح تو کتب صحاح میں بھی ایک بڑا ذخیرہ ممنوعات کا بن جائے گا۔ اس عقیدے نے تو اہل سنت کے بنیادی ڈھانچے کو بکھیر کر رکھ دیا ہے، دوست کے نام سے وہ دشمنی کی جاچکی جسکی دنیا میں مثال نہیں ملتی۔

گلہ جفائے وفا نما کہ حرم کو اہل حرم سے ہے
کسی بتکدے میں بیاں کروں تو کہے صنم بھی ہری ہری

جہاں جہاں بزرگان دین مذکورہ کو شیعہ ہونے کی تہمت دی گئی اور بعد میں آنے والے اہل علم نے اسکی تردید کرکے ان الزامات کا ازالہ کیا، مولوی صاحب موصوف

الزامات کا ذکر تو کر دیا مگر تردیدی مواد کو چھوڑ دیا جو سراسر خیانت کی قسم کا کام ہے۔
صرف الزام دے دینا کافی نہیں ہوتا، ثابت کرنا بھی ضروری ہے۔ جھوٹے
الزامات بڑے بڑے بزرگوں کو دیئے گئے مگر اس سے ان بزرگوں کی حیثیت متاثر نہیں
ہوتی۔ مثلاً امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو "کل مجتهد مصيب" ہر مجتہد حق پر ہوتا ہے، کے
قول کا قائل قرار دے کر معتزلی کہا گیا۔ (نورالانوار ص ۲۵۱ مصنفہ ملا جیون انیٹھوی)
حالانکہ آپ کی ذات والا صفات اس جھوٹے الزام سے قطعی طور پر بری ہے
کیا اس قول باطل کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو معتزلی قرار دیا جائے گا؟

"غنیة الطالبین" میں الحاقات

اسی طرح بعض لوگوں نے "غنية الطالبين" مصنفہ حضرت سید
عبدالقادر جیلانی غوث اعظم محبوب سبحانی علیہ الرحمۃ میں الحاقات کر کے حضرت امام
اعظم رضی اللہ عنہ کو قدری قرار دیا ہے جو کہ ایک جہنمی فرقہ ہے۔

واما ما وقع فی الغنية للشيخ عبدالقادر الجيلانی عند ذكر فرق غير الناجية حيث قال ومنهم القدرية وذكر اصنافا منهم ثم قال منهم الحنفية وهم اصحاب ابی حنيفة نعمان بن ثابت . (شرح فقہ اکبر مصنفہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ ص ۵۹)

رہا سرکار بغداد رحمۃ اللہ علیہ کی "غنية" میں فرقہ ہائے غیر ناجیہ کے بارے میں واقعہ
ہونا جہاں آپ نے فرمایا ہے ان میں قدریہ ہیں اور آپ نے انکی (قدریہ کی) کئی اقسام
بیان کیں پھر فرمایا ان میں سے حنفیہ ہیں اور وہ نعمان بن ثابت کے پیروکار ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے فتاویٰ حدیثیہ میں بیان کیا ہے کہ غنیۃ میں بیشمار الحاقات ہوئے اسلئے اسکے حوالہ جات کو استعمال نہیں کرنا چاہئے۔اسکی پوری شرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کی بحث میں جلد دوئم میں لائی جائے گی۔

امام شافعی پر شیعہ ہونے کا الزام

اسی طرح حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کو شیعہ ہونیکا الزام دیا گیا۔یہ خوارج کی پرانی عادت ہے کہ محبت اہل بیت کے خلاف شیعہ ہونیکی دہشت پھیلاتے رہے ہیں تاکہ لوگ ڈر کے مارے محبت اہل بیت کا تصور بھی نہ کرسکیں اور اس تہمت کے خوف کے پردے میں خارجیت پرورش پاتی ہے مگر

دیکھنے والے بھی قیامت کی نظر رکھتے ہیں

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ خود اس الزام کی وضاحت فرماتے ہیں اور رافضیت، شیعیت اور سنیت میں حد فاصل قائم فرماتے ہیں۔

اِذا نَحنُ فَضّلنا عَلیًّا فَاِنَنا

رَوَافِض بِالتَفضِیل عِندَ ذَوی الجھل

ترجمہ: جب ہم حضرت علی کی فضیلت بیان کریں تو ہم جاہلوں کے نزدیک رافضی ہیں

وفضلَ ابی بکر اذا ما ذکرتہ

رمیت بنصب عند ذکری للفضل

ترجمہ: جب میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بیان کروں تو بیان فضیلت کے وقت مجھے ناصبی ہونے کی تہمت دی جاتی ہے۔

فـلا زِلت ذا رفض و نصب کلاهما

بـحُبّهـمـا حتی اوسـد فی الرمل

ترجمہ: میں ہمیشہ رافضی یا ناصبی کے الزام سے گزرتا رہوں گا اور یہ دونوں باتیں (حضرت علی مرتضیٰ ؓ اور ابوبکر صدیق ؓ کی) محبت کی وجہ سے قبر میں رکھے جانے تک میرے ساتھ رہیں گی۔

حضرت امام شافعی، رافضی و ناصبی ہونے کی تہمت کا برملا اظہار فرماتے ہیں اور اپنی ثابت قدمی کا بھی اعلان فرماتے ہیں۔ یعنی نہ ہی میں نے فضیلت و محبت علی سے باز آنا ہے اور نہ ہی جناب ابوبکر صدیق ؓ کی محبت و فضیلت سے باز آنا ہے جس کا نتیجہ ہمیشہ ہی یہ ہوگا کہ ناصبی مجھے شیعہ کہتا رہے گا اور شیعہ مجھے ناصبی کہتا رہے گا۔ نہ ہی میں نے شیعہ سے متاثر ہو کر جناب ابوبکر صدیق ؓ کی شان اور فضیلت میں فرق لانا ہے اور نہ ہی ناصبی سے متاثر ہو کر مولا مرتضیٰ ؓ کی محبت و فضیلت میں فرق لانا ہے۔ موت تک شیعہ اور ناصبی ہونے کا الزام میرے ساتھ رہے گا۔ جناب امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ، محبت اہل بیت میں ڈوبے ہوئے پائے جا کر رافضیت کے الزام میں مبتلا ہیں۔

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا

اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلمان ہوں میں

اب ملاحظہ فرمایئے کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جوابی اقدامات کیسے فرماتے ہیں:

یعنی بحیثیت ایک سنی پیشوا کے اپنے مذہب کی وضاحت کرتا ہوں کہ نہ ہی میں مولا مرتضیٰ ؓ کی محبت اور فضیلت کو چھپا سکتا ہوں نہ ہی ابوبکر صدیق ؓ کی محبت و فضیلت

کو چھپا سکتا ہوں۔کوئی مجھے رافضی یا ناصبی کہے مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں۔امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں مجھے نواصب نے رافضی ہونے کی تہمت دی تو میں نے جواباً کہا:

قالوا "ترفضت" قلت "کلا"

ما الرفض دینی ولا اعتقادی

(ترجمہ)انہوں (نواصب) نے مجھے کہا تو رافضی ہو گیا ہے، میں نے کہا ہرگز نہیں، رافضی ہونا نہ ہی میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔

لکن تولیت غیر شک

خیر امام و خیر هادی

ترجمہ: لیکن یقیناً میں نے سب سے اچھے امام اور سب سے اچھے راہنما سے (والہانہ) محبت کی ہے۔

ان کان حب الولی رفضا

فاننی ارفض العباد

ترجمہ: اگر ولی (جناب سید الاولیاء مولا مرتضٰی ﷺ) کی محبت رفض کہلاتی ہے تو میں سب سے بڑا رافضی ہوں۔

حضرت امام شافعی مزید فرماتے ہیں:

یا راکبا قف بالمحصب من منی

واحتف بساکن خیفها والنّاهض

ترجمہ: اے شہسوار منیٰ کے بطن محصب میں ٹھہر جا اور دامن کوہ (مسجد خیف) میں

ٹھہرنے والے اور سحری کے وقت روانہ ہونے والے کو بباںگ دہل بتادے۔

سحرا اذا فاض الحجیج الی منی

فیضا کملتطم الفرات الفائض

ترجمہ۔ جب حاجی لوگ منیٰ کی طرف اس طرح ابل کے آجائیں جس طرح موجزن دریائے فرات ابل کرآتا ہے۔

ان کان رفضا حب آل محمد

فلیشهد الثقلان انی رافض

ترجمہ۔ اگر آلِ محمد کی محبت برابر ہے رافضی ہونے کے تو جن وانسان گواہ رہیں، میں رافضی ہوں۔

یہاں دیکھیں کہ اکابرائمہ پر تہمتیں لگیں اور انہوں نے خود ان کا ذکر کیا تو کیا اس سے ان پر تہمت ثابت ہوگئی یا تہمت کا رد ہوگیا؟ اب یہ جاننا چاہیے کہ نظریاتی دہشت گردوں کی مستقل جماعت جو اندرون پاکستان بھی ہے اور بیرون پاکستان بھی ہے ان میں سے کچھ لوگوں کا کام لوگوں کو ''شیعہ و وہابی'' بنانا ہے اور دوسرے افراد کا کام شیعہ و وہابیہ کو کافر قرار دینا ہے۔ بلالحاظ ان کے اختلاف عقائد کے، جبکہ سب شیعہ کا عقیدہ بھی ایک جیسا نہیں اور سب وہابیہ کا عقیدہ بھی ایک جیسا نہیں ۔ اس پر مسلمانوں کے مختلف دھڑوں میں جا بجا لڑائیاں ہو رہی ہیں اور کشت وخون تک کی بات قتل رہی ہے مگر یہ نظریاتی دہشت گردجوں کے توں بیگناہ ہیں۔

افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

مذکورہ بالا مسائل کے علاوہ ان نظریاتی دہشت گردوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو موضوع گفتگو بنا رکھا ہے اور اس موضوع کی آڑ میں ذاتی اغراض کا شکار کھیل رہے ہیں۔ سب سے پہلے تو مطلقاً فضیلت پر گفتگو کرتے ہیں۔

فضائل کی بنیادی طور پر دو قسمیں مانی جاتی ہیں۔ ایک فضیلت فضل اختصاصی سے ملتی ہے اور دوسری فضیلت فضل جزائی سے ملتی ہے جس کا ذریعہ عمل ہوتا ہے۔ فضل اختصاصی سے ملنے والی فضیلت میں رب کی شان کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اسکا معنیٰ ہوتا ہے کہ رب نے کس کو کتنی فضیلت دی ہے، اسکا انحصار اللہ تعالیٰ کے فضل پر ہوتا ہے:

وَاللّٰهُ يَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِهٖ مَنۡ يَشَآءُ ‌ؕ وَاللّٰهُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ (البقرۃ۔۱۰۵)

ترجمہ:۔ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت سے مخصوص فرمالیتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے۔

یعنی بندے کے استحقاق یا عمل کو کوئی دخل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ بلا استحقاق اپنے فضل سے کسی کو فضیلت دینے کا فیصلہ کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کو بغیر کسی عمل کے اور بلا لحاظ دوسرے اوصاف کمال کے برتری عطا فرما کر جمیع کمالات ظاہریہ و باطنیہ سے مالا مال فرما دیا اور یکتائی و بے ہمتائی کی دولت سے سرفراز فرما کر سیادتِ کائنات کا تاج سر پر سجا دیا۔ حضرت آدمؑ کی تخلیق کے وقت

والوں سے گفتگو ہوئی۔ ملائکہ نے انتہائی ادب سے عرض کیا کہ تو اس کو خلیفہ بنانے لگا ہے جو زمین میں فساد کرے گا اور خونریزی کرے گا اور اس کے مقابلے میں ہم تیری تسبیح و تہلیل و تحمید کرتے ہیں۔ اللہ کریم نے ان کی عبادت و حسن عمل کا انکار نہیں فرمایا اور نسل آدم سے جو لوگ آنے والے تھے، ان کے فساد عمل کا بھی انکار نہ فرمایا اور جنہوں نے کروڑہا برس اللہ تعالیٰ کی بندگی کی ہوئی تھی اور اس کے احکام بجالائے ہوئے تھے، ان کو نظر انداز کیا اور خلافت الٰہیہ کا تاج اس کے سر پر مزین کر دیا جس نے ابھی تک کچھ بھی نہیں کیا ہوا تھا اور انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام افضل الخلائق ہیں۔ مگر انہیں کسب کے ذریعے سے نہیں بلکہ فضل کے ذریعے منصب نبوت عطا فرمایا۔ منصب نبوت میں عمل اور کسب کو کوئی دخل نہیں۔ بلکہ قاضی عیاض مالکی کی کتاب ''الشفا'' ص۵۸۲ اور امام خفاجی رحمۃ اللہ علیہ کی ''نسیم الریاض'' ج۶ ص۳۵۷ میں ہے کہ نبوت کو کسبی ماننا از قسم کفریات ہے یعنی جو شخص نبوت بذریعہ عمل تسلیم کرے وہ کافر ہے، اور نبوت میں تدریج کا عقیدہ بھی کفریہ ہے یعنی پہلے ولی بنے، پھر مجدد بنے، پھر مہدی بنے اور آخر میں چل کر نبی بنے، یہ عقیدہ کفریہ ہے یعنی نبوت من کل الوجوہ فضل الٰہی ہے۔ اسی طرح اُمت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کو بہترین امت کہا گیا ہے۔

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ (آل عمران۔۱۱۰)

یہ کہنا ممکن نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کے اعمال دیکھ کر انہیں بہترین امت قرار دیا۔ بلکہ اپنے فضل سے اس امت کو یہ مرتبہ مرحمت فرمایا۔ علیٰ ھذا القیاس

بہت ساری مثالیں دی جاسکتی ہیں جن سے یہ ثابت کیا جاسکے کہ عمل تو کسی اور کا اچھا ہو مگر افضلیت کسی اور کو بفضل الٰہی مل جائے۔

اور دوسری قسم فضیلت کی فضلِ جزائی سے تعلق رکھتی ہے جسمیں اجر وجزا بقدرِ کسب واخلاص دیا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

☆ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَاعِدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا (النساء۔۹۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کو بیٹھنے والوں پر اجر عظیم سے فضیلت دی ہے۔

☆ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لا يَعْلَمُونَ) (سورۃ الزمر۔9)

ترجمہ: کیا وہ لوگ جو جانتے ہیں اور وہ لوگ جو نہیں جانتے برابر ہو سکتے ہیں۔

☆ لَا يَسْتَوِي مِنكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ (الحدید۔۱۰)

ترجمہ: تم سے کوئی انکے برابر نہیں ہوسکتا جنہوں نے فتح مکہ سے قبل مال خرچ کیا اور لڑائی کی یہ فضل جزائی کی مثالیں ہیں۔

مسئلہ افضلیت

مسئلہ افضلیت، ایک ایسا مسئلہ ہے جسکا نہ ہی تو کوئی قطعی ثبوت ہے اور نہ ہی یہ ضروریات دین میں سے ہے لہٰذا اس پر زیادہ لے دے کرنے کی کوئی ضرورت نہیں اور نہ ہی بحث وتمحیص میں پڑنے کی حاجت ہے۔ علامہ ابن عبدالبر اندلسی اپنی کتاب الاستذکار ۱۴۔۲۳۸ میں رقمطراز ہیں:

واما التعيين فيهم و تفضيل بعضهم على بعض، فهذا لا يصح في نظر ولا اعتبار ولا يحيط بذالک الا الواحد القهار المطلع على

النیات الحافظ للاعمال الا من جاء فیه اثر صحیح بانه فی الجنة جاز ان یقال فیه ذلک اتباعا للاثر لانه' افضل من الذین شارکوہ فی مثل فضله ذالک ومن فضله رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) بخصلة وشهد له بها جاز ان یفضل بها فی نفسه لا علی غیرہ .

(ہر) ایک گراں میں تعین کرنا، اور بعض کو بعض پر افضلیت دینا، یہ نظر و اعتبار میں صحیح نہیں، اسکو سوائے واحد و قہار کے کوئی بھی احاطہ نہیں کر سکتا۔ (وہی جو) نیتوں سے آگاہ ہے، اعمال کا محافظ ہے، سوائے اسکے جس کے حق میں کوئی صحیح حدیث آئی ہوئی ہو کہ "وہ جنتی ہے" اس کے حق میں یہ کہنا حق ہے بوجہ حدیث کی پیروی کرنے کے، نیز یہ کہ وہ افضل ہے بہ نسبت ان لوگوں کے جو اس کے اس طرح کی فضیلت میں شریک ہیں، جسکو رسول اللہ نے کسی ایک صفت میں فضیلت دیدی اور اسکے حق میں اس (فضیلت) کی شہادت دیدی، جائز ہے کہ اسکو اسمیں صاحب فضیلت کہا جائے مگر دوسرے پر اسکو فضیلت نہ دی جائے۔

اس سے پتہ چلا کہ عالم اسلام میں یہ نظام رائج تھا کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ کے جتنے بھی فیضیاب لوگ تھے سب کو اصحاب فضیلت مانا جاتا تھا، وہ فضیلت انہیں تسلیم ہوتی تھی مگر دوسروں سے اس فضیلت کی نفی نہیں کی جاتی تھی اور نہ ہی اس فضیلت کے ذریعے سے اسکی دوسروں پر برتری ثابت کی جاتی تھی۔ جنکو جنتی کہا گیا انہیں جنتی سمجھا جانا چاہیے اور جنہیں علم، شجاعت و سخاوت، ہنر کے اوصاف سے نوازا گیا انہیں ان اوصاف کا حامل ماننا چاہیئے اور ان اوصاف کے ذریعے سے دوسروں پر ان کی برتری ثابت کرنا ہمارے اسلاف کے طریقہ کار کے خلاف ہے۔

علامہ ابن عبد البر اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) کتاب الاستذکار ۱۴/۲۳۹ حدیث ۱۸۶
کے تحت فرماتے ہیں:

لم یأت انه من وجه صحیح تجد الحجة بمثله، انه قال: فلان افضل من فلان اذا کان من اهل السوابق والفضائل وذالک من ادبه ومحاسن اخلاقه لئلا یومی للمفضول بغیبته ویحطه فی نفسه فیخرجه ویخزیه ولم یکن ذالک ایضا من دینه۔

ترجمہ؛۔ کسی بھی طریقہ صحیحہ سے، ہم تک یہ بات نہیں پہنچی جس سے حجت شرعیہ ثابت ہو کہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: فلاں فلاں سے افضل ہے جبکہ وہ دونوں سابقین اولین میں سے تھے اور اصحاب فضائل میں سے تھے اور یہ بات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن آداب اور فضائل اخلاق میں سے تھی تاکہ مفضول کی غیر حاضری میں اسکی طرف (تنقیدی) اشارے نہ کیے جائیں اور وہ اپنے آپ کو خود ہی نہ گرادے اور (اسطرح اسکو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) (اپنی صفوں سے) نکال نہ دیں اور رسوا نہ کردیں اور یہ بات بھی آپ کے دین کا حصہ نہیں تھی۔

اسی فقرے میں اختتام پر علامہ موصوف فرماتے ہیں:

لما لم یفعل، علمنا عن قول القائل فلان افضل من فلان، باطل ولیس بدین و شریعة۔ ترجمہ؛ چونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسا نہیں کیا (''یعنی فلاں فلاں سے افضل ہے''، نہیں فرمایا) تو ہمیں پتہ چل گیا کہ یہ کہنے والے کا ''فلاں فلاں سے افضل ہے ' قول' قولِ باطل ہے، نہ ہی یہ دین ہے اور نہ ہی یہ شریعت۔

حقیقت حال در بارہ افضلیت ایک حد تک واضح ہوآئی۔

کیا مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے ہے؟

اسی صفحہ پر علامہ موصوف اس سوال کا جواب تحریر فرماتے ہیں:

لقد اجمع علماء المسلمین ان الله تعالی لا یسأل عباده یوم الحساب من افضل عبادی ""ولا هل فلان افضل من فلان" ولا ذا لک مما یسأل عنه احد فی القبر ولکن رسول ا الله (صلی الله علیه وآله وسلم) قد مدح خصالا وحمد اوصافا من اهتدی الیها حاز الفضائل .

(ترجمہ) علماء اسلام نے اس پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اپنے بندوں سے سوال نہیں کرے گا "میرے بندوں میں سب سے افضل کون ہے، اور نہ ہی یہ سوال ہوگا" کیا فلاں فلاں سے افضل ہے اور نہ ہی یہ ان چیزوں میں سے ہے جنکے بارے میں قبر میں سوال ہوگا۔ لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت ساری عادات (صفات) کی تعریف فرمائی ہے (انہیں) سراہا ہے، جو انکی طرف راہ یاب ہو جائے گا وہ فضائل حاصل کرلے گا۔

علامہ ابن عبدالبر الاستذکار ۱۴/۲۴۰، حدیث ۲۰۱۹۲ کے تحت فرماتے ہیں:

روی سحنون عن ابن القاسم من کتاب الدیات من "المدوّنة" قال سمعت مالکا وسئل عن علی و عثمان ، فقال ما ادرکت احدا اقتدی به فی دین ، یفضل احدهما علی صاحبه .

(ترجمہ) سحنون نے ابن قاسم سے "مدوّنہ" کی کتاب الدیات سے روایت کیا

ہے۔انہوں نے کہا: میں نے امام مالک کو سنا جبکہ ان سے علی ﷺ اور عثمان ﷺ کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا: میں نے کسی بھی ایسے آدمی کو جسکی دین میں پیروی کی گئی ہو نہیں دیکھا کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت دیتا ہو۔

اسی صفحہ پر علامہ موصوف عبداللہ بن وھب سے روایت نقل کرتے ہیں:

قال: سمعت مالكا يقول : لا افضل احدا من العشرة ولا غيرهم على صاحبه و كان يقول : هذا من علم الله الذى لا يعلمه غيره.

ترجمہ: میں نے امام مالک (رحمۃ اللہ علیہ) کو یہ کہتے سنا: میں عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت نہیں دیتا اور نہ ہی کسی دوسرے کو کسی دوسرے پر فضیلت دیتا ہوں۔فرمایا کرتے تھے یہ اللہ تعالی کے اس علم میں سے ہے جسکو (اسکی عطا کے بغیر) کوئی دوسرا نہیں جانتا۔

اسی صفحہ پر امام مالک ﷺ کا فرمان درج ہے:

قال مالک ادرکت شیوخنا بالمدینة وهذا رأيهم

(ترجمہ): میں نے مدینہ طیبہ میں اپنے شیوخ دیکھے یہی انکا عقیدہ تھا۔

اسی صفحہ پر علامہ موصوف، امام مالک کا قول نقل کرتے ہیں:

قول مالک هذا يدل على انه لم يصح عنده حديث نافع عن ابن عمر : كنا نفاضل على عهد رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) ، فيقول ابو بكر ، ثم عمر ثم عثمان ثم يسكت فلا يفضل احدا وكان افهم الناس لنافع و اعلمهم بحديثه و كان نافع عنده احد الذين

یقتدی بهم فی دینه فلو کان هذا الحدیث عنده صحیح عن نافع عن ابن عمر ماقال قوله هذا

(ترجمہ) امام مالک کا یہ قول اسپر دلالت کرتا ہے۔(یہ بتاتا ہے) کہ انکے نزدیک نافع کی عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ روایت صحیح نہیں:۔ہم حضور علیہ السلام کے مبارک عہد میں افضلیت دیا کرتے تھے، وہ کہا کرتے ''ابو بکر، پھر عمر، پھر عثمان'' (رضی اللہ عنہم) پھر چپ کر جایا کرتے تھے اور کسی کو فضیلت نہیں دیا کرتے تھے حالانکہ وہ نافع ؓ کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے اور انکی حدیث کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور نافع ؓ انکے نزدیک ان لوگوں میں سے تھے جنکی دین میں پیروی کی جایا کرتی تھی۔اگر یہ حدیث انکے نزدیک نافع ؓ سے صحیح ہوتی اور وہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے صحیح ہوتی تو امام مالک ؓ یہ جملہ کبھی نہ بولتے۔

امام مالک ؓ نے برملا طور پر کہا ہے کہ میں نے ایسے بزرگوں میں سے کسی بھی شخص کو نہیں پایا جو ایک دوسرے پر افضلیت دیتا ہو۔چونکہ امام مالک ؓ بھی مدینہ طیبہ کے رہنے والے تھے اور نافع ؓ بھی وہیں کے رہنے والے تھے۔اور ایک دن میں درجنوں مرتبہ ملاقات کے اتفاقات ہوسکتے تھے۔پانچوں اوقات کی نماز میں تو ان دونوں بزرگوں کی ملاقات ایک دن میں پانچ مرتبہ تو ناگزیر تھی۔

اندریں حالات امام مالک ؓ کو اس حدیث کی اطلاع نہ ہونا اور امام بخاری کو اطلاع ہوجانا کسی طرح بھی قرینِ قیاس نہیں۔جبکہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ بخارا کے رہنے والے ہوں اور ادوار بھی مختلف ہوں، وہ یہ حدیث معلوم کرلیں اور امام مالک ؓ کو معلوم نہ ہو؟

اب ذرا غور فرمائیے کہ اگر سنی ہونیکے لئے حضرت ابو بکر صدیق کی افضلیت کا اقرار ضروری ہوتا تو امام مالک رضی اللہ عنہ تو سنی نہ ہوئے حالانکہ وہ سنیت کی جان ہیں۔ درآں حال کہ وہ عشرہ مبشرہ میں سے کسی کی بھی افضلیت کا عقیدہ نہیں رکھتے، خواہ ابو بکر صدیق ہوں یا علی مرتضیٰ (رضی اللہ عنہما) ہوں، وہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ والی حدیث کو جو آئندہ موضوعِ گفتگو بننے والی ہے، درخورِ اعتناء نہیں سمجھتے۔

کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۱، حدیث نمبر ۲۰۱۹۵ علامہ ابن عبدالبر زیرِ تحریر میں لاتے ہیں:

وھو حدیث شاذہ لا یعضدہ شیٔ من الاصول و کل حدیث لا اصل لہ لا حجۃ فیہ وقد مالت العامۃ بجھلھا الیہ وھم مجمعون علی خلافہ بحیث لا یعلمون وقد نقضوہ مع قولھم بہ لانھم لا یختلفون فی ان علیا فی التفضیل رابع الاربعۃ

(ترجمہ) یہ حدیث شاذ ہے۔ اصول میں سے کوئی بھی اسکی تائید نہیں کرتی۔ جس حدیث کی کوئی اصل بھی تائید نہ کرے۔ اسمیں کوئی دلیل تسلیم نہیں ہوتی۔ جاہل لوگ بوجہ اپنی جہالت کے اسکی طرف مائل ہو چکے ہیں اور انہوں نے (جہلاء نے) غیر شعوری طور پر اسکے خلاف اجماع کر لیا ہے اور اسکو ماننے کے باوجود اسکی خلاف ورزی کر لی ہے۔ کیونکہ وہ اسمیں کوئی اختلاف نہیں رکھتے کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ افضلیت میں چوتھے نمبر پر ہیں۔

علامہ ابن عبدالبر مالکی اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) مذہب مالکی کا ترجمان ہونے کی حیثیت سے اس حدیث کی فنی حیثیت پر گفتگو فرماتے ہیں۔ یہ حدیث (فنی طور پر) شاذ ہے کیونکہ علم حدیث کی بنیادی کتب میں سے کوئی بھی اسکی حمایت نہیں

کرتا ہے یعنی وہ راوی روایت حدیث میں متفرد ہوتا ہے اور اس عمل سے راوی کی اپنے سے اوثق راویوں سے مخالفت لازم آتی ہے جس کی وجہ سے حدیث شاذ ہو جاتی ہے۔ اور ثقہ کی اوثق سے مخالفت، روایت کے عدم قبول کی وجہ ہے۔

علامہ ابن عبدالبر کا کہنا ہے کہ عوام اپنی جہالت کی وجہ سے اس حدیث کے قول رسول کی طرف مائل ہوئے ہیں۔ جبکہ اس حدیث کو سند مان لیا تھا تو اسکی مخالفت نہ کرتے مگر انہوں نے افضلیت میں جنابِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر رکھ کر اس حدیث کی مخالفت کی ہے۔ حالانکہ اس حدیث نے تو ترتیب وار تین خلفائے راشدین کو افضل مانا ہے، چوتھے کے بارے میں سکوت اور توقف اختیار کیا ہے چاہیے یہ تھا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو چوتھے نمبر پر نہ رکھتے۔ انہوں نے ایسا کر کے حدیث کی مخالفت کی ہے۔

حدیث شاذ کی تحقیق

وذکر الحاکم ابو عبدالله الحافظ ان الشاذ هو الحدیث الذی ینفرد به ثقة من الثقات ولیس له اصل بمتابع لذالک

[illegible] مقدمہ ابن صلاح ص ۳۶ از ابن صلاح (متوفی ۶۴۲ھ)

(ترجمہ) امام حاکم ابو عبداللہ حافظ نیشاپوری رحمۃ اللہ علیہ نے بتایا کہ شاذ وہ حدیث ہوتی ہے جس میں کوئی ثقہ راوی اکیلا ہو، اور کوئی اصل بھی اس ثقہ کی حمایت میں نہ ہو۔

اب بقول علامہ ابن عبدالبر یہ "حدیث شاذ" ہے۔ مزید توضیح کے بعد دیکھتے ہیں کہ حدیث شاذ قابلِ احتجاج ہے کہ نہیں؟

مقدمہ ابن صلاح صفحہ نمبر ۳۶ پر درج ہے:

الذی علیه حفاظ الحدیث ان الشاذ ما لیس له الا اسناد واحد یشذ بذالک شیخ ثقة کان اوغیر ثقة فما کان من غیر ثقة فمتروک لا یقبل وما کان من ثقة یتوقف فیه ولا یحتج به ۔

ترجمہ: جو حفاظ الحدیث کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ شاذ وہ حدیث ہے کہ جسکی سند صرف ایک ہے، جسکو کوئی شیخ روایت کرے خواہ وہ ثقہ ہو یا غیر ثقہ جو ایسی حدیث غیر ثقہ سے مروی ہو وہ متروک ہوگی جو قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو (حدیث شاذ) ثقہ سے مروی ہو، وہ متوقف فیہ ہوگی اور اسکو قابل احتجاج نہیں سمجھا جائے گا۔

سو ابن عبدالبر کا دعویٰ ثابت ہو گیا کیونکہ اسکی سند ایک ہی ہے اور کوئی اسکی متابع نہیں اور چونکہ عبداللہ بن عمرؓ ثقہ راوی ہیں، لہٰذا اس حدیث میں توقف کیا جائے گا اسکو دلیل نہیں سمجھا جائے گا۔

مقدمہ ابن صلاح کے اسی صفحہ پر امام شافعیؒ کی فنی رائے منقول ہے:

انما الشاذ ان یروی الثقة حدیثا یخالف ما رواه الناس

ترجمہ: شاذ حدیث صرف وہ ہے جسے کوئی ثقہ راوی روایت کرے اور دوسرے لوگوں کی روایت کے خلاف ہو۔

چونکہ اس حدیث کو صرف حضرت نافع نے روایت کیا ہے اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے جمیع شیوخ مدینہ کا توقف بتایا ہے اور عشرہ مبشرہ میں بھی کسی کی افضلیت کا دعویٰ نہیں کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت نافع اس حدیث کو روایت کرنے میں خود بھی متفرد ہیں اور انکے مروی عنہ بھی متفرد ہیں جو کہ شیوخ مدینہ کی کثرت رائے کے

حنبلی میں تفرد ہے اس وجہ سے حدیث قابل احتجاج نہیں ٹھہرے گی۔

کتاب الاستذکار کے ص ۲۴۱ علامہ ابن عبدالبر ۲۰۱۹۶ کے تحت تحریر فرماتے ہیں:

فی حدیثهم عن ابن عمر انهم لا يفضلون احدا بعد عثمان وانهم يسكتون بعد الثلاثة عن تفضيل احد فقد نقضوا ما ابرموا والله المستعان عن جهل عامة هذا الزمان .

ترجمہ: ان کی حدیث ابن عمرؓ میں یہ بات ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے بعد کسی کو فضیلت نہیں دیتے اور یہ کہ وہ لوگ تین کے بعد کسی کو کسی پر افضلیت نہیں دیتے۔ تو جو انہوں نے اٹل فیصلہ کیا تھا وہ توڑ دیا ہے اللہ تعالیٰ اس زمانے کے عوام کی جہالت سے بچائے۔

وذكر زبير بن بكار قال حدثنا اسماعيل بن ابي اويس عن مالك بن انس : ليس من امر الناس الذين مضوا التفضيل بين الناس (کتاب الاستذکار ۱۴-۲۴۱ تصنیف ابن عبدالبر حدیث ۲۰۱۹۹)

ترجمہ: امام مالک فرماتے ہیں کہ ہم سے پہلے جو لوگ گزرے ہیں ان لوگوں کے درمیان تفضیل کا نظام نہیں تھا (ایک دوسرے پر افضلیت نہیں دیا کرتے تھے) یعنی دوسری صدی کے دوسرے نصف حصے تک تفضیل کے بارے میں توقف تھا اس کے بعد لوگوں کی زبانیں کھلنے لگیں۔

علامہ ابن عبدالبر، کتاب الاستذکار کے ۱۴-۲۴۲ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں؛

وقد عورض حديث ابن عمر هذا بحديث عبدالله بن مسعود.

ورواه شعبة عن ابن اسحاق عن عبد الرحمان بن يزيدعن علقمه عن

عبداللہ قال کنا نتحدث ان افضل اھل المدینۃ علی ابن ابی طالب

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی اس حدیث سے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ والی حدیث کا تعارض لازم آگیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ ہم لوگ کہا کرتے تھے کہ حضرت علی بن ابی طالبؓ اہل مدینہ سے افضل ہیں۔

(فضائلِ صحابہ جلد۲ص ۶۴۹ تصنیف امام احمد بن حنبل، مسند بزار ج۵ص ۵۵، مجمع الزوائد ج۹ص ۱۰۵میں بھی یہ حدیث اسی طرح موجود ہے)

حضرت عبداللہ بن عمرؓ والی حدیث کا تعارض حدیث ابن مسعودؓ سے بایں معنی ہے کہ خلفائے راشدین کا مسکن مدینہ طیبہ ہے۔ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جملہ صحابہ کرام کا مجموعی عمل یہی بتاتے ہیں کہ یہ لوگ جناب مولا مرتضیٰؓ کو سب سے افضل جانتے تھے۔ اور یہاں لفظ افضل استعمال فرمایا ہے جو کہ صیغہ اسم تفضیل ہے اور اسم تفضیل کے استعمال کے بارے میں ملا نورالدین عبدالرحمان جامی شرح جامی ص ۲۸۸ پر تحریر فرماتے ہیں:

یستعمل ای اسم التفضیل علی ثلاثۃ اوجہ وھی بالاضافۃ او من او اللام. یعنی اسم تفضیل کا استعمال تین طریقوں میں سے کسی ایک طریقے سے ہوتا ہے۔ اور وہ استعمال (۱) اضافت کے ساتھ ہوتا ہے (۲) من کے ساتھ (۳) الف، لام تعریف کے ساتھ، اس میں ہمارا مقصود صرف اضافت کے ساتھ استعمال کرنا ہے۔

شرح جامی ص ۲۸۹ پر ارقام فرماتے ہیں:

فاذا اضیف ای اسم التفضیل فلہ معنیان . احدھما وھو

ان تقصد به الزيادة اى احدهما زيادة المقصود به على من اضيف اليه اى على ما اضيف اسم تفضيل اليه ـ

جس وقت اسم تفضیل کو مضاف کریں تو اس کے دو معنی ہوتے ہیں۔ ان میں ایک معنی (وہ اکثر ہوتے ہیں) یہ ہیں کہ اس کے ذریعے سے زیادتی مراد لی جائے یعنی اس اسم تفضیل کے موصوف کی (اس صفت میں زیادتی) مضاف الیہ پر مراد لی جائے یعنی اسم تفضیل کو کسی اسم کی طرف مضاف کرنے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ مضاف الیہ کی اس صفت میں پوری طرح شریک ہے۔ یعنی اس صفت کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اسم تفضیل کا موصوف شریک نہ ہو۔ وہ تمام تر محاسن مضاف الیہ میں پائے جاتے ہیں۔ اس صفت کے حوالے سے ان میں مضاف پوری طرح شریک ہوگا۔ مگر اسم تفضیل کے موصوف میں جو جو اضافہ اور جو برتری پائی جائے گی اس میں مضاف الیہ کا کوئی فرد شریک نہیں ہوگا۔

اب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول کا معنیٰ یہ ہوگا کہ جملہ اہل مدینہ میں جو خوبیاں پائی جاتی ہیں ان میں حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پوری طرح شریک ہوں مگر ان میں کوئی بھی حسن و فضل ایسا نہیں جس میں مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شریک نہ ہوں مگر اہل مدینہ میں کوئی بھی ایسا آدمی نہیں ہوگا جو حضرت حیدر کرار رضی اللہ عنہ کے اس فضل میں شریک ہو جو وہ بمقابلہ جملہ اہل مدینہ کے رکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسعود کا یہ قول بظاہر قولِ صحابی ہو کر حدیث موقوف کہلائے گا مگر اس قول میں قیاس صحابی کو دخل نہیں ہے لہٰذا حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ کیونکہ یہ امر اعتقادی ہے اور جملہ عقائد سماعی و توقیفی ہیں لہٰذا یہ سمجھا جائے گا کہ حضرت عبداللہ

بن مسعودؓ نے ضرور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنا ہوگا ورنہ یہ جملہ کبھی نہ بولتے اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو متعدد وجوہ سے جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما پر ترجیح حاصل ہے۔

عبداللہ بن مسعودؓ کا مقام ومرتبہ

ابن مسعود اولین سابقین میں سے تھے۔علامہ ولی الدین تبریزیؒ "اکمال فی اسماء الرجال" میں ص ۶۰۵ پر لکھتے ہیں:

کان اسلامہ قدیما فی اول الاسلام قبل دخول النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) دار الارقم قبل عمر بزمان وقیل سادسا فی الاسلام ثم ضمہ الیہ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) وکان من خواصہ وکان صاحب سر رسول اللہ(صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) و سواکہ و نعلیہ و طہورہ فی السفر و ھاجر الی الحبشہ و شھد بدرا ثم بعدھا من مشاھد و شھد لہ رسول اللہ با لجنۃ .

ترجمہ: اوائل اسلام میں ان کا اسلام بہت پرانا تھا قبل اسکے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دار ارقم میں داخل ہوں۔کہا گیا ہے کہ آپ چھٹے مسلمان تھے پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنے ساتھ وابستہ فرمالیا اور وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خواص میں سے ہو گئے۔سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بھیدی صحابی تھے۔سفروں میں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مسواک، نعلین اور پانی والا لوٹا لئے رہتے تھے۔(اورسب سے بڑھ کر) حبشہ کی طرف ہجرت فرمائی۔اور بدر کی جنگ میں شریک ہوئے اور اسکے بعد کی جنگوں میں شریک

ہے اور سرکار علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انہیں جنتی ہونے کی خوشخبری بھی سنائی۔

آپ ﷺ کا بڑا طرہ امتیاز یہ بھی ہے کہ سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا:

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد وسخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد . ترجمہ: میں نے اپنی امت کے لیے وہ چیز پسند کرلی ہے جو ابن اُم عبد (عبداللہ بن مسعود ﷺ) نے پسند کی ہے اور میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز ناپسند کی ہے جو ابنِ اُمِ عبد (عبداللہ بن مسعود) نے اسکے لئے (میری امت کے لئے) ناپسند کی ہے۔

سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قانون سازی میں بھی انہیں ایک عظیم مقام دیا۔ امت کے حق میں انکی پسندیدا ایک مثبت قانون ہے۔ اور انکی ناپسندیدا امت کے حق میں ایک شرعی ممانعت کا درجہ رکھتی ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ جناب عبداللہ ابن مسعود ﷺ کا جناب مولا مرتضیٰ ﷺ کے بارے افضلیت کا عقیدہ ایک شرعی مبنیٰ ہے جسکو جناب عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کے مقابلے میں ایک ترجیحی حیثیت حاصل ہے۔ اور عبداللہ بن مسعود ﷺ کوفہ میں قاضی بھی رہے ہیں۔ اور بیت المال کے انچارج بھی رہے ہیں اور اسی طرح جنابِ عثمان غنی ﷺ کے اوائلِ خلافت میں کئی ایسے اہم عہدوں پر بھی رہے ہیں۔

کتاب الاستذکار ۱۴/۲۴۲ تصنیف علامہ ابن عبدالبر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

قد عارضوا حديث ابن عمر ايضا بقول حذيفة : عن حذيفة ، قال لقد علم المحفوظون من اصحاب محمد (صلی الله عليه و آله وسلم) ان ابن مسعود اقربهم عندالله وسيلة يوم القيامة.

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے فرمایا: اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محفوظ لوگوں کا عقیدہ ہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قیامت کے میدان میں اللہ کی بارگاہ میں سب سے قریبی ذریعہ نجات ہیں یعنی بارگاہ خداوندی میں قیامت کے دن (نجات کا) سب سے قریبی وسیلہ جانتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے تمام شاگرد جناب عبداللہ بن مسعود کو انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد سب سے افضل جانتے تھے۔ امام شمس الدین ذہبی لکھتے ہیں:

کان تلامذتہ لایفضلون علیہ احداً من الصحابۃ (تذکرۃ الحفاظ، ج ا ص ۱۷)۔ ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے سارے شاگرد کسی بھی صحابی کو آپ سے افضل نہیں سمجھتے تھے)

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مجتہد اور فقہاء صحابہ کے نزدیک یہ امر مسلم تھا کہ حضرت عبداللہ بن مسعود خدا کی بارگاہ میں (بعد از سرکار عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) مغفرت کا سب سے قریب وسیلہ تھے۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ کہنا کہ وہ سب سے زیادہ قریبی وسیلہ تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے کی شہادت ہے اور یہ امر جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے قول کنا نفاضل کے خلاف ہے۔ علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں:

کل من رد حدیث جابر بن عبداللہ الانصاری و ابی سعید خدری "کنا نبیع امہات الاولاد علی عہد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" ولم یقبلہ لزمہ ان یرد قول ابن عمر "کنا نفاضل علی عہد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)" ولا یقبلہ بل قول ابن عمر اولی بالرد

لانه لا اصل له ولبيع امهات الاولاد حظر من اهل السنة المجتمع عليها

ترجمہ: (علامہ ابن عبدالبر کہتے ہیں) جو شخص حضرت جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ اور ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی اس حدیث کو رد کرے ''ہم امہات الاولاد کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں بیچا کرتے تھے'' اور وہ اسے قبول نہ کرے اسکے لئے ضروری ہے کہ وہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کو رد کرے ''ہم حضور علیہ السّلام کے دور پاک میں افضلیت دیا کرتے تھے'' اور اسکا فرض ہے کہ وہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہ کو قبول نہ کرے بلکہ ابن عمر رضی اللہ عنہ کے قول کا رد اولیٰ ہے کیونکہ اس کی کوئی اصل نہیں اور اجماع اہل سنت کے مطابق امہات الاولاد کی بیع ممنوع ہے۔

یعنی اگرچہ قول ابن عمر رضی اللہ عنہما ثابت ہے مگر اصل نہ ملنے کی وجہ سے شاذ ہے جیسا کہ 'مقدمہ ابن صلاح' کے حوالہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ حدیث شاذ قابل احتجاج نہیں ہوتی۔

نیز ان سے زیادہ فقیہہ اور مجتہد صحابی کے حوالہ جات انکے خلاف پیش کیے جا چکے ہیں تو جسطرح ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ اور جابر بن عبداللہ انصاری رضی اللہ عنہ جیسے فقیہہ اور مجتہد صحابہ کی احادیث اجماع اہل سنت کے برعکس ہونے کی وجہ سے متروک اور ناقابل عمل قرار پائی ہیں اسطرح سے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث شاذ اور بے اصل ہونیکی وجہ سے اور ان سے زیادہ فقاہت و اجتہاد رکھنے والے صحابہ کی احادیث کے مقابلے میں اولیٰ بالرد قرار پائے گی۔

نیز مالک بن انس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ليس من امر الناس الذين مضوا ان يفاضلوا بين الناس (الاستذكار ج ۴ ص ۲۴۳)

ترجمہ: جولوگ پہلے گزر چکے ہیں ان کا یہ کام نہیں تھا کہ لوگوں کے درمیان درجات متعین کریں (افضلیت کا تعین کریں)

چونکہ فضائل ان کمالات کا نام ہے جو کسی میں پائے جاتے ہیں اور وہ عنداللہ کی رتبے پر فائز ہوتے ہیں اور اسکا براہ راست علم خدا اور اسکے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ہوتا ہے اسلئے انہیں کوئی تیسرا نہیں جانتا سوائے اس کے کہ اس کے متعلق رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بتا دیں۔ لہٰذا یہ عوامی فیصلہ نہیں تھا جس کو عوام کی رائے پر چھوڑا جائے یعنی اسمیں سابقین مسلمین کا مذہب ''توقف'' تھا۔

مزید برآں، اسی کتاب کے اسی صفحہ پر ہے:

سمعت مصعب بن عبداللہ الولیدی، یقول: لم یکن احد من مشائخنا الذین ادرکنا ببلدنا، یفضل بین احد من العشرۃ لا مالک ولا غیرہ

. ترجمہ: مصعب بن عبداللہ الولیدی کا کہنا ہے جن مشائخ کو ہم نے اپنے شہر (مدینہ طیبہ) میں پایا ان میں کوئی بھی ایسا نہیں تھا جو عشرہ مبشرہ میں سے کسی ایک کو دوسرے پر افضلیت دے نہ ہی امام مالک رحمۃ اللہ علیہ ایسا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دوسرا ایسا کرتا تھا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ صحابہ کرام اور عشرہ مبشرہ (رضی اللہ عنہم) تک میں امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا سکوت اور توقف تھا۔ بحیثیت خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہونے کے جناب شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کی تقدیم کا قول بصیغہ تمریض ہے، جو کتاب الاستذکار ج ۱۴ ص ۲۴۴ پر مذکور ہے: **وقد روی عن مالک تقدیم شیخین ابی بکر وعمر رضی اللہ عنہما من روایات ابن القاسم وغیرہ۔**

اور خلفائے اربعہ کی ترتیب خلافت کے مطابق خدمات خلافت میں تقدیم و

چیز تسلیم ہوگی جسکی تفصیلات بعد میں آنے والے باب میں ذکر ہونے والی ہیں۔
افضلیت کے بارے میں خواہ خلفاء یا غیر خلفاء کے حق میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا انتہائی مشکل ہوگا کیونکہ جملہ احادیث کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ایسی حالت میں فکرو دانش کو جان کے لالے پڑے ہوں گے اسی ضمن میں جناب امام حسن ﷺ کی ایک اور روایت، کتاب الاستذکار نے ۱۴۔۲۴۵ پر نقل کی ہے۔آپ ﷺ فرماتے ہیں؛

خرج رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) مع اصحابه الی بقیع الغرقد فقال علیه السلام " السلام علیکم یا اهل القبور لو تعلمون ما نجّکم الله منه ما هو کائن بعدکم " ثم اقبل علی اصحابه فقال: هؤلاء خیر منکم ، قالو یا رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) اخواننا اسلمنا کما اسلموا وهاجروا کما هاجرنا وجاهدوا کما جاهدنا ومضوا علی آجالهم وبقینا فی آجالنا ، فی ما تجعلهم خیرا منا ؟ فقال ان هو لاء خرجوا من الدنیا ولم یأ کلوا من اجورهم شیئا وانا علیهم شهید "اوقال : فانا الشهید علیهم وانکم قد اکلتم من اجورکم ولا ادری ما تحدثون بعدی " ۔

ترجمہ۔حسن ﷺ فرماتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے صحابہ کے ہمراہ بقیع شریف میں گئے۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: تم پر سلام ہو قبروں والو! کاش تمہیں معلوم ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کس چیز سے نجات بخشی جو تمہارے بعد ہونے والی ہے۔پھر سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کیطرف متوجہ ہوئے اور فرمایا یہ لوگ تم سے بہتر ہیں۔صحابہ کرام نے عرض کیا، یہ لوگ ہمارے بھائی ہیں ہم بھی اسی

طرح ایمان لائے جیسے وہ لائے تھے اور انہوں نے بھی اسی طرح ہجرت کی جیسے ہم نے کی اور انہوں نے بھی اسی طرح جہاد کیا جس طرح ہم نے کیا۔ وہ اپنی اپنی موتوں کے مطابق چل بسے، ہم اپنی موتوں کے انتظار میں بچ گئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں کس وجہ سے ہم سے بہتر قرار دے رہے ہیں تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ لوگ دنیا چھوڑ گئے اور انہوں نے اپنا اجر حاصل نہیں کیا اور میں انکا گواہ ہوں'' یا فرمایا میں ان پر گواہ ہوں اور تم نے اپنا اپنا اجر حاصل کیا اور میں (تُک تخمینے سے یا ذاتی طور پر) نہیں جانتا کہ تم میرے بعد کیا نئی چیزیں پیدا کر دو گے۔

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ صحابہ کا ایک طبقہ یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سب سے افضل تھے جو سرکار ابد قرار کے عہد سعادت مہد میں انتقال کر گئے۔ اسمیں خلفائے کرام یا دیگر عشرہ مبشرہ کی کوئی ہتک نہیں کیونکہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد صریح کی موجودگی میں کسی کو مجال دم زدن نہیں۔

اس مقدمہ کے مشتملات سے صاف ظاہر ہے کہ مسئلہ افضلیت نہ ہی تو ضروریات دین میں سے ہے اور نہ ہی اسمیں پوری امت کا عقیدہ یکساں طور پر پایا جاتا ہے، بلکہ اسکے مصادر ثبوت بھی جا بجا سقیم وضعیف ہیں اور اکابرین امت کے عقائد بھی اسمیں مختلف ہیں جیسا کہ آنے والے باب میں اسکی پوری توضیحات مع شواہد ومصادر پیش کی جائیں گی، انشاء اللہ تعالیٰ۔

افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سنیت کا معیار قرار دینا سراسر غلط ہوگا کیونکہ ہمارے مانے ہوئے بزرگ اسکے پابند نہیں نکلیں گے۔ اگرچہ لوگوں نے دور حاضر میں اسکو سنیت کا معیار قرار دینے کی ناکام کوشش کی ہے۔ خود صحابہ کرام، تابعین اور ائمہ

رہیں جب اسکے پابند نہیں نکلیں گے تو اسکو سنیت کا معیار قرار دینے کا کیا امکان باقی رہ جائے گا؟ یہ بحث عنقریب آجانے والی ہے، انشاءاللہ تعالیٰ۔

مسئلہ افضلیت میں اختلاف مذاہب

فقیر کے نزدیک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت بحیثیت خلیفہ راشد کے برحق ہے اور اس حیثیت سے آپ افضل الامت ہیں۔ اگرچہ اُمت کے اکابر سے لیکر اصاغر تک کا اس میں اختلاف ہے مگر فقیر کا مذہب وہی ہے جو عرض کر دیا ہے۔ اب اس سلسلے میں امت کے ائمہ عقائد وفقہاء کے مواقف اور ان کے دلائل پیش کیے جاتے ہیں:

☆ کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جملہ اہل بیت واُمت سے من کل الوجوہ افضل ہیں؟

فتاویٰ عزیزیہ، فارسی ص ۱۸۱، اردو ص ۲۱۲ میں شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی تحریر فرماتے ہیں:

سوال﴾ اہل سنت کے نزدیک ثابت ہے کہ تفضیل شیخین پر اجماع ہے تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ پر شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل ہر وجہ سے ثابت ہے کہ نہیں؟ (بلفظہ)

جواب﴾ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کی تفضیل حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر ہر وجہ سے نہیں ہے (فضیلت مطلقہ ثابت نہیں) بلکہ علمائے محققین نے لکھا ہے کہ حضرات شیخین میں کسی سے ایک صاحب کی تفضیل دوسرے پر ہر وجہ سے ثابت ہونا محال ہے اس واسطے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جہاد سیفی وسنانی میں فن قضاء وکثرت روایت حدیث میں اور

ہاشمیت اور حنفیت میں اور علی الخصوص اس وجہ سے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ زوجیت کی قرابت ہے، افضل ہیں۔

ان وجوہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی تفضیل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ پر قطعی طور پر ثابت ہے اور ایسا ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فضیلت عمر فاروق رضی اللہ عنہ پر بھی قطعی طور پر ان امور میں ثابت ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پہلے حضرت علی کرم اللہ وجہہ ایمان لے آئے اور ایسے ہی پہلے نماز بھی پڑھی۔

مراد اس امر سے حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے یہ ہے کہ حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو صرف ان امور میں فضیلت ہے (۱) سیاست امت (۲) حفظ دین (۳) سد باب فتنہ (۴) ترویج احکام شرعیہ (۵) ممالک میں اشاعت اسلام (۶) اقامت حدود و تعزیرات۔

یہ ایسے امور ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مانند انجام دینے میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر فضیلت ہے اور ایسے ہی مقاصد خلافت کبریٰ کے ہیں۔ اور اسی وجہ سے صحابہ کا اجماع ہوا کہ خلافت کبریٰ کے مقاصد میں حضرات شیخین رضی اللہ عنہما مقدم ہیں بلکہ صواعق محرقہ و دیگر کتب معتبرہ میں مذکور ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

سألت اللہ ان یقدمک یا علی و یابی اللہ الا تقدیم ابی بکر (بلفظہ)

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی نے اپنے فتویٰ کے ذریعے سے اپنی رائے کا اظہار فرمایا کہ حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کا تقدم مسئلہ خلافت میں پایا جاتا

ہے کیونکہ انعقاد خلافت کے وقت استحقاق خلافت موضوع گفتگو تھا۔ اب اگر صحابہ کرام کا اجماع ہوا ہے تو صحت خلافت پر ہوا ہے کیونکہ موضوع بحث استحقاق خلافت ہونے پر اجماع ہو تو وہ صحت خلافت پر ہوسکتا ہے اگر موضوع گفتگو افضلیت ہو تو اجماع افضلیت پر ہوتا چونکہ افضلیت موضوع بحث ہی نہیں تھی لہٰذا اجماع افضلیت پر نہیں ہوا۔

شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلوی کے فتویٰ سے یہ ثابت ہوا کہ شیخین کریمین کو صرف امور خلافت میں تقدم حاصل ہے۔ افضلیت مطلقہ کا عقیدہ سنیت کے خلاف ہے اور اجماع صحابہ رضی اللہ عنہم کے بھی خلاف ہے، آپ کو بھی اسی پر اجماع کرنا ناگزیر ہوگا جس پر صحابہ کا اجماع ہوا۔

درحقیقت افضلیت کے کسی پہلو پر بھی صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع ہوا ہی نہیں جیسا کہ آنے والے دلائل وشواہد سے یہ امر روز روشن کی طرح عیاں ہو جائے گا کہ افضلیت کے موضوع پر مجتہدین صحابہ کا کبھی کوئی اجماع نہیں ہوا بلکہ خلافت پر اجماع کو کچھ لوگوں نے افضلیت پر اجماع تسلیم کیا جو کہ محققین کے نزدیک ایک فریبِ بلا مریہ ہے ایک من گھڑت بات ہے۔ جسکی تردید و توضیح ادلہ قویہ وشواہد کتب سے کی جائے گی۔ انشاء اللہ اسمیں کوئی ابہام باقی نہیں رہے گا۔

دور حاضر کے دانشور کو جس کی رائے میں حضرت ابوبکر صدیق ﷛ کو افضلیت مطلقہ حاصل ہے، ثبوت مہیا کرنا مشکل ہوگا، اور اگر دیانت سے کام لے تو یہ ثبوت ممکن ہی نہیں ہوگا۔ پھر خلافت میں تقدم اہل سنت کے نزدیک متفقہ طور پر وجہ افضلیت بھی نہیں ہے بلکہ تقدم کے علاوہ آپ کو افضلیت کی دلیل دینی ہوگی۔ آپ دیکھتے ہیں کہ حضرت عثمان غنی ﷛ متفقہ طور پر حضرت علی مولا مرتضیٰ ﷛ سے خلافت

میں مقدم ہیں مگر اہل سنت کے نزدیک ان میں افضلیت مختلف فیہ ہے (یعنی ان دونوں میں کون افضل ہے) اگر خلافت میں مقدم ہونا افضلیت کے لئے وجہ کافی ہوتی تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر متفقہ طور پر افضل مانا جانا چاہئے تھا مگر ایسا نہیں ہوا، جس سے ثابت ہوا کہ خلافت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں ہے۔ یہ روافض کا مذہب ہے کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست نہیں اہل سنت کے نزدیک افضل کی موجودگی میں مفضول کی امامت و خلافت درست ہے۔ جیسا کہ بخاری و دیگر کتب صحاح میں موجود ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت میں سرکار دو جہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھی اور حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں بھی نماز پڑھی۔ اگر امامت کے تقدم سے افضلیت لازم آتی تو پھر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ (معاذ اللہ) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتے جو کسی طرح ممکن نہیں جس سے ثابت ہوا کہ امامت میں تقدم دلیل افضلیت نہیں۔

مزید برآں کہا جا سکتا ہے کہ یہ مثالیں جو گزشتہ سطور میں پیش کی گئی ہیں وہ امامت صغریٰ کے بارے میں ہیں اور ہمارا مبحث امامت کبریٰ ہے اسکے دو جواب عرض ہیں:

(۱) الیواقیت والجواہر ص ۳۳۲ تصنیف امام عبدالوہاب شعرانی بحوالہ محی الدین ابن عربی المعروف شیخ اکبر لکھتے ہیں:

زمانے کے تقدم کو بالذات کوئی شرف حاصل نہیں اور خلافت کے تقدم کو بھی حتمی طور پر دلیل افضلیت سمجھنا یہ ایک علمی لغزش ہے، حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام

قرآن نے کہا؛انی جاعلک للناس اماماً ترجمہ؛۔میں یقیناً تمہیں
لوگوں کے لئے امام بنانے والا ہوں۔اور یوں بھی کہا فاتبعوا ملة ابراهيم حنيفا
ترجمہ؛تم ملت ابراہیم کی پیروی کرو جو(صحیح معنوں میں)موحد ہیں۔یہاں حضرت
ابراہیم علیہ السلام کو امامت کبریٰ میں مقدم بھی رکھا اور سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
انکی پیروی کرنے کا مع امت کے حکم بھی دیا۔مگر افضلیت سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ
وسلم کو حاصل ہے۔ثابت ہوا کہ امامت کبریٰ میں بھی تقدم دلیل افضلیت نہیں۔
لیجئے الیواقیت والجواہر کی اصل عبارت ملاحظہ فرمائیے:

بالجملة فلا ينبغي الخوض في مثل ذالك الا مع وجود نص صريح مع انا قائلون بترتيب هولاء الخلفاء الاربعة كما عليه الجمهور. وانما خالفناهم في علة التقديم فهم يقولون هي الفضل ونحن نقول: هي تقدم الزمان ولو ان كل متأخر كان مفضولا لكان من تقدم محمدا (صلى الله عليه وآله وسلم) افضل منه ولا قائل بذالك احد من المحققين (الیواقیت والجواہر ص۳۴۲)

ترجمہ؛حاصل کلام یہ ہے کہ نص صریح کے بغیر ایسے مسائل میں غور وخوض نہیں کرنا
چاہیے باوجود اس بات کے کہ ہم لوگ ان خلفائے اربعہ کی ترتیب کے قائل
ہیں(جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے)ہم نے صرف ترتیب میں مقدم ہونیکی وجہ میں انکی
(جمہور کی) مخالفت کی ہے۔وہ کہتے ہیں کہ (علت تقدیم۔خلافت میں مقدم ہونے
کی وجہ)افضلیت ہے۔ہم کہتے ہیں؛۔یہ زمانے میں مقدم ہونا ہے(یعنی اسکی وجہ
افضلیت نہیں)اور اگر ہر پیچھے آنے والا مفضول (کم درجے والا) ہوتا تو پھر (لازم

آتا تھا) جومحمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے آیا وہ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا حالانکہ محققین میں سے کوئی ایک بھی اس کا قائل نہیں ہے۔

محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام سے پتہ چلا کہ حسب ترتیب، افضلیت خلفائے اربعہ (انکے قول کے مطابق) مذہب جمہور ہے، مذہب اجماعی نہیں اور یہ بات بھی معلوم ہوئی، ترتیب خلافت وامامت میں مقدم ہونا دلیل افضلیت نہیں۔

اما من قطعنا بتفضیل بعضهم علی بعض فذالک مصروف الی الله ،فهو عالم بمنازلهم ولم یعلمنا سبحانه وتعالی بما فی نفسه تعالی فالله تعالی یحفظنا من الفضول ومن مخالفة اهل السنة والجماعة (الیواقیت والجواہر ص۳۳۲)

ترجمہ؛۔ جہاں تک انکی ایک دوسرے پر فضیلت کے بارے میں ہمارے اہل فیصلہ کا تعلق ہے یہ بات خدا کے سپرد ہے، وہ انکے اپنی بارگاہ میں مراتب کو خوب جانتا ہے۔ اسنے ہمیں نہیں بتایا کہ اس بارے میں اسکے علم میں کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں فضول باتوں سے بچائے اور اہل سنت وجماعت کی مخالفت سے بھی بچائے (توقف)

(۲) دوسرا جواب یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت والے دن جو چیز موضوع گفتگو تھی وہ خلافت تھی نہ کہ افضلیت تھی۔

انصار مدینہ کا کہنا تھا: **منا امیر و منکم امیر** (بخاری، تکمیل الایمان و دیگر کتب عقائد) ''ایک امیر ہم میں سے ہوگا اور ایک امیر تم میں سے''۔ تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **نحن امراء وانتم وزراء** (ہم امراء ہوں گے اور تم

وزراء)۔ جب بات آگے بڑھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: **الائمة من القریش.** امام (سربراہان مملکت) قریش میں سے ہوں گے۔

اس حدیث کے پیش کرنے کا مقصد استحقاق خلافت تھا نہ کہ افضلیت۔ اس حدیث کو بطور موضوع اجماع (داعی اجماع) کے پیش کیا گیا۔ جب موضوع گفتگو استحقاق خلافت تھا تو اس پر اگر اجماع منعقد ہو گیا تو اجماع بھی استحقاق خلافت پر تسلیم ہوگا افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر تسلیم نہیں ہوگا۔

ایک شبہ کا ازالہ

سائل سوال کر سکتا ہے کہ خلافت بذات خود افضلیت ہے لہٰذا اگر خلافت پر اجماع ہو گیا تو یہی اجماع افضلیت پر بھی تسلیم ہوگا۔ جواباً عرض ہے کہ اگر ایسا سمجھا گیا ہوتا تو حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کیے جانے کے بعد ان کے اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت کا اختلاف کبھی نہ ہوتا۔ اور لوگ فوراً کہہ دیتے "جو خلیفہ ہوتا ہے وہی افضل ہوتا ہے" کیونکہ خلافت بذات خود افضل ہوتی ہے لہٰذا جو خلیفہ ہوگا وہی افضل ہوگا مگر ایسا کسی نے نہیں کہا بلکہ وہ اختلاف متکلمین میں آج تک موجود ہے۔ نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ خلافت میں اول ہونا دلیلِ افضلیت نہیں جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہر ہر فردِ قریش یکساں طور پر امامت کبریٰ کا اہل ہوگا۔

اس حدیث میں دلیل استحقاق پائی جاتی ہے، دلیل افضلیت نہیں پائی جاتی۔ تو ظاہر ہے اگر اجماع ہوا ہے تو استحقاقِ خلافت برائے قریش پر ہوا ہے، افضلیت پر نہیں ہوا کیونکہ اس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور باقی قریش مـــن

حیث ھو ھو برابر ہیں، بایں معنی کہ قریش کلی متواطی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس میں کوئی دلیلِ افضلیت نہیں۔

نیز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس حدیث شریف کے تسلیم کیے جانے کے بعد فرمایا: اگر آپ لوگ ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ یا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ میں سے کسی ایک کو خلیفہ بنالو تو میں راضی ہوں (تکمیل الایمان صفحہ ۵۴)۔ مزید براں فرمایا: اگر تم کسی دوسرے قریشی کو جو شرائط خلافت پر پورا اترتا ہے خلیفہ بنالو تو میں پہلا شخص ہوں گا جو اس سے بیعت کرے گا۔ (تکمیل الایمان صفحہ ۵۰)

اگر امامتِ کبری میں افضلیت شرط ہوتی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ دوسرے لوگوں کے نام اپنے مقابلے میں پیش نہ فرماتے کیونکہ وہ لوگ تو یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل نہ تھے۔

اب یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ یہ اجماع صحابہ (رضی اللہ عنہم) استحقاقِ خلافت پر تھا۔ اور اس اجماع کا حاصل یہ ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خلیفہ برحق ثابت ہوئے۔ افضلیت موضوعِ بحث ہی نہ تھی لہٰذا اس پر منعقد ہونے والا اجماع مفیدِ افضلیت نہیں ہوگا۔ انشاء اللہ اسکی مزید تفصیل آئندہ دلائل کے ضمن میں آجائے گی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ کے اس فتوی کے آخر میں جو حدیث پیش کی گئی ہے۔ اسکا بھی مطلب خلافت میں تقدم ہے۔

سالت اللہ ان یقدمک یاعلی و یابی اللہ الا تقدیم ابی بکر

امامتِ صغری موضوعِ گفتگو تھی۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا تقدم

تصور تھا جس سے افضلیت ثابت نہیں کی جاسکتی، جیسا کہ اس پر بحث ہو چکی ہے۔

اس سوال کا دوسرا حصہ جواب طلب ہے سو جواباً عرض ہے:

سوال: آنکه امامت تفضیلیه جائز است یانه درصلوٰةمقتدیان اوکه اهل سنت باشندچه حکم است؟ (فتاوی عزیزیہ (فارسی) ج اصفحہ ۱۸۱)

جواب: آنکه تفضیلیه دوقسم انداول کسانیکه حضرت علی مرتضیٰ رابرشیخین تفضیل میدهندولیکن درمحبت شیخین وتعظیم اینهاومناقب ومدائح اینهاواتباع روش وطریقه وتمسك باقوال وافعال اینهاسرگرم وراسخ قدم اندمانندآنکه اهل سنت باوجودتفضیل شیخین برجناب مرتضیٰ علی رضی الله عنه بوجهے که مذکورشدنسبت بجناب مرتضوی کمال رسوخ ومحبت اتباع طریقه وتمسك بقول وفعل آنجناب سرگرم اندواین قسم تفضیلیه داخل سنیان اندلیکن دریں مسئله خطاکرده اندوخلاف ایشان راباجمهوراهل سنت ازقبیل خلاف اشعریه باماتریدیه بایدفهمیدامامت این قسم تفضیلیه جائز است وبعضی ازعلمای اهل سنت وصوفیه اینهابرین روش بوده اندمثل عبدالرزاق محدث وسلمان فارسی وحسان بن ثابت وبعضے صحابه دیگروقسم دیگراز تفضیلیه کسانے باشندکه گویند مارامحبت مرتضیٰ علی رضی الله عنه واولادواتباع طریقه اینهاوتمسك باقوال وافعال اینهاکافی است وشیخین وصحابه

دیگر رابدنگوئیم لیکن بانهاسروکارے هم نداریم نه محبت نه عداوت نه اتباع ونه ترك اتباع ونه تمسك باقوال وافعال اینهاونه اعراض واین قسم تفضیلیه بلاشبه مبتدع اندوحکم امامت ایشان حکم امامت مبتدع است وهیچکس ازمعتبران اهل سنت این قسم تفضیلیه نبوده است (فتاویٰ عزیزیہ جلد ۱ ص ۱۸۳)

سوال﴾: تفضیلیہ کو امام بنانا جائز ہے یا نہیں؟ اگر اسکے پیچھے اہل سنت نماز میں اقتدا کریں تو اس بارہ میں کیا حکم ہے۔؟

جواب﴾: تفضیلیہ کی دو قسم ہے ایک قسم کے وہ لوگ ہیں کہ جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو شیخین رضی اللہ عنہما پر فضیلت دیتے ہیں مگر شیخین کی محبت و تعظیم میں نہایت سرگرم ہیں۔ اور شیخین کے مناقب و مدائح بیان کرنے اور شیخین کے طریقہ اور انکی روش کی اتباع کرنے اور شیخین کے اقوال و افعال پر عمل کرنے میں نہایت مستعد اور راسخ قدم ہیں جیسا کہ اہل سنت کہتے ہیں کہ حضراتِ شیخین کو حضرت علی رضی اللہ عنہ پر ان امور میں جو اوپر مذکور ہوئے ہیں، فضیلت ہے مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت اور پیار میں نہایت سرگرم ہیں۔ اور آپ کے قول و فعل پر عمل کرنے میں نہایت مستعد ہیں، تفضیلیہ کی یہ قسم اہل سنت میں داخل ہے البتہ ان لوگوں نے اس مسئلہ تفضیل میں خطا کی ہے۔ اور اس مسئلہ میں ان لوگوں کا جمہور اہل سنت کے ساتھ اختلاف ایسا ہی سمجھنا چاہیے جیسا اشعریہ اور ماتریدیہ میں اختلاف ہے۔ اس قسم کے تفضیلیہ کی امامت جائز ہے اور اہل سنت کے بھی بعض علماء و صوفیاء اس روش پر ہوئے ہیں۔ مثلاً عبدالرزاق

ت اور سلمان فارسی اور حسان بن ثابت اور بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا۔ اور
ضلیہ کی دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں کہ کہتے ہیں کہ ہمارے لئے علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ
جناب کی اولاد کی محبت کافی ہے اور ایسا ہی ان حضرات کے طریقہ واقوال وافعال
اتباع کافی ہے اور وہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرات شیخین و دیگر صحابہ (رضی اللہ عنہم)
ہم لوگ برا نہیں کہتے۔ لیکن ان حضرات سے ہم کو سروکار بھی نہ محبت نہ عداوت نہ
اع نہ ترک اتباع نہ ان حضرات کے قول وفعل پر عمل کرنا نہ اس سے اعراض کرنا یعنی
امور کی جانب کچھ لحاظ نہیں، اس قسم کے تفضیلیہ بلاشبہ بدعتی ہیں۔ جو حکم بدعتی کی
امت کا ہے یہی حکم ان لوگوں کی امامت کے بارے میں بھی ہے۔ اور معتبر اہل سنت
کوئی اس قسم کا تفضیلی نہیں ہوا ہے۔

فقہاء ومحدثین کا ایک اور نقطہ نظر

کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تمام اُمت پر بشمول اہل بیت کے
اس ضمن میں شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" ص ۵۶ پر ورطہ
تحریر میں لاتے ہیں: **بعضے از فقہائے محدثین در شرح قصیدہ امالیہ**
نقل کردہ اند کہ افضلیت خلفائے اربعہ مخصوص بما عدائے
اولاد پیغمبر (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

ترجمہ: بعض ان فقہاء نے جو محدثین بھی ہیں قصیدہ امالیہ میں نقل کیا ہے کہ خلفائے
اربعہ کی افضلیت امت پر، اولاد رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چھوڑ کر ہے۔

قصیدہ امالیہ کے فقہاء ومحدثین کے موقف سے پتہ چلا کہ علمائے امت کے

ایک طبقہ نے خلفائے اربعہ کی افضلیت اولادرسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر تسلیم نہیں کی اور انہیں علمائے امت نے اہل سنت سے خارج نہیں سمجھا نہ ہی اس بات کو ایسا درجہ قرار دیا جس سے ان کا اخراج اہل سنت سے لازم آتا ہو۔

حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت علی (رضی اللہ عنہما) کی تفضیل میں سلف کا اختلاف

نیز علامہ ابن عبدالبر متوفی ۴۶۳ھ نے اپنی کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' ۳۔۲۷ پر لکھا ہے: **وروی عن سلمان و ابی ذر و المقداد وخباب و جابر و ابی سعید خدری و زید بن ارقم ان علی ابن ابی طالب اول من اسلم و فضله هولاء علی غیره**

ترجمہ:۔ حضرت سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، وخباب بن الارت و جابر بن عبداللہ انصاری وابوسعید خدری وزید بن ارقم (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا گیا ہے، کہ علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ پہلے شخص ہیں جو مسلمان ہوئے ۔اور یہ لوگ انہیں (حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے سبھی صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔

ابن عبدالبر اپنی روایت میں تنہا نہیں ہیں بلکہ دوسرے لوگ بھی ان کے ساتھ شامل ہیں اور یہی علامہ ابن عبدالبر اسی کتاب کے صفحہ ۵۲ جلد ۳ پر رقم طراز ہیں:

واختلف السلف فی تفضیل علی و ابی بکر.

یعنی یہ مسئلہ ان کے دور حیات (۴۶۳ھ) میں ہی نہیں چھڑا بلکہ سلف صالحین میں بھی بدستور اختلاف گزرا ہے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہیے یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا چاہیے مگر دونوں جماعتیں سُنّی سمجھی جاتی ہیں ان میں

ے کسی کو بھی سنیت سے خارج نہیں سمجھا گیا۔

قدماء کے ذخائر علمیہ میں بہت سارا مواد اس موضوع پر ملتا ہے جس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس اختلاف کو چنداں اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ جس طرح دور حاضر میں دی جاتی ہے صحابہ کرام سے لیکر آج تک دونوں طبقے اہل سنت میں پائے جاتے ہیں۔ لیجیے ملاحظہ فرمایئے۔ ابو محمد علی بن احمد بن حزم الظاہری اندلسی اپنی کتاب "الفصل فی الملل والاھواء والنحل" ج ۴ ص ۱۱۱ میں لکھتے ہیں:

اختلف المسلمون فیمن هو افضل الناس بعد الا نبیاء علیهم السلام، فذهب بعض اهل السنة و بعض المعتزلة و بعض المرجئة و جمیع الشیعة الی ان افضل الامة بعد رسول الله (صلی الله علیه وآله وسلم) علی بن ابی طالب (کر م الله تعالی وجهه الکریم) وقد روینا هذا القول نصا عن بعض الصحابة (رضی الله عنهم) و عن جماعة من التابعین و الفقهاء و ذهبت الخوارج کلها و بعض اهل السنة و بعض المعتزلة و بعض المرجئة الی ان افضل الصحابة بعد رسول الله(صلی الله علیه وآله وسلم) ابو بکر و عمر (رضی الله تعالی عنهما)

ترجمہ: مسلمانوں نے اسمیں اختلاف کیا کہ انبیاء علیہم السلام کے بعد کون افضل ہے۔ سو بعض اہل سنت، بعض معتزلہ، بعض مرجئہ اور سارے شیعہ کا یہ مذہب ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ اس امت میں سب سے افضل ہیں اور ہم نے یہ قول صحابہ اور تابعین وفقہاء کی ایک جماعت سے نصاً (تصریحاً) روایت کیا ہے۔ سارے خارجیوں، بعض اہل سنت اور بعض معتزلہ اور بعض مرجئہ کا یہ مذہب

ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر (رضی اللہ عنہما)، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سارے صحابہ سے افضل ہیں۔

ابن حزم کی تحقیق کے مطابق، جسکی تائید دوسری کتب عقائد میں بھی ملتی ہے، جنکے حوالہ جات بعد میں آرہے ہیں، حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت متفقہ مسئلہ نہیں، جیسا کہ آئندہ حوالہ جات سے اور واضح ہو جائے گا اور یہ کہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے بھی نہیں ہے جیسا کہ فقیر نے کتاب الاستذکار تصنیف ابن عبدالبر کے حوالہ جات سے مکمل واضح کر کے چھوڑا ہے۔ اور قطب الدین دہلوی مصنف مظاہر حق کے حوالہ جات سے اس مسئلہ کے غیر ضروری ہونے کو اچھی طرح ثابت کر دیا ہوا ہے گذشتہ اوراق میں وہ حوالہ جات دیکھے جا سکتے ہیں۔

نیز ان اہل سنت کو بھی اہل سنت کہہ کے ذکر کیا جا رہا ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے ہیں۔ ان کو کسی نے شیعہ نہیں کہا کیونکہ شیعہ ہونے کا دارومدار عداوت شیخین پر ہے جو شخص حضرات شیخین (رضی اللہ عنہما) کو پورے کمالات سے مانتا بھی ہے اور ہر قول وعمل میں انکی پیروی بھی کرتا ہے اور انکی جملہ خدمات کو بھی تسلیم کرتا ہے تو ایسے میں اس کو غیر سنی ہونیکی تہمت دینا دور حاضر کی کرامت لگتی ہے کیونکہ یہ بات پیش ہوگی کہ حضرت زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) تابعین میں دوسرے سنی متکلم ہیں، اور وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو بعد از انبیاء سب سے افضل سمجھتے تھے اسکے باوجود وہ سنی رہنما مانے جاتے ہیں۔ نہ صرف وہ سنی مانے جاتے ہیں بلکہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی بیعت بھی انہی سے ہے اور تادم آخرین حضرت امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ اس بیعت پر ثابت قدم رہے۔ حضرت امام ابو حنیفہ نے سنیت کے علمبردار ہو کر بیعت اُن

سے کی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھتے تھے۔ سو صاف ظاہر ہے کہ یہ مذہب امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نزدیک سنیت سے خروج کے معنی دیتا تو امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کبھی بھی اُن سے بیعت نہ کرتے۔

اسی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴۔۱۱۱ پر ابن حزم تحریر کرتے ہیں:

روینا نحو عشرین من الصحابة ان اکر م الناس علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) علی بن ابی طالب و الزبیر بن العوام (رضی اللہ تعالی عنھما) ترجمہ:۔ ہم نے تقریباً بیس صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔

ان بیس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جو جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو ساری امت سے افضل سمجھتے تھے، کسی صحابی یا تابعی یا تبع تابعی نے خارج از سنیت نہیں کہا تو دور حاضر کے جن دانشوروں نے ایسے لوگوں کو خارج از سنیت کہا ہے انکے پاس صرف بغض علی کی سند ہے۔

بغض علی سے باز آ اے وقت کے یزید
حب علی رضی اللہ عنہ کو دخل ہے تیری نجات میں (مؤلف)

اور جن لوگوں نے قادری کہلا کر انکی تائید و توثیق کی ہے وہ غالباً قادر آباد کے باشندے ہونیکی وجہ سے قادری کہلاتے ہیں۔ بیعت اس سے کی ہوئی ہے جو زندگی میں آٹھ تراویح ماہ رمضان میں پڑھتا پڑھتا مرا ہے۔ وہابیت کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل

چاہیئے ہوگی کہ وہ آٹھ تراویح پڑھے۔ مرید ہو آٹھ تراویح پڑھنے والے کا اور ہر ماہ گیارھویں کی محالس جمائے، اسکا مقصد گیارھویں ہضم کرنا ہے، گیارھویں دینا نہیں ہے۔

امام المتکلمین امام زید رضی اللہ عنہ کا نظریہ

گزشتہ سطور میں فقیر نے عرض کیا کہ حضرت زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) سنی متکلمین میں سے تھے۔ لیجیئے ملاحظہ فرمایئے: استاذ ابو منصور عبدالقاہر بن طاہر اشعری اپنی کتاب ''اصول الدین'' ص ۳۰۷ پر جیز تحریر میں لاتے ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من الصحابة علی بن ابی طالب (رضی الله تعالی عنه) لمناظرته الخوارج فی مسائل الوعد والوعید و مناظرته القدرية فی القدر و القضاء و المشیئة و الاستطاعة.

ترجمہ: حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے پہلے سنی متکلم ہیں کیونکہ انہوں نے مسائل وعد و وعید میں خوارج سے مناظرہ فرمایا اور قدریہ سے قضاء و قدر میں اور مشیت و استطاعت میں مناظرہ فرمایا۔

اور تابعین میں سے سنی متکلمین میں سے پہلے نام لیا جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کا اور دوسرا نام لیا جناب زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (علی جدہ وعلیہ الصلوٰۃ والسلام) کا، چنانچہ تحریر فرماتے ہیں:

ثم زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب (رضی الله تعالی عنهم) و له کتاب فی الرد علی القدرية من القرآن.

ترجمہ: تابعین میں دوسرے متکلم جناب زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب

(رضی اللہ عنہم) ہیں اور انکی ایک کتاب ہے جو قرآن سے قدریہ کی تردید پر مشتمل ہے۔

حضرت زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب کے ایک سنی ماہر متکلم ہونے پر ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمایئے۔ ''الفرق بین الفرق'' تصنیف عبدالقاہر بن طاہر بن محمد البغدادی الاسفرائنی متوفی ۴۲۹ھ ص ۳۶۳ پر تحریر فرماتے ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعين عمر بن عبدالعزيز وله رسالة بليغة فى الرد على القدرية ثم زيد بن على زين العابدين (رضى الله عنهم) له كتاب فى الرد على القدرية .

ترجمہ: پہلے سنی تابعی متکلم حضرت عمر بن عبدالعزیزؓ ہیں اوران کا ایک نہایت بلیغ رسالہ قدریہ کے رد میں موجود ہے پھر جناب زید بن علی، زین العابدینؓ ہیں جنکی ایک کتاب قدریہ کے رد میں ہے۔

الغرض یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ جناب زید بن علی بن الحسین بن علی رضی اللہ عنہم بن ابی طالب ایک چوٹی کے تابعی سنی متکلم ہیں۔ جنکا سنی ہونا اور تابعی ہونا اور چوٹی کا سنی متکلم ہونا اور امام ابوحنیفہؓ کا شیخ ہونا مسلمات میں سے ہیں۔ ان کا سنی، تابعی اور متکلم ہونا آپ کے سامنے معتبرات اہل سنت سے ثابت کیا جا چکا۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ آپ کا عقیدہ کیا تھا اور آپ سے امام ابوحنیفہؓ کی بیعت کہاں سے ثابت ہے؟۔

امام عبدالکریم شہرستانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الملل والنحل ا۔۱۵۵ صفحہ پر رقمطراز ہیں:

كان مذهبه جواز امامة المفضول مع قيام الافضل، فقال كان على بن ابى طالب افضل الصحابة الا ان الخلافة فوضت الى ابى بكر

لمصلحة را وها و قاعدة دينية راعوها

ترجمہ؛۔انکا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول کی امامت درست ہے،سوانہوں نے کہا "علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب سب صحابہ سے افضل تھے مگر یہ کہ خلافت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کوسونپی گئی (وہ کسی) مصلحت کے تحت تھی جسکوانہوں نے مدنظر رکھا اورکسی قاعدہ دینیہ کے مطابق تھی جسکی انہوں نے پابندی کی۔

خلاصہ یہ کہ وہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مکمل افضلیت کے مدعی تھے اسکے باوجود وہ سنی تھے۔اب یہ دیکھنا چاہیں گے کہ حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے ان سے بیعت کی یانہ کی۔عبدالکریم شہرستانی اپنی کتاب کے ا۔۱۵۸ صفحہ کوزیورتحریر سے آراستہ فرماتے ہیں:

وكان ابو حنيفة على بيعته و من جملة شيعته حتى رفع الامر الى المنصور فحبسه حبس الا بد حتى مات فى الحبس

ترجمہ؛حضرت امام ابوحنیفہ انکی (زید بن علی کی) بیعت پر ثابت قدم تھے اوران (زید بن علی رضی اللہ عنہ) کے شیعہ میں سے تھے حتیٰ کہ معاملہ المنصور عباسی تک پہنچایا گیا،تواسنے زندگی بھرکی قید دے دی یہاں تک کہ جیل ہی میں واصل باللہ ہوئے۔

اب بتائیے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کوسنی شیعہ میں تمیز نہیں تھی؟اگرافضلیت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے عقیدے کوسنی شیعہ میں فصل تسلیم کرتے تو زید بن علی بن الحسین (رضی اللہ عنہم) کوشیعہ سمجھتے اورشیعہ سمجھتے تو بیعت کیسے کرتے اوراگرایسی حالت میں بیعت کرلیتے توعالم سنیت انہیں اپناامام کیسے سمجھتا؟

یہ کہنا بھی کیسے ممکن ہوگا کہ حضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پراجماع

...تھا؟ اگر اجماع ہوا ہوتا تو جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کو پہلے پتہ ہوتا یا چوتھی پانچویں
...ں ہجری کے لوگوں کو پہلے پتہ ہوتا؟

آپ نے ابن حزم کی کتاب الفصل فی الملل ولا ھوا و النحل ۴۔۱۱۱ کے
...لے سے پڑھ لیا ہے۔ بعض سنی حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے اور بعض جناب ابو
...صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے مگر جو اہل سنت جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے انہیں
...ں نے نہ ہی شیعہ کہا اور نہ ہی سنیت سے خارج کیا جسکا مطلب یہ ہوگا کہ افضلیت ابوبکر
...یق رضی اللہ عنہ کا واجب ہونا دور حاضر کی بدعت ہے۔ یہ بھی ایک بدعتی فرقہ ہوگا۔

نیز آپ نے کتاب الملل و النحل تصنیف عبدالکریم شہرستانی کے حوالہ
...ے بھی ملاحظہ فرمائے جس میں درج ہے کہ سید زید بن علی، حضرت علی مرتضٰی (رضی اللہ
...) کو افضل الصحابہ اعتقاد کرتے تھے اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے یہ جانتے ہوئے ان
...بیعت بھی کی اور اسپر ثابت قدم بھی رہے، جب ان سے بیعت کی تو نماز بھی انکے
...ے ضرور پڑھی ہوگی، اگر نماز ہوتی ہوگی تو پڑھتے ہوں گے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت
...رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھنے والے کے پیچھے نماز پڑھنے میں کوئی امر مانع نہیں۔ وہ گستاخ
...نہ ہو اور اطاعت واتباع شیخین کو ناگزیر سمجھتا ہو۔ جیسا کہ شاہ عبدالعزیز محدث
...وی نے اپنے فتاوی عزیزیہ میں درج فرمایا ہے اور آخر میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ یا ابو
...صدیق رضی اللہ عنہ کے اختلاف افضلیت کو اسطرح قرار دیا ہے۔ جسطرح اشاعرہ اور
...یدیہ کا اختلاف ہے۔ اہل علم کے نزدیک اشاعرہ اور ماتریدیہ کے درمیان حق دائر مانا
...ا ہے جسکا معنی یہ ہوتا ہے دونوں حق ہیں۔ ان میں سے جسکو بھی اختیار کیا جائے حق

ہے۔فرق ہوگا تو اولیٰ اور غیر اولیٰ کا ہوگا۔جیسا کہ نفل بیٹھ کر پڑھنے اور کھڑا ہو کر پڑھنے میں حق دائر ہے مگر کھڑا ہو کر پڑھنا اولیٰ ہوگا۔یا جسطرح حالت سفر میں روزہ رکھنا اور نہ رکھنا دونوں جائز ہیں۔دونوں باتوں میں حق دائر ہے مگر روزہ رکھنا اولیٰ ہے۔

استاذ ابوزہرہ مصری کی تحقیق

استاذ ابوزہرہ مصری اپنی کتاب ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ ؓ'' مترجم اردو صفحہ ۱۸۰ پر نقش زیب قرطاس فرماتے ہیں؛۔یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے افضل الصحابہ رضی اللہ عنہم ہونے کے عقیدے میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اسکے قائل تھے۔چنانچہ (۱)عمار بن یاسر(۲)مقداد بن الاسود(۳)ابوذر غفاری(۴)سلمان فارسی(۵)جابر بن عبداللہ انصاری(۶)اُبی بن کعب (۷)حذیفہ(۸)بریدہ(۹)ابوایوب انصاری(۱۰)سہل بن حنیف(۱۱)عثمان بن حنیف(۱۲)ابوالہیثم (۱۳)خزیمہ بن ثابت(۱۴)ابو الطفیل (۱۵)عامر بن واثلہ (۱۶)عباس بن عبدالمطلب انکے بیٹے اور تمام بنی ہاشم تفضیل علی کا عقیدہ رکھتے تھے۔

بنو امیہ میں بھی بعض لوگ اسکے قائل تھے۔مثلا خالد ؓ بن سعید بن عاص،عمر بن عبدالعزیزؒ(تابعین میں پہلے سنی متکلم تھے۔جبکہ علی مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے تھے۔اگر یہ امر سنیت سے اخراج کے معنی دیتا تو وہ سنی متکلم کیسے ہوتے؟)

شیعہ کے مختلف درجات تھے۔بعض حضرت علیؓ کی تعظیم و تکریم میں مبالغہ آمیزی سے کام لیتے،بعض اعتدال پسند تھے۔مؤخر الذکر عقیدہ کے حامل شیعہ حضرت علی رضی اللہ عنہٗ کو تمام صحابہ سے افضل سمجھتے مگر کسی کی تکفیر

کرتے ۔ استاد ابو زہرہ پروفیسر جامعہ از ہر مصر کے بیان سے یہ بات سامنے آ گئی کہ افضلیت علی مرتضیٰ ؓ کا عقیدہ شیعہ کا منفرد عقیدہ نہ تھا بلکہ صحابہ کی بھاری تعداد (جو بنی عباس اور جملہ ہاشمیوں سے بنتی ہے جو مدینہ شریف کی غالب اکثریت بنتی ہے) افضلیت علی مرتضیٰ ؓ کا عقیدہ رکھتی تھی جنہیں سنیت سے خارج نہ کیا گیا نہ ہی رافضیت انکی طرف منسوب کی گئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مسئلہ تفضیل نا قابل نزاع ہے کیونکہ یہ ضروریات دین میں سے بھی نہ تھا۔ نیز اسمیں حضرت ابو بکر صدیق ؓ کی افضلیت کسی اور پہلو سے اور جناب علی مرتضیٰ ؓ کی افضلیت کسی اور پہلو سے تسلیم کی جائے تو یہ مسئلہ بالکل نزاعی رہتا بھی نہیں۔

جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری نے تکمیل الایمان ص ۸۷ پر لکھا ہے:

گفتہ است کہ ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر، اگر مراد خیریت ابو بکر از وجہے است و افضلیت علی از وجہے پس این مسئلہ است بیرون از دائرہ اختلاف و خارج از محل نزاع۔

(ترجمہ) (خطابی نے) کہا ہے ابو بکر ؓ علی ؓ سے اچھے ہیں اور علی ؓ ابو بکر ؓ سے افضل ہیں۔ اگر انکی مراد یہ ہو کہ ابو بکر ؓ کی اچھائی کسی اور وجہ سے ہے اور افضلیت علی کسی اور وجہ سے ہے۔ تو یہ مسئلہ دائرۂ اختلاف سے باہر ہے اور محل نزاع سے خارج ہے۔

اجماع کا پس منظر

اب اس اجماع کا پس منظر واضح کرنیکی ضرورت ہے جو روزانہ کی بول چال میں ایک حقیقت عرفیہ بن گیا ہوا ہے۔ امام استاد ابو منصور عبد القاہر بن طاہر تمیمی

بغدادی متوفی ۴۲۹ھ اپنی کتاب ''اصول الدین'' ۲۹۳ص پر تحریر فرماتے ہیں:

فقال ابو الحسن الاشعری (المتوفی ۳۳۰ھ) یجب ان یکون الامام افضل اهل زمانه فی شروط الامامة ولا ینعقد الامامة لاحد مع وجود من هو افضل منه فیها فان عقدها قوم للمفضول کان المعقود له من الملوک دون الائمة .ولهذا قال فی الخلفاء الاربعة افضلهم ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم علی و اختار شیخنا ابو العباس القلانسی جواز عقد الامامة للمفضول اذا کانت فیه شروط الامامة مع وجود الا فضل منه.وبه قال الحسین بن فضل ومحمد بن اسحاق بن خزیمة و اکثر اصحاب الشافعی .

ترجمہ؛ابوالحسن اشعری نے کہا؛ کہ شروط امامت میں،امام کا افضل اہل زمانہ ہونا ضروری ہے،اگر قوم کسی مفضول (غیر افضل) کو امام بنالے تو جسکو امام بنایا گیا ہوگا وہ بادشاہ ہوگا خلیفہ نہیں ہوگا۔بنا بریں،اسنے خلفائے اربعہ کے بارے میں کہا ہے کہ سب سے افضل حضرت ابوبکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر،حضرت عثمان پھر حضرت علی افضل ہیں (رضی اللہ عنہم)۔ہمارے استاد ابوالعباس قلانسی نے مفضول (غیر افضل) کی امامت کے جواز کا قول دیا ہے۔باوجود افضل کے موجود ہونے کے۔بشرطیکہ اس میں شروط امامت پائی جائیں۔اور یہی بات حسین بن الفضل محمد بن اسحاق بن خزیمہ اور اکثر شوافع نے کہی ہے۔

علامہ عبدالقاہر بن طاہر بغدادی اشعری ہیں اور امام ابوالحسن اشعری کے نظریہ اجماع کی وضاحت کرتے ہیں کہتے ہیں امام ابوالحسن کا عقیدہ یہ ہے کہ افضل کے

ہوتے ہوئے مفضول (غیر افضل) کی امامت درست نہیں بلکہ اس طور پر۔ افضل کی موجودگی میں غیر افضل کو خلیفہ بنایا جائے تو وہ خلیفہ، خلیفہ نہیں ہوگا بلکہ بادشاہ قرار پائے گا لہٰذا جسکو خلیفہ بنایا جائے وہ پوری قوم سے افضل ہوگا۔ منطقی شکل یہ بنے گی، اور یہ شکل اول ہوگی جس کو منطقی لوگ برابابا کہتے ہیں۔

(صغریٰ): حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا۔

(کبریٰ): اور ہر وہ شخص جسکو خلیفہ بنایا جائے افضل ہوگا

نتیجہ منطقیہ: لہٰذا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہوئے۔

چونکہ صحت نتیجہ کیلئے صحت صوری بھی چاہیے اور صحت مادی بھی۔ یعنی جو مضمون مقدمات میں بیان کیا جائے وہ خارج میں بھی اسی طرح ہو تو نتیجہ درست ہو گا چونکہ اس میں صغریٰ سچا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنایا گیا (یہ بات بھی ہے واقعہ میں سچی بات ہے) مگر کبریٰ ایک غیر واقعی مفروضہ ہے لہٰذا یہ صورت عقیم رہے گی۔ امام ابوالحسن اشعری نے ترتیب خلافت کو ترتیب افضلیت کیلئے استعمال کیا ہے جس پر ان کے اپنے شاگردوں اور دوسرے اشاعرہ نے ان سے اتفاق نہیں کیا۔

ابوالعباس قلانسی نے جو عبدالقاہر بغدادی کے استاذ ہیں، غیر افضل کی امامت کو جائز قرار دیا ہے۔ اور حسین بن الفضیل و محمد بن اسحاق بن خزیمۃ نے اور اکثر علماء نے امامت مفضول کو جائز قرار دینے میں ابو العباس قلانسی کی تائید کی ہے بشرطیکہ مفضول میں شروطِ استحقاقِ امامت موجود ہوں۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری نے جس قاعدے کو بنیاد قرار دیکر ترتیبِ افضلیت پر ترتیب خلافت

کا نتیجہ اخذ کیا ہے، وہ سراسر بے بنیاد ہے۔

امامت کے لئے افضلیت کا عقیدہ روافض اور بعض معتزلہ کا مذہب ہے۔ روافض کا تو خلافت کے بارے میں سب سے بڑا اعتراض یہی ہے کہ جناب علی مرتضٰی ؓ افضل تھے۔ لہٰذا انکو چھوڑ کر جنابِ ابو بکر صدیق ؓ کو خلیفہ بنایا گیا ہے۔ لہٰذا خلافت منعقد نہیں ہوئی۔

معتزلہ: قال النظام و الجاحظ ان الامامة لا یستحقها الا الافضل (اصول الدین تصنیف عبدالقاہر بغدادی ص ۲۹۳) (نظام و جاحظ معتزلیان نے کہا کہ امامت کا وہی حقدار ہے جو سب سے افضل ہے)

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ نے ترتیبِ افضلیت کی بنیاد جس چیز پر رکھی ہے وہ اہل سنت کا عقیدہ ہی نہیں ہے۔ امام ابوالحسن اشعری افضلیت پر اجماع ہونے کے مدعی ہو کر افضلیت کے قطعی ہونے کے مدعی ہیں۔ شیخ امام ابوالحسن اشعری کی اس رائے کے بارے میں ہم اشاعرہ کے ائمہ پیش کرتے ہیں۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں:

اکنوں سخن درآن ماندکه مسئله ترتیب افضلیت یقینی است که برهان قاطع برآن گذشته، چنانچه ترتیب خلافت یا ظنی است که دلیل آن امارات وقرائن است که برحجان واولویت رساند؟ بعض برانندکه قطعی است ومختارنزداکثرمحققین آن است که ظنی است، امام الحرمین درارشادبعدازاثبات خلافت علی الترتیب بطریق سوال

بگویند،بعضے ازصحابه راتفضیل می دهندبربعضے دیگربادرمسئله تفضیل وتفضیل آن سکوت واعراض مے کنندجوابش میگویدکه بنائے مسئله تفضیل برآن است که امارت مفضول باوجودفاضل جائزنباشد،ومعظم اهل السنت والجماعت برآنندکه امام افضل بایدولیکن اگر نصب وے موجب ثوران وهرج ومرج هیجان فتنه وفسادگردد ونصب مفضول برتقدیراهلیت واستحقاق اومرامامت راباجماع شرائط آن ا زقرشیت وعلم بحلال وحرام ومصالح ومهام دین واسلام وورع وعدالت وشهادت وکفایت جائزباشد۔میگویدکه نزدمن این مسئله یعنی اولویت نصب افضل قطعی نیست (تکمیل الایمان ص ۵۸)

ترجمہ۔اب بات یہ رہ جاتی ہے کہ کیا مسئلہ ترتیبِ افضلیت یقینی ہے کہ اس پر کوئی دلیل قطعی گزری ہو جیسا کہ ترتیب خلافت ہے؟ یا ظنی ہے؟ کہ جسکا ثبوت صرف قرائن وعلامات ہوں جو اسکو (افضلیت کو) راجح یا اولی تک پہنچاتی ہوں؟ (جواباً کہتے ہیں) بعض علماء یہ رائے رکھتے ہیں کہ (یہ ترتیبِ افضلیت) قطعی ہے اور اکثر محققین کے نزدیک (ترتیبِ افضلیت) ظنی ہے۔امام الحرمین اپنی کتاب ''ارشاد'' میں خلافت کی ترتیب ثابت کرنے کے بعد بطورِ سوال کہتے ہیں۔اب کیا کہتے ہیں (علمائے کرام) بعض صحابہ کو بعض دوسرے صحابہؓ پر فضیلت دیتے ہیں، یا مسئلہ تفضیل اور اسکی تفضیل سے اعراض کرتے ہیں۔اسکا جواب (بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی، امام الحرمین) یوں دیتے ہیں کہ مسئلہ تفضیل کی بنیاد اس پر ہے کہ امامتِ مفضول، فاضل کی

موجودگی میں جائز نہیں ہوتی۔ اکثر اہل السنّت والجماعت کی رائے یہ ہے امام افضل ہونا چاہیے۔ لیکن اسکے امام مقرر کرنے سے افراتفری پیدا ہو اور فتنہ وفساد بر پا ہو جائے تو اسکے امامت کا مستحق ہونے پر اور صفاتِ امام وشرائط پر پورا اترنے پر جو کہ قریشی ہونا ہے۔ حلال وحرام کا عالم ہونا ہے، اور دین واسلام کی مہمات ومصالح کا جاننا ہے۔ تقوی وپرہیز گاری کا ہونا ہے، بہادری اور عدالت کا ہونا ہے۔ (دیگر صلاحیات کا جامع ہونا) (اگر یہ شرائط پائی جائیں) تو مفضول کی امامت بھی درست ہے۔ نیز وہ (امام الحرمین، امام غزالی کے استاد) کہتے ہیں۔ میرے نزدیک یہ مسئلہ یعنی افضل امام کے نصب کا اولی ہونا یقینی اور قطعی نہیں ہے۔

چند سطور آگے چل کر شاہ عبدالحق محدث دہلوی امام الحرمین کا محاکمہ نقل کرتے ہیں:

پس صحیح آنست که درامامت وخلافت افضلیت شرط نیست پس امامت دلیل افضلیت نتواند بود ونزد ما دلیل دیگر نیست که قاطع بود ودلالت کند بر تفضیل بعضے بر بعضے (تکمیل الایمان ص ۵۸) پس صحیح ہے کہ امامت وخلافت میں افضلیت شرط نہیں۔ لہذا امامت دلیل افضلیت نہیں ہو سکتی۔ اور ہمارے پاس کوئی دوسری دلیل نہیں جو قطعی ہو۔ اور ایک امام کے دوسرے امام سے افضل ہونے پر دلالت کرے۔

مزید اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں:

چه عقل رابدرك حقیقت راه نیست واخبارکه درفضائل ایشان ورودیافته متعارض اند پس جزتوقف وسکوت سبیلے نباشد۔

ترجمہ: کیونکہ اس حقیقت (افضلیت بعض بر بعض) کوادراک کرنے کے لئے عقل کو

کوئی راستہ نہیں ملتا اور وہ احادیث جو انکے فضائل میں آئی ہیں آپس میں ٹکراتی ہیں اس لئے سوائے رک جانے اور خاموشی اختیار کرنے کے کوئی دوسرا راستہ نہیں ملتا۔

امام ابوالحسن اشعریؒ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے قطعی ہونے کے مدعی ہیں۔شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری موسوی تکمیل الایمان ص ۶۰ پر تحریر فرماتے ہیں:

شیخ ابوالحسن اشعری تصریح بدان کرده که تفضیل ابوبکر رضی اللہ عنہ برسائرصحابه قطعی است وقاضی ابوبکرباقلانی میگویدکه ظنی است ومختارامام الحرمین درارشادنیزهمی است وصاحب مفهم درشرح مسلم جزم بظنیت آن کرده۔

ترجمہ۔شیخ ابوالحسنؒ اشعری نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی باقی صحابہ پر افضلیت قطعی ہے۔قاضی ابوبکر باقلانی کہتے ہیں کہ ظنی ہے اور"ارشاد"(امام الحرمین کی کتاب کا نام ہے)میں امام الحرمین کا مختار یہی ہے۔(افضلیت کا ظنی ہونا مختار ہے)اور صاحب مفہم (قاضی قرطبی نے) مسلم کی شرح میں اسی بات پر جزم کیا ہے۔ظاہر ہے کہ اگر اجماع ہوا ہوتا تو اسمیں ظنیت کی کیا گنجائش تھی (اجماعِ نصی تام مفید قطعیت ہوتا ہے،اسکا منکر تو کافر ہوتا ہے جیسا کہ اصول کی ساری کتب وضاحت کرتی ہیں)۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی تکمیل الایمان صفحہ نمبر ۶۱ پر رقمطراز ہیں:

اجماعیکه درین جااست برهمیں افضلیت ظنیه است واهل اجماع نیزقطع بآن نکرده اند۔

ترجمہ:۔وہ اجماع جو اس جگہ ہوا ہے وہ یہی افضلیت ظنیہ پر ہوا ہے اور اہل اجماع نے بھی اس میں قطعیت کا حکم نہیں لگایا۔

بقول شاہ عبدالحق محدث دہلوی ،دعویٰ اجماع درست ہے مگر وہ اجماع افضلیت پر نہیں ہوا بلکہ افضلیت کے ظنی ہونے پر ہوا ہے۔

اب اس موقع پر امام ابوالحسن اشعری دعویٰ اجماع پر افضلیت قطعیہ کے مدعی ہیں۔بہتر یہ ہوگا کہ انکی اپنی کتاب کے اقتباسات پیش کیے جائیں جن میں وہ دعویٰ اجماع برائے افضلیت قطعیہ کرتے ہیں (یعنی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ قطعی طور پر ساری امت اور صحابہ واہل بیت سے افضل ہیں)۔

اذا وجبت اما مة ابی بکر (رضی الله عنه) بعد رسول الله(صلی الله علیه و آله وسلم)وجب انه افضل المسلمین (الا بانه عن اصول الدیانة (۲۵۵.۲ ص) تصنیف امام ا بو الحسن اشعری۔

ترجمہ:۔جسوقت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی امامت ،سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد منعقد ہوگئی تو یہ بات بھی ثابت ہوگئی کہ وہ (ابو بکر رضی اللہ عنہ) ساری امت سے افضل ہیں۔

بتلایئے کہ یہ اجماع کی بناوٹ ہے؟ افضلیت کی حمایت میں کون کون سے مجتہدین شامل ہوئے؟ داعی اجماع کونسی حجت شرعیہ تھی؟ اجماع کی کونسی قسم منعقد ہوئی،نصی یا سکوتی یا اجماع مرکب؟ ہم انشاء اللہ اجماع کی بحث چھیڑینگے تو بڑی سیر حاصل بحث ہوگی اگر کوئی شخص انصاف اور خدا پرستی کی بنیاد پر مطالعہ کرے گا تو خیر کثیر حاصل ہوگا۔

نیز اگر ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ اجماع کے بارے میں جزم رکھتے تو اہل سنت کے کئی گروہ دربارہ افضلیت اپنی ہی کتاب میں پیش نہ فرماتے، لیجیے "مقالات الاسلامیین" ۲۔۱۴۷، تصنیف امام ابوالحسن اشعری کی عبارت ملاحظہ ہو:

قولهم فی افضل الناس بعد الرسول : و اختلفوا فی ا لتفضیل:.

(۱) فقال قا ئلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه و آ له وسلم، ابو بکر ،ثم عمر ثم عثمان ثم علی

(۲) وقال قا ئلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه و آ له وسلم :ابو بکر ،ثم عمر ثم علی ثم عثمان

(۳) قال قا ئلون:،نقول:. ابو بکر ثم عمر ثم عثمان ثم نسکت بعد ذالک

(۴) قال قا ئلون: افضل الناس بعد رسول الله صلی الله علیه و آ له وسلم علی ثم بعده ابو بکر

ترجمہ: "انکے (اہل سنت کے) اقوال دربارہ افضل امت بعداز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم "انہوں نے تفضیل کے بارے میں اختلاف کیا"

(۱) (ایک طبقے کے) کہنے والوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد، سب امت سے افضل، ابوبکر صدیق پھر عمر پھر عثمان پھر علی ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(۲) (دوسرے طبقے نے) کہا: رسول اللہؐ کے بعد ساری امت سے افضل ابوبکر، پھر عمر، پھر علی، پھر عثمان ہیں۔ (رضی اللہ عنہم)

(۳) (تیسرے طبقے نے) کہا: ہم کہتے ہیں ابوبکر پھر عمر پھر عثمان (رضی اللہ عنہم) پھر

اسکے بعد چپ کر جاتے ہیں۔

(۴) (چوتھے طبقے نے) کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب امت سے افضل علی رضی اللہ عنہ ہیں اور پھر انکے بعد ابو بکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

اب حضرت امام ابوالحسن اشعری کے دعویٰ اجماع اور افضلیت کے قطعی ہونے کا فیصلہ خود کر لیجئے۔ اگر اجماع نصی تام ہوتا تو دلیل قطعی ہوتا تو اسکا منکر کافر ہوتا کیونکہ اس صفت کا اجماع دلیل قطعی ہوتا ہے اور ایسے اجماع سے افضلیت ثابت ہوئی ہوتی تو افضلیت قطعی ہوتی اور افضلیت کا منکر کافر ہوتا، امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کا اہل سنت کے یہ طبقے بنانا جن میں چوتھا طبقہ اہل سنت کا وہ بھی ہے جو حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل بھی سمجھتا ہے اور سنی بھی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بقول امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جاننے والا سنیت سے خارج نہیں ہوتا۔

عالم اسلام میں حضرت ابوالحسن اشعریؒ متوفی ۳۳۰ھ سے پہلے کوئی امام عقیدہ افضلیت کے قطعی ہونے کا دعویدار نہیں گزرا جیسا کہ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اپنی تکمیل الایمان ص ۶۰ میں اسکی وضاحت فرمائی ہے۔ اور امام ابن حجر مکیؒ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ ص ۵۶ پر بعینہٖ یہی وضاحت فرمائی ہے۔ اور بتایا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت انکے سوا پر قطعی قرار دی ہے۔ اور ساتھ ہی بتایا کہ انکے متبعین میں سے کسی نے بھی ان کے اس قول کی حمایت نہیں کی۔ ''ابو بکر باقلانی'' نے بھی افضلیت کو ظنی قرار دیا ہے اور امام الحرمین (امام غزالیؒ کے استاد) نے بھی اس قول کی تردید کی اور بتایا کہ افضلیت ظنی ہے اور اس

سلسلۂ تحقیق کے مشہور علمبردار قاضی قرطبی صاحب مفہم (شرح مسلم) نے بھی افضلیت کے ظنی ہونے پر جزم کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ کی افضلیت کے قطعی ہونیکی رائے کو ان کی اپنی جماعت کے کسی فرد نے تسلیم نہیں کیا۔

افضلیت کے ظنی ہونے کی تائید میں، امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ، صواعق محرقہ ص ۵۶ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی قادری موسوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تکمیل الایمان ص ۶۰ پر علی الترتیب المذکور رقمطراز ہیں:

ذکر عبدالرزاق عن معمر قال لو ان رجلاقال: عمر افضل من ابی بکر، ما اُعنفِه وکذالک لو قال: علی عندی افضل من ابی بکر وعمر لم اُعنفه اذا ذکر فضل ا لشیخین و احبّهما، و اثنی علیهما بما هما ا هله، فذکرت ذالک لوکیع فا عجبه و اشتهاه.

امام عبدالرزاق نے معمر کے حوالے سے ذکر کیا (انہوں نے کہا۔ معمر نے کہا: اگر کوئی شخص کہہ دے عمر رضی اللہ عنہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اس سے سختی نہیں کرتا (بدعقیدہ قرار دیکر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا) اسی طرح اگر کوئی یہ کہدے: علی رضی اللہ عنہ میرے نزدیک ابو بکر رضی اللہ عنہ وعمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اس پر (بھی) سختی نہیں کرتا۔ (یعنی بدعقیدہ جان کر غیر سنی سمجھ کر ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرتا) جبکہ شیخین کے فضائل بیان کرے اور ان سے محبت کرے اور انکی شان کے لائق تعریف کرے (امام عبدالرزاق کہتے ہیں کہ) یہی بات میں نے وکیع رحمۃ اللہ علیہ سے کی تو انھیں اچھی لگی اور انہوں نے پسند کی)

ازعبدالرزاق نقل کرده است که معمرگفته که اگر مردے گویدکه عمرازابوبکرافضل است منعش نکنم وباوے درشتی نکنم

واگر علی را فاضل ترازابوبکروعمرگویدنیزباوے درشتی نکنم واگربہ تفضیل شیخین معترف آیدوباایشان محبت داردودادمدح وثنائے ایشان بدانچہ اھل ومستحق آنند دھد،پس عبدالرزاق میگویدکہ این ازمعمربوکیع نقل کردم اورانیزخوش آمدوتحسین کرد۔(تکمیل الایمان۔۶۰)

ترجمہ؛(علامہ ابن عبدالبر رحمۃ اللہ علیہ نے) امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے؛معمر نے کہا: اگر کوئی شخص کہدے؛ جناب عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں تو میں اسکونہیں روکتا اوراس سے سختی نہیں کرتا اوراگر جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوحضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت عمر رضی اللہ عنہ سے افضل کہے تو بھی میں اس سے سختی نہیں کرتا اور شیخین کریمین کی افضلیت کا اعتراف کرے اوران سے محبت رکھے اورانکی مدح وثناء کی وہ داددے جوانکی شان کے لائق ہےاوراستحقاق کے مطابق (تو بھی میں منع نہیں کرتا)

اگر ترتیب افضلیت بحسب ترتیب خلافت ضروری عقیدہ ہوتا تو اسکے خلاف کرنا عقیدہ صیحہ کی مخالفت ہوتی ،اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوحضرت ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے افضل جاننا اورعلی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کوشیخین کریمین سے افضل جاننا عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہوتا تو اسکے روکنے سے معمر کا باز رہنا معصیت ہوتی معصیت سے روکنا واجبات شرعیہ میں سے ہے۔

من رایٰ منکم منکراًفلیغیرہ بیدہٖ فان لم یستطع فبلسانہٖ فان لم یستطع فبقلبہٖ فذالک اضعف الایمان.

ترجمہ؛۔جوشخص تم میں سے کسی بدی کو دیکھے اسکوچاہیے کہ اسکواپنے ہاتھ سے روکے

اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے روکے اور اگر اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے (برا جانے) سو یہ سب سے کمزور ایمان ہے)۔

یہ کیسے ممکن تھا کہ ائمہ حدیث جنکی سینکڑوں سے زیادہ احادیث امام بخاری نے لی ہیں، وہ سنیت کے اجماعی عقیدے کی خلاف ورزی دیکھتے اور نہ روکتے بلکہ امام وکیع نے نہ صرف اسکو مباح سمجھا بلکہ اسکو یہ رائے اچھی بھی لگی اور انہوں نے اسکو پسند بھی کیا۔

صواعق محرقہ کے اسی ص ۵۲ پر امام عبدالرزاق کی عبارت بحوالہ معمر لکھنے کے بعد خطابی کی ایک عبارت نقل فرمائی؛ **ابو بکر خیر و علی افضل.**

ترجمہ:۔ابو بکر رضی اللہ عنہ اچھے ہیں اور علی رضی اللہ عنہ افضل ہیں۔

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کی اسی عبارت کو تکمیل الایمان ص ۵۷ پر یوں نقل کیا ہے: **ابو بکر خیر من علی و علی افضل من ابی بکر** ترجمہ؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے اچھے ہیں اور جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں۔

امام ابن حجر مکی نے خطابی کی اس عبارت سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ افضلیت ظنی ہے مگر شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے اس عبارت کی جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر تطبیق کی ہے۔وہ فرماتے ہیں:

اگر مراد خیریت ابو بکر از وجھے است و افضلیت علی از وجھے دیگر پس این سخنے است بیرون از دائرہ خلاف و خارج از محل نزاع

ترجمہ؛۔اگر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خیریت سے مراد کسی ایک وجہ سے خیر ہونا ہو اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا افضل ہونا کسی اور وجہ سے ہو تو یہ بات دائرہ خلاف اور محل نزاع سے خارج ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ شاہ عبدالحق محدث کو یہ بات جائز نظر آئی کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کسی اور وجہ سے افضل ہوں اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کسی اور وجہ سے افضل ہوں۔اب افضلیت مطلقہ کے مدعی کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑے گا جس نے افضلیت کے ساتھ مطلقہ کی قید بڑھائی جو ہمارے اسلاف کے ریکارڈ میں نہیں ملتی۔

امام خطابی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق

چونکہ امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اور شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خطابی کا حوالہ دیا مگر پوری عبارت اتفاق سے نقل نہ کی جاسکی۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ خود خطابی کا بھی تعارف کرایا جائے تاکہ خطابی کی بات سمجھنے میں مدد ملے اور ان کی وہ اصل عبارت بھی نقل کی جائے۔

خطابی،ابوسلیمان،احمد بن محمد،جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی اولاد میں سے ہیں شافعی المذہب علاقہ افغانستان شہر بست کے رہنے والے ہیں آپ کی علم حدیث میں بہت ساری تصنیفات ہیں۔آپ کا وصال ۳۸۸ھ میں ہوا۔آپ کی کتاب ''معالم السنن'' ''شرح سنن ابی داود'' کا حوالہ ج۴ص۲۸۰ص پر ہے۔عبارت یہ ہے:

قلـت : وللمتأ خرين فی هذا مذاهب ، منهم من قال بتقديم

ابی بکر من جھۃ الصحابۃ و بتقدیم علی من جھۃ القرابۃ و قال قوم: لا یقدم بعضھم علی بعض وقال بعض مشائخنا یقول : ابو بکر خیر و علی افضل ۔

ترجمہ:۔میں نے کہا؛اس (افضلیت) کے بارے میں متاخرین کے کئی ایک مذاہب ہیں۔ان میں سے بعض نے کہا؛ابو بکرؓ افضل ہیں بحیثیت ایک صحابی کے اور علیؓ افضل ہیں بحیثیت رشتہ دار ہونے کے۔اور ایک طبقہ نے کہا؛ان میں سے کسی کو کسی دوسرے پر افضلیت نہیں دینی چاہیے۔ ہمارے بعض اساتذہ کہتے تھے:۔ابو بکرؓ خیر ہیں اور علیؓ افضل ہیں۔

سب سے پہلی بات جو سمجھ میں آتی ہے وہ یہ ہے کہ اگر افضلیت حضرت ابو بکر صدیقؓ پر اجماع ہو چکا ہوتا (اجماع نصی تام) تو اسکا منکر کافر ہوتا جیسا کہ عنقریب کتب اصول کے حوالے سے بحث چھڑنے والی ہے جسمیں یہ بات ثابت کی جائے گی اور اجماع سکوتی ہوتا تو اس سے حکم کی ظنیت ثابت ہوتی مگر محققین کی تحقیق کے مطابق، جو چیز ضروریات دین میں سے نہ ہو اسمیں سکوت سے اجماع منعقد نہیں ہوتا جیسا کہ عنقریب بحوالہ کتب اصول یہ بات ثابت کر دی جائیگی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

کیونکہ متاخرین کے تین مذاہب اس عبارت میں خطابی نے ذکر کئے ہیں۔اگر افضلیت مسئلہ اجماعیہ ہوتا تو اہل علم کبھی متاخرین کے ان مذاہب کو درخور اعتناء نہ سمجھتے نہ ہی انہیں معاف کرتے بلکہ انہیں سنیت سے خارج کرتے،معلوم ہوا کہ سنیت سے اخراج کا جنون دور حاضر کی بیماریوں میں سے ہے۔جب اہل زمانہ انہیں

سزاوارتوجہ نہیں سمجھتے تو عوامی توجہ کومبذول کرانیکے لئے نئے نئے چٹکلے چھوڑتے ہیں۔

نیز ایک جہت سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اور دوسری جہت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل کہا ہے۔اگر اسکے بارے میں انتخاب رائے کی اباحت نہ ہوتی تو کیسے کئی آراء پرورش پاتیں۔

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ بحوالہ معمر کی عبارت اور یہ عبارت دونوں ظاہر کرتی ہیں کہ افضلیت کے تعین میں اہل سنت میں ایک حدتک آزادی تھی۔نیز اس عبارت میں ایک رائے توقف کی ہے جو اہل سنت میں پائی گئی ہے اس پر بہت سارے تائیدی حوالے پیش کئے جائینگے،انتظار فرمائیں۔

اجماع

الکلام فی الاجماع فی رکنه، و اهلیته من ینعقد به و شرطه و حکمه و سببه ، اما رکنه فنو عان : عزیمة و رخصة ، اما العزیمة فا لتکلم منهم بما یوجب الاتفاق منهم او شروعهم فی الفعل فیما یکون من بابه لان رکن کل شئی ما یقوم به اصله و الا صل فی نوعی الاجماع ما قلنا (اصول البزدوی ۳۔۲۵۔۲۲۳ص)

اما الرخصة فان یتکلم البعض و یسکت سائرهم بعد بلوغهم وبعد مضی مدة التأ مل و النظر فی الحادثة و کذالک فی الفعل وقال بعض الناس لا بد من النص و حکی هذا عن الشافعی (اصول البزدوی ۳.۷.۲۲۶ص)

ترجمہ۔(اب) بات (شروع کیجاتی ہے) اجماع کے بارے میں اسکے رکن کے بارے میں اور ان لوگوں کی اہلیت کے بارے میں جن سے اجماع منعقد ہوسکتا ہے۔ اسکی شرائط کے بارے میں، حکم کے بارے میں اور اسکے سبب کے بارے میں۔

اسکا رکن سو وہ دو قسم کا ہے (۱) عزیمت (۲) رخصت، عزیمت اس بات کا نام ہے کہ ان میں سے (مجتہدین سے) ایسا قول پایا جائے جو اُن کے اتفاق کو واجب کردے یا ان (مجتہدین) کا (اس کام) کو شروع کردینا اگر ان معاملات میں سے ہو جو از قسم فعل ہوتے ہیں۔ کیونکہ ہر شے کا رکن وہ چیز ہوتی ہے کہ جس سے اس کا اصل قائم ہوجائے۔ اور اجماع کی دونوں قسموں میں اصل وہ چیز ہے جو ہم نے کہی ہے۔
رخصت یہ ہے کہ بعض مجتہدین کسی واقعہ میں زبانی بول کر کہہ دیں اور باقی (مجتہدین) چپ رہیں، جبکہ انہیں یہ بات پہنچ جائے اور غور وفکر کرنیکے لئے جو مدت چاہئے وہ بھی گزر جائے۔ اور اسی طریقے سے کسی عملی معاملے میں بھی۔ بعض (اصولیوں) نے کہا کہ بات کی (زبانی) صراحت (ضروری) ہوگی اور (اجماع) خاموشی سے ثابت نہیں ہوگا۔ اور یہ بات امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے بھی ذکر کی گئی ہے۔

اسکی شرح میں امام عبدالعزیز بن احمد بخاری اپنی کتاب ''کشف الاسرار شرح اصول البزدوی'' میں فرماتے ہیں :

الاجماع فی اللغة هو العزم یقال اجمع فلان علی کذا اذا عزم علیه ومنه قوله تعالی اجمعوا امرکم ای اعزموا علیه و الاتفاق ایضا ومنه قولهم اجمع القوم علی کذا ای اتفقوا علیه والفرق بین المعنیین ان

الاجماع بالمعنی الاول یتصور من واحد و بالمعنی الثانی لا یتصور الا من اثنین فما فوقها و فی الشریعة قیل : هو عبارة عن اتفاق امة محمد (صلی الله علیه وآله وسلم) علی امر من الامور الدینیة

ترجمہ: اجماع لغت میں پختہ ارادے کا نام ہے کہا جاتا ہے فلاں نے فلاں کام کا پختہ ارادہ کرلیا ہے اور اسی قسم کا ارشاد باری ہے اجمعوا امرکم یعنی تم پختہ ارادہ کرلو۔

اور اجماع کا معنی اتفاق بھی ہے اور اسی قسم کا قول ہے: اجمع القوم علی کذا ای اتفقوا یعنی قوم نے اتفاق کرلیا ایسی ایسی بات پر اس پر متفق ہوگئے۔

دونوں معنی کے درمیان فرق یہ ہے کہ پہلے معنی میں اجماع کے معنی ایک سے بھی متصور ہوسکتے ہیں۔ اور دوسرے معنی میں تو اجماع کے معنی دو یا دو سے زیادہ ہی سے متصور ہوسکتے ہیں اور شریعت میں کہا گیا ہے "اس سے مراد امت کا کسی دینی کام پر اتفاق ہوجانے کا نام ہے۔"

امام عبدالعزیز بن احمد شارح اصول البزدوی فرماتے ہیں:

عزیمة : هی ما کان اصلا فی الاجماع اذ العزیمة هی الامر الاصلی

ترجمہ: "عزیمت" باب اجماع میں امر اصلی کا نام ہے۔

"رخصة" هی ما جعل اجماعا لضرورة اذمبنی الرخصة علی الضرورة ترجمہ: رخصت اس امر کا نام ہے جس کو قانون ضرورت کے تحت اجماع قرار دے دیا گیا ہے۔ کیونکہ رخصت کی بنیاد ضرورت پر ہے۔

اما العزیمة فالتکلم بما یوجب الاتفاق منهم او شروعهم فی الفعل فی

...يكون من باب الفعل على وجه يكون ذالک موجودا من الخاص و ...فيما يستوى الكل فى الحاجة الى معرفته بعموم البلوى فيه

...عزيمت اس بات کا نام ہے کہ (مجتہدین واضح طور پر) ایسی بات زبانی کریں ...سے ان کا اتفاق لازم قرار پائے۔ یا وہ کسی فعل کوشروع کرلیں اگر وہ عمل کی ...ے ہو تو، کسی ایسے طریقے سے کہ خواص وعوام میں موجود ہو جسکو جاننے کی ...ت میں بھی (خواص وعوام) برابر ہوں بوجہ ضرورت عامہ ہونے کے۔

امام عبدالعزیز بن احمد شارح اصول البز دوی ۳/۴۲۶ پر شذرات قلم کا ...ان فرماتے ہیں:

صورة المسئلة ما اذا ذهب واحد من اهل الحل والعقد فى ...عصر الى حكم فى مسئلة قبل استقرار المذاهب على حكم تلک المسئلة وانتشر ذالک بين اهل عصره ومضى مدة التأمل يكون ذالک اجماعا مقطوعا به عند اكثر اصحابنا وكذالک الفعل يعنى ...فعل واحد من اهل الاجماع فعلا وعلم به اهل زمانه ولم ينكر عليه ...بعد مضى مدة التأمل يكون ذالک اجماعا منهم على اباحة ذالک الفعل ويسمى هذا اجماعا سكوتيا عند من قال انه اجماع ...ذكر صاحب الميزان فيه ان الاجماع انما يثبت بهذا الطريق اذا كان ترک الرد والانكار فى غير حالة التقية وبعد مضى مدة التأمل ...ان اظهار الرضاء و ترک النكير فى حالة التقية امر معتاد بل امر مشروع رخصة فلا يدل ذالک على الرضاء وكذا السكوت

والامتناع عن الرد قبل مضی مدة التأمل حلال شرعا فلا یدل علی الرضاء فلهذا شرطنا مع السکوت وترک الانکار زوال التقیة ومضی مدة التأمل .ثم قال : لا یخلو من ان تکون المسئلة من مسائل الاجتهاد او لم یکن فان لم یکن لا یخلو من ان یکون علیهم فی معرفتها تکلیف او لم یکن علیهم فان لم یکن علیهم فی معرفتها تکلیف یجوز ان یقال :ان ابا هریرة افضل ام انس بن مالک فترک الانکار علی من قال فیها بقول لا یکون اجماعا لانه لم یکن علیهم تکلیف فی معرفة ذالک الحکم لم یلزمهم النظر فیه فلم یحصل لهم العلم بکونه صوریا او خطأ فلا یلزمهم الانکار اذذالک الانکار انما یلزمهم عند معرفة کونه خطأ واذا کان کذالک لم یبعد ان یترکوا الانکار فیه بناء علی عدم معرفة کونه خطأ قد یکون سکوتهم دلیل التسلیم و الرضاء واما اذاکان علیهم تکلیف فی معرفة حکم الحادثة یکون سکوتهم تصویبا ورضا بذالک الحکم .

ترجمہ؛صورت مسئلہ یہ ہے کہ جب اہل حل وعقد میں سے ایک دور میں کوئی کسی مسئلہ میں کوئی رائے قائم کرلے اس مسئلہ پر کوئی موقف طے ہونے سے پہلے اور یہ بات اسکے زمانے میں پھیل جائے اور اس پر غور کرنے کا زمانہ بھی گزر جائے اور اسکی مخالفت میں کوئی شخص سامنے نہ آئے تو یہ بھی ایک اٹل اجماع ہوگا۔ ہمارے اکثر احناف کے نزدیک اور اسی طریقے سے فعل (بھی) یعنی اہل اجماع میں سے کوئی شخص اگر ایک کام کرے اور اسکے اہل زمانہ جان لیں اور مدت تأمل گزر جانے کے بعد کوئی شخص

انکی مخالفت نہ کرے، (تو) یہ بھی اس فعل کے مباح ہونے پر انکی طرف سے اجماع ہو گا اور اس کا نام اجماع سکوتی ہوگا اسکے نزدیک جو اسے اجماع کہتا ہے اور صاحب میزان نے اسمیں ذکر کیا ہے کہ اس میں اس طریقے سے صرف اسی وقت اجماع ثابت ہو گا، جب ترک رد و انکار حالت تقیہ میں نہ ہوا اور مدت تامل کے گزرنے کے بعد، کیونکہ رضا کا اظہار اور ترک تردید حالت تقیہ میں ایک امر عادی ہے بلکہ بطور رخصت کے امر مشروع ہے۔ لہٰذا یہ (ترک تردید و مخالفت و اظہار رضا حالت تقیہ میں) رضا کے معنی نہیں دے گا اور اسی طریقے سے مدت تامل کے گزرنے سے قبل خاموش رہنا شرعاً حلال ہے۔ اور رضاء پر دلالت نہیں کرے گا اسی لئے ہم نے سکوت اور ترک انکار کے لئے تقیہ کا نہ ہونا اور مدت تامل کا گزر جانا لازمی قرار دیا ہے۔

پھر (صاحب میزان نے) کہا: (یہ مسئلہ جس پر اجماع مطلوب ہے) خالی نہ ہوگا یا مسائل اجتہادیہ میں سے ہوگا یا نہیں ہوگا۔

اگر وہ مسئلہ مسائل اجتہادیہ میں سے نہ ہوا تو پھر خالی نہ ہوگا یا اسکا جاننا واجب شرعی ہوگا (ضروریات دین میں سے ہوگا) یا نہیں ہوگا، اگر وہ (مسئلہ) واجبات شرعیہ میں سے نہیں ہوگا تو پھر یہ کہنا جائز ہوگا، ''ابوھریرہ رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا انس بن مالک رضی اللہ عنہ افضل ہیں؟'' تو جس نے اس بارے میں کوئی بھی قول کہا، اس پر ترک انکار سے اجماع منعقد نہیں ہوگا کیونکہ اس حکم کا جاننا ان (باقی مجتہدین) پر ضروری (واجبات شرعیہ سے) نہیں تھا اور غور و فکر کرنا، اس مسئلہ پر، انکے لئے ضروری نہیں تھا۔ اور ان کو اس مسئلے کے جائز یا ناجائز ہونے کا علم حاصل نہیں ہوسکا اسی لئے ان پر انکار ضروری نہیں تھا کیونکہ یہ انکار ان پر صرف اسی صورت میں لازم ہوگا جبکہ اسکے خطا ہونیکا انہیں علم ہو

جائے اور جب معاملہ ایسا ہے تو پھر یہ امید نہیں کہ وہ اس معاملے میں ترک انکار اس وجہ سے کریں کہ انہیں اس معاملے کے خطا ہونے کا علم نہیں، (لہذا) ان (مجتہدین کا) خاموش رہنا دلیل تسلیم و رضا نہیں۔ مگر جس وقت اس حادثہ (مسئلہ) کا جاننا ان (بقیہ مجتہدین) پر واجب شرعی ہو (ضروریات دین میں سے ہو) تو ان (بقیہ مجتہدین) کا خاموش رہنا اس حکم کی دلیل تسلیم و رضا ہوگا۔

اب مسئلہ اجماع شب مہتاب کی طرح جگمگا اٹھا ہے۔ چونکہ گزشتہ صفحات میں اس پر مضبوط بحث گزر چکی ہے کہ کسی بھی صحابی کی کسی دوسرے پر افضلیت ضروریات میں سے نہیں ہے لہذا اس پر لمبا چوڑا وقت خرچ کرنا بے سود ہے۔ امام عبدالبر ابو عمر یوسف اندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) اپنی کتاب الاستذکار ۱۴۔۲۳۹ پر تحریر فرماتے ہیں:

قد اجمع علماء المسلمین ان اللہ لا یسئل عبادہ یوم الحساب من افضل عبادی ، ولا ھل فلان افضل من فلان ولا ذالک مما یسئل عنہ احد فی القبر

ترجمہ؛ علمائے مسلمین نے اس پر اجماع کیا کہ اللہ تعالیٰ یوم قیامت کو اپنے بندوں سے نہیں پوچھے گا ''میرے بندوں میں سے افضل کون ہے'' اور نہ ہی یہ سوال کرے گا کہ ''کیا فلاں، فلاں سے افضل ہے؟'' اور نہ ہی یہ معاملہ ان معاملات سے ہے کہ جن کے بارے میں قبر میں کسی سے سوال ہوگا۔ یعنی یہ ضروریات دین میں سے نہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا دعویٰ کیا اگر دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم اس بارے میں خاموش بھی رہتے پھر بھی اس پر

اجماع سکوتی منعقد نہ ہوتا کیونکہ افضلیت کا مسئلہ ضروریات دین میں سے نہیں تھا لہٰذا اس پر خاموشی مفید اجماع نہ ہوتی۔ جیسا کہ ابھی عبدالعزیز بن احمد بخاری رحمۃ اللہ علیہ شارح اصول بزدوی ۳۔۲۲۶ کا حوالہ گزرا ہے کہ غیر ضروریات دین پر ایک مجتہد کے قول پر دوسرے مجتہدین کے خاموش رہنے سے اجماع منعقد نہیں ہوتا۔

یہاں تو پہلے جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث بلحاظ صحت محل کلام ہے:

قد عورض حديث ابن عمر هذا بحديث عبدالله بن مسعود (ابن عمر رضی اللہ عنہما کی اس حدیث کا جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی حدیث سے تعارض لازم آگیا)

روى شعبة عن ابن اسحاق عن عبدالرحمان بن يزيد عن علقمة عن عبدالله بن مسعود قال : قال كنا نتحدث ان افضل اهل المدينة على ابن ابى طالب (رضى الله تعالى عنهم)

ترجمہ:۔ ہم لوگ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کہا کرتے تھے کہ اہل مدینہ میں سے افضل حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب ہیں۔

اب جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی فقاہت میں بون بعید تسلیم ہوتا ہے اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول "کنا نتحدث" حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ جیسا کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا قول "کنا نفاضل" بھی حکماً حدیث مرفوع کہلائے گا۔ بوقت تعارض قول عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو ترجیح حاصل رہے گی۔ دور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کم عمر صحابہ میں شمار ہوتے تھے اس لئے ان کا شمار فقہاء صحابہ

میں نہیں ہوتا تھا۔مگراس کے برعکس حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مدتوں پہلے مسلمان ہوئے تھے۔آپ تاریخ اسلام میں چھٹے مسلمان تھے(اکمال فی اسماء الرجال، مصنف علامہ ولی الدین تبریزی ص ۶۰۵) حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے ان کے بارے میں فرمایا:

رضیت لامتی ما رضی لها ابن ام عبد و سخطت لها ما سخط لها ابن ام عبد

ترجمہ:۔میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز پسند کی ہے جو ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) نے پسند کی اور میں نے اپنی امت کے لئے وہ چیز ناپسند کی جو ام عبد کے بیٹے (عبداللہ بن مسعودؓ) نے ناپسند کی۔

اور جناب عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث درباره افضلیت علی مرتضیٰؓ کو جناب امام احمد بن حنبلؓ نے فضائل صحابہ ۲۔۴۸۷ پر بھی روایت فرمایا ہے۔جناب امام احمد بن حنبل کے روایت کرنے سے اسکو مزید تقویت ملتی ہے۔حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث پر مستقلاً تفصیلات آنے والی ہیں۔سردست اجماع پر گفتگو چل رہی ہے۔اجماع نصی کا کوئی دعویدار نہیں اور اجماع سکوتی کا دعویٰ بے بنیاد ہوگا جسکی دو بنیادی وجوہ ہیں۔

(۱) اگر بالفرض کوئی مجتہد جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کا دعویٰ کرتا تو باقی مجتہدین کے خاموش رہنے سے بھی یہ اجماع منعقد نہ ہوتا کیونکہ مسئلہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں ہے لہٰذا اس پر خاموشی مفید اجماع نہیں ہوسکتی جیسا کہ گذشتہ صفحات پر یہ امر واضح کیا جاچکا ہے۔

(۲) اس افضلیت کے دعویدار صرف حضرت عبداللہ بن عمرؓ ہیں جنکی مخالفت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کی جوان سے مقابلۃً بڑے فقیہہ اور مجتہد ہیں۔ نیز علامہ ابن عبدالبر اندلسی متوفی ۴۶۳ھ نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ۳۔۲۷ پر ان صحابہ کرام کی طویل فہرست پیش کی ہے جو حضرت علی مرتضیٰؓ کو ان کے غیر سے افضل سمجھتے تھے۔ اور ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ نے اپنی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴۔۱۱۱ پر تحریر کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت، کچھ مرجیہ، کچھ معتزلہ اور سارے خارجی متفق تھے اور جناب علی مرتضیٰؓ کی افضلیت کے بارے میں کچھ اہل سنت، کچھ مرجیہ،، کچھ معتزلہ اور سارے شیعہ متفق تھے۔

نیز یہ کہ بیس ۲۰ جلیل القدر صحابہ حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت زبیر بن العوامؓ کی افضلیت پر متفق تھے۔ جب اتنے اکابر صحابہ کا اختلاف موجود تھا اور آج تک ہے تو پھر جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع کیسے ہوسکتا تھا؟

مزید برآں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لیکر آج تک کے مسلمانوں میں جو اختلافی اقوال دربارہ افضلیت پائے گئے ہیں انکی تفصیل درج ذیل ہے۔ جس سے یہ دریافت کیا جاسکے گا کہ اجماع سکوتی میں دوسرے مجتہدین کے خاموش رہنے سے اجماع سکوتی منعقد ہوسکتا تھا مگر مندرجہ ذیل اقوال دیکھنے سے یہ حقیقت بے غبار ہو جائے گی کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر کبھی امت اکٹھی نہیں ہوسکی۔ لیجئے وہ اختلافی مواقف حسب ذیل ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ

حضرت ابو ہریرہ کا نظریہ یہ ہے کہ سب سے افضل حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ ہیں:

عن ابی ھریرۃ : قال ما احتذی النعال ولا انتعل ولا رکب المطایا ولا رکب الکور بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) افضل من جعفر (ترمذی ۲۔ا۔۲۴۰ص)

ترجمہ: کسی نے جوتا نہیں (عطف تفسیری، ولا انتعل ۔کسی نے جوتا نہیں پہنا) نہ ہی کوئی اونٹنیوں پر سوار ہوا اور نہ ہی کوئی اونٹ کے کجاوے میں سوار ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد جو جعفر طیار رضی اللہ عنہ سے افضل ہو۔

امام ابن حجر نے ''الاصابہ'' میں لکھتے ہیں:

وکان ابوھریرۃ یقول اِنہ' افضل الناس بعد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۔(الاصابہ ج اص ۲۷۲)۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ بے شک حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد تمام لوگوں سے افضل ہیں۔

اس جگہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی یہ رائے از قسم عقیدہ ہے اور عقائد توقیفی ہوتے ہیں جسمیں قیاس صحابی کا دخل تسلیم نہیں ہوتا لہٰذا یہ حدیث لفظاً موقوف ہوگی اور حکماً مرفوع ہوگی (تدریب الراوی)

حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ مکثرین میں سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والے ہیں، سن خیبر میں مسلمان ہو کر ۵۹۔۵۷ھ میں مدینہ طیبہ میں واصل باللہ ہوئے۔یہ کیسے ممکن تھا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہوتا اور انہیں

پتہ نہ چلتا اور اگر پتہ چل جاتا تو پھر وہ یہ قول دہراتے، اور امام ترمذی جو تیسری صدی ہجری کے آدمی ہیں وہ اس قول کو حدیث جان کر مجموعۂ حدیث میں شامل کر لیتے۔

فرزندِ رسول حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت

ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵٦ھ اپنی کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ج ۴ ص ۱۲۰ میں لکھتے ہیں؛

فلو قال قائل : ایما افضل فی الجنة و اعلی قدرا ، مکان ابراهیم بن رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) او مکان ابی بکر و عمر و عثمان و علی (رضی اللہ عنهم) قلنا مکان ابراهیم اعلی بلاشک

ترجمہ؛۔ اگر کوئی کہنے والا کہے کہ جنت میں کون افضل ہوگا؟ اور کس کی قدر اعلیٰ ہو گی۔ جناب ابراھیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکان (اعلیٰ ہوگا) یا ابوبکر صدیق یا مکان عمر یا مکان عثمان غنی یا مکان علی مرتضٰی؟ (رضی اللہ عنہم) ہم کہیں گے کہ مکان ابراھیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے اعلیٰ ہوگا۔ اور اسکی وجہ عمل صالح نہیں ہوگا بلکہ یہ فضل اختصاصی ہوگا۔

(ولکن ذالک المکان اختصاص مجرد لابراهیم المذکور لم یستحقه بعمل)

ترجمہ؛ لیکن حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرتبے کی بلندی محض فضل اختصاصی ہے۔ کسی عمل کی وجہ سے وہ اس مکان کے حقدار نہیں ہوئے۔

یعنی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ کو خلفائے اربعہ پر افضلیت ملی ہے

اسکا نام کثرت ثواب نہیں بلکہ کثرت ثواب والے لوگ پیچھے رہ گئے اور فضل اختصاص والی شخصیت آگے نکل گئی۔ اگرچہ یہ کہنے کی اجازت نہیں ہو گی حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ بن رسول اللہ، ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں اور نہ ہی یہ کہنے کی اجازت ہوگی کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر رضی اللہ عنہ، ابراھیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ سے افضل ہیں۔ اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے:

فلا یقال ان ابراھیم ابن رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) افضل من ابی بکر او عمر فلا یقال ان ابا بکر و عمر افضل من ابراھیم (رضی الله عنھم) (کتاب الفصل فی الملل والاھواء والنحل ۴۔ص ۱۲۰)

ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کی افضلیت

مزید برآں ابن حزم اندلسی لکھتے ہیں: **المفاضله واقعة بین الصحابة و بین نساء رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) لان اعمالھم وسوا بقھم لھا مراتب متناسبة بلاشک فان قال قائل انھن لو لا رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) ما حصلن تلک الدرجة وانما تلک الدرجة له علیه السلام قلنا و بالله تعالی التوفیق نعم ولا شک ایضا فی ان جمیع الصحابة لولا رسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) ما حصلوا ایضا علی الدرج التی لھم فیھا**

ترجمہ:۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور ازواج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے درمیان مفاضلہ (ایک دوسرے پر فضیلت دینا) ہوا ہے کیونکہ بلاشبہ انکے اعمال اور سبقتوں

میں مناسب درجات تسلیم ہوتے ہیں۔ پس اگر کوئی کہنے والا کہے کہ "اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو وہ (ازواج مطہرات) یہ درجات حاصل نہ کر پاتیں، یہ درجات کوان کو صرف انکی وجہ سے ملے ہیں"۔ ہم (جواباً) کہیں گے؛، اور اللہ کے ہاں توفیق خیر ہے! ہاں بلا شک یہ بھی (حقیقت ہے) کہ جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ ہوتے تو وہ (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) ان درجات کو حاصل نہ کر سکتے جو انہیں حاصل تھے۔

ازواج مطہرات کے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہونے پر ابن حزم اندلسی متوفی ۴۵۶ھ، قرآن حکیم کی ایک اندرونی شہادت پیش کرتے ہیں:

ومن یقنت منکن لله و رسوله و تعمل صالحا نؤتها اجر ها مرتین (۳۳۔۳۱) ترجمہ؛۔ جو کوئی تم میں سے اللہ اور رسول کی اطاعت کرے اور اچھے عمل کرے ہم اسے دوگنا اجر دیں گے۔

اسی صفحہ پر ابن حزم اندلسی تحریر فرماتے ہیں:

فهذا فضل ظاهر و بيان لا ئح فی انهن افضل من جميع الصحابة (رضی الله تعا لی عنهم)

ترجمہ؛۔ (پروردگار کا) یہ ارشاد واضح فضل الٰہی ہے اور واضح بیان ہے کہ وہ (ازواج مطہرات) جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل ہیں۔

یعنی سورۃ ۳۳ کی آیت نمبر ۳۱ نے واضح طور پر بتلا دیا کہ اگر جمیع صحابہ کرام اور پوری امت ایک نیکی کرے تو انہیں انکے عمل کی مناسبت سے اکہرا ثواب ملے گا مگر

ازواج مطہرات وہی عمل کریں تو ان کو جملہ امت کے افراد کے مقابلے میں دوگنا ثواب دینگے۔اس تحقیق سے ثابت ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مقابلے میں ازواج مطہرات افضل ہیں۔ان حقائق سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر نہ ہی نصی اجماع ہوا ہے اور نہ ہی سکوتی اجماع ہوا ہے۔

حضرت امام عبدالرزاقؒ اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ اور حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ اور امام حسن رضی اللہ عنہ اور بھی بعض دیگر صحابہ کا ایسا ہی خیال تھا (یعنی وہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو باقی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خصوصاً شیخین سے افضل سمجھتے تھے)۔فتاویٰ عزیزیہ فارسی ج ا ص ۱۸۲ مصنفہ شاہ عبدالعزیز صاحب محدث دہلویؒ۔

شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی اور انکے والد صاحب شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ ہیں، جنہوں نے ہندوستان میں شیعہ کے خلاف شدومد سے کام کیا ہے جنکی قلمی یادگاریں اس موضوع پر واضح طور پر موجود ہیں۔اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت تامہ ومطلقہ پر اجماع ہوا ہوتا تو شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ ان حضرات کے اسمائے گرامی اہل سنت کی فہرست میں کیونکر دیتے۔اور اس عقیدہ والے کے پیچھے نماز پڑھنے کو کیوں جائز قرار دیتے۔نیز انکا یہ لکھنا ”حضرات شیخین رضی اللہ عنہما افضل ہیں یا حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ“ اس اختلاف کی وہی حیثیت ہے جو اشاعرہ اور ماتریدیہ کے اختلاف کی حیثیت ہے (اشاعرہ اور ماتریدیہ میں تو حق دائر ہے حق معین نہیں ہے جسکا مطلب یہ ہوگا کہ شیخین رضی اللہ عنہما یا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں حق دائر ہے ان میں سے کسی کو بھی افضل جانے، حق بجانب ہوگا)۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی افضلیت

ابن حزم متوفی ۴۵۶ھ اپنی کتاب الفصل ج ۴۔ص ۱۱۱ پر لکھتے ہیں:

روینا عن مسروق بن الاجدع و تمیم بن خدیم و ابرا ھیم النخعی وغیرھم ان افضل الناس بعد رسول اللہ (صلی اللہ علیه و آله وسلم) عبداللہ بن مسعود و قال تمیم و ھو من کبار التا بعین رأیت ابا بکر و عمر فما رأیت مثل عبداللہ بن مسعود

ترجمہ:۔ہم نے مسروق بن اجدع اور تمیم بن خدیم اور ابراہیم نخعی سے روایت کیا "حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد سب سے افضل عبداللہ بن مسعودؓ ہیں۔اور تمیم نے کہا جبکہ وہ کبار تابعین سے تھے۔میں نے ابوبکرؓ اور عمرؓ کو دیکھا مگر انہیں عبداللہ بن مسعودؓ جیسا نہیں پایا۔

تین کبار تابعین نے بتایا کہ وہ عبداللہ بن مسعودؓ کو سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد ساری امت سے افضل اعتقاد کرتے تھے یہ تینوں حضرات اکابر تابعین سے ہو کر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی پوری امت پر افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت پر اجماع نصی یا سکوتی منعقد ہوا ہوتا تو یہ لوگ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی افضلیت کے کیسے دعویدار ہوتے؟

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی باقی جمیع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر افضلیت کا عقیدہ ایک واضح عقیدہ تھا جو آپ کے جملہ تلامذہ میں متفقہ طور پر پایا جاتا تھا۔"تذکرۃ الحفاظ" مصنفہ امام شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذھبی ج ۱۔ص ۱۷۔۱۶ ملاحظہ فرمائیے:

اتفق موته بالمدینة سنة اثنتین و ثلاثین وله نحو من ستین سنة و کان تلامذته لا یفضلون علیه احدا من الصحابة (رضی اللہ تعالی عنھم)

ترجمہ:۔آپ کی موت مدینہ (طیبہ) میں ۳۲ھ میں واقع ہوئی اور انکے شاگرد کسی بھی صحابی ﷺ کو ان سے افضل نہیں سمجھتے تھے۔

اگر حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کی افضلیت شرط سنیت ہوتی تو یہ لوگ سنی کہلانے کے حقدار نہ ہوتے جبکہ یہ لوگ سنیت کے علمبردار ہیں اور امام ابوحنیفہ ﷺ کے سلسلہ تعلیمات کے بانی ہیں اور اگر افضلیت حضرت ابوبکر صدیق ﷺ کا انکار کرنے سے سنیت سے اخراج لازم آتا تو یہ لوگ سنیت سے خارج کر دیے جاتے۔اور امام ابوحنیفہ ﷺ کو بھی کبھی سنیت کی دنیا میں امام اعظم کا لقب ارزانی نہ ہوتا۔

حضرت سیّدہ خاتون جنت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کی افضلیت

امام عبدالروف مناوی اپنی کتاب ''سیدۃ النساء'' (اتحاف السائل بما بفاطمۃ من المناقب والفضائل) ص ۱۶ پر رقمطراز ہیں:

عن عائشة رضی اللہ تعالی عنھا انھا قالت ما رأیت افضل من فاطمة غیر ابیھا ترجمہ:۔جناب عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا:''میں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سوا سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا سے افضل کسی کو نہیں پایا'' (طبرانی معجم الاوسط ۲۷۱۹، مجمع الزوائد ۹۔۲۳۷، مسند ابو یعلی ۴۶۸۱)

اگر جناب ابوبکر صدیق ﷺ کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا تو جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کی افضلیت کا قول کیسے کرتیں؟ جبکہ سرکار

دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان تھا: خذوا ثلثی دینکم من ھذہ الحمیراء (اس گلفام سے دین کا دوتہائی حاصل کرو۔ اتنی فقاہت کے ہوتے ہوئے اس اجماع کو مدنظر رکھتیں۔ اور آپ کا وصال ۵۷ھ میں ہوا اور جناب ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے آپ کا جنازہ پڑھایا اور تادم آخرین اس قول سے آپ نے رجوع نہ فرمایا۔

بعض اہل علم نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اَحب ہونے سے بھی انکی افضلیت مطلقہ پر استدلال کیا ہے۔ مگر امام مناوی اسی کتاب کے اسی صفحہ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن النعمان بن بشیر : استأ ذن ابو بکر علی المصطفی فسمع عائشة عالیا و ھی تقول واللہ لقد عرفت ان فاطمة و علیا احب الیک منی و من ابی مرتین او ثلاثا فاستأذن ابو بکر فا ھو ی علیھا فقال یا بنت فلان الا سمعتک ترفعین صوتک علی رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) . رواہ الامام احمد و رجالہ رجال الصحیح.

ترجمہ: نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے؛ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہونا چاہا تو انہوں نے جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو اونچی اونچی آواز سے باتیں کرتے ہوئے پایا اور وہ کہہ رہی تھیں؛ خدا کی قسم مجھے معلوم ہے کہ آپ کو فاطمہ رضی اللہ عنہا اور علی رضی اللہ عنہ مجھ سے اور میرے والد سے زیادہ دوگنا یا تین گنا زیادہ پیارے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اجازت لیکر جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو خطاب کیا اور کہا؛ اے فلاں کی بیٹی! کیا میں نے تمہیں

نہیں سنا کہ تم جناب رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے اونچی آواز سے بات کرتی تھیں؟ اسکو امام احمد نے روایت کیا اور بتایا کہ اسکے راویان صحیح کے راویان ہیں۔

اب اگر احبیت بھی بقول بعض اہل علم کے موجب فضیلت ہے تو وہ بھی جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ اور جناب سیدہ رضی اللہ عنہا کو حاصل ہے۔ یہ ''اجماعِ مبیّن'' جنکے حق میں ہوا اُن کو کیوں معلوم نہیں اور انکے گھر والوں کو کیوں معلوم نہیں۔ اصولی طور پر تو باپ کے فضائل جسقدر بیٹی کو یاد ہو سکتے ہیں، اسقدر کسی دوسرے کو یاد ہونا محالات عادیہ میں سے ہے۔

حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نظریہ

جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کے خلاف آراء میں سے ایک درج ذیل ہے۔ حافظ ابو بکر احمد بن علی الخطیب بغدادی متوفی ۴۶۳ھ اپنی کتاب تاریخ بغداد ۹۔۲۹۲ میں تحریر فرماتے ہیں: قال فاما العباس فمات و علی عنده افضل الصحابة ترجمہ: ۔رہی بات عباس رضی اللہ عنہ کی سو وہ وفات پا گئے جبکہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ان کے نزدیک سب صحابہ سے افضل تھے۔

اگر سُنّیت کے لئے جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنا ضروری ہوتا تو لوگ انہیں سنی نہ سمجھتے۔ آپ کا وصال ۳۲ھ میں ہوا اور آپ اسی عقیدہ پر تھے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور افضلیت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ میں حق دائر سمجھا جاتا تھا ورنہ خود حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی جملہ اولاد اور جملہ علوی، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل کیسے سمجھ سکتے اگر اجماع نصی یا سکوتی حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر ہو چکا ہوتا تو اجماع نصی کی صورت میں منکر کافر ہوتا اور اجماع سکوتی کی صورت میں مبتدع ہوتا مگر ان میں سے کوئی بھی ٹائٹل ان لوگوں کو نہیں دیا گیا جس سے ثابت ہوا کہ افضلیت کا عقیدہ محض اختیاری تھا اسلئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس کو بھی افضل سمجھا وہ حق پر تھے۔

حضرت امام حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ کا نظریہ

ابن حزم اندلسی اپنی کتاب الفصل فی الملل ج ۴۔ص ۱۳۴ پر لکھتے ہیں؛

کان عمار بن یاسر و الحسن بن علی یفضلان علی ابن ابی طالب علی ابی بکر و عمر (رضی اللہ تعالی عنہم)

ترجمہ:۔عمار بن یاسر اور حسن بن علی، جناب علی مرتضیٰ کو حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر سے افضل سمجھتے تھے۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم)

امام حسن رضی اللہ عنہ اپنے وقت میں خلیفہ راشد گزرے ہیں جنکا قول اور فعل باقی خلفائے راشدینؓ کی طرح شرع میں سند اور حجت کی حیثیت رکھتا ہے۔اسی طرح حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سابقین اولین میں سے ہیں انہوں نے آگ میں کھڑے ہو کر بھی اسلام پر استقامت دکھلائی۔ان دونوں حضرات کا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھنا اور تادم آخرین جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا ساتھ دینا اور ۳۷ھ میں جنگ صفین میں جام شہادت نوش فرمانا، اس امر کی وضاحت کرتا ہے کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے نزدیک اگر یہ عقیدہ حد مفتری کو مستلزم ہوتا یا کم از کم قابل اعتراض ہوتا تو امام حسن رضی اللہ عنہ اس بات کے زیادہ حقدار تھے کہ انہیں تنبیہ کر دی جاتی کہ یہ عقیدہ قابل

اعتراض ہے اس سے تائب ہو جانا ضروری ہے۔ مگر اسکے برعکس جملہ،عباسیہ،علویہ،فاطمیہ،ہاشمیہ اور بیسیوں فقہاء و مجتہدین و افاضل صحابہ (رضی اللہ عنہم) کا افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ ہونا اس امر کی شہادت ہے کہ مسئلہ افضلیت اختیاری تھا۔حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے جملہ تلامذہ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو افضل جانا۔جناب سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے جناب خاتون جنت سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو بعد از نبی سب سے افضل سمجھا،حضرت ابوھریرہ رضی اللہ عنہ نے جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل سمجھا،امت کے کسی بھی صاحب علم نے ان بزرگوں کے بارے میں کوئی حقیر کلمہ نہیں بولا معلوم ہوا کہ بحوائے ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم سب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مینار ھدایت سمجھا لہٰذا ان میں سے کسی کے قول کی بھی پیروی کی جائے تو موجب رشد و ھدایت ہوگی۔

سیّدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور سیّدنا ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق

امام محمد عبدالرؤف المناوی متوفی ۱۰۳۱ھ اپنی کتاب فیض القدیر ج۴ ص ۵۵۵ میں لکھتے ہیں: **و ذکر علیم الدین العراقی ان فاطمة و اخاھا ابراھیم افضل من الخلفاء الاربعة بالا تفاق**

ترجمہ:۔علیم الدین عراقی نے ذکر کیا ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور اسکے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ متفقہ طور پر خلفائے اربعہ سے افضل ہیں۔اسی طرح شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب "تکمیل الایمان" ص ۵۷ پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں:

شیخ جلا ل الدین سیوطی در کتاب خصا ئص کبریٰ از امام علیم

الدین عراقی نقل کردہ است کی فاطمۃ و برادر وے ابراھیم با اتفاق افضل اند از خلفاء اربعہ۔

ترجمہ: امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں علیم الدین عراقی سے نقل کیا ہے کہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا اور انکے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ خلفائے راشدین سے متفقہ طور پر افضل ہیں۔

امام سیوطی نے اپنی کتاب خصائص کبریٰ کی تلخیص ''**انموذج اللبیب المعروف بخصائص صغریٰ**'' میں ص ۵۶ پر اس عبارت کو نقل فرمایا ہے۔

امام سیوطیؒ جو کہ متصلب قسم کے اشعری ہیں وہ جناب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اور آپ کے بھائی ابراہیم رضی اللہ عنہ کی افضلیت خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم پر ثابت کر رہے تھے بحوالہ علیم الدین عراقی تو اسوقت کے دانشوروں اور انکے بعد آنے والے علمائے کرام نے علیم الدین عراقی کو اہل سنت سے خارج کیوں نہ کیا اور کم از کم امام سیوطی ان پر اعتراض کر دیتے یا تردید کر دیتے تو بات سمجھ میں آجاتی کہ یہ عقیدہ قابل اعتراض ہے جیسا کہ امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی باقی تحریروں میں اس بارے میں زور پایا جاتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس موقع پر اپنے دلائل کے ضعف کو محسوس فرما رہے تھے، ورنہ وہ اس مقام پر ضرور تردید کرتے۔

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے یہاں پر تردید نہیں کی بلکہ تائید کے طور پر امام مالک رضی اللہ عنہ کا قول بھی پیش فرما دیا جس میں امام مالک رضی اللہ عنہ نے خاتون جنت رضی اللہ عنہا کی تمام امت پر افضلیت بیان فرمائی: **لا افضل علیٰ بضعۃ من النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم احدًا** (الخصائص الصغریٰ ص ۵۷)

یعنی امام مالک فرماتے ہیں، میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جگر گوشہ یعنی سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا پر کسی کی فضیلت تسلیم نہیں کرتا۔

لیجئے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس جگہ باوجود متصلب اشعری ہونے کے یہاں سپر انداز ہوتے ہیں۔ (درمنثور ج۶۔ص ۵۸۹ تصنیف امام سیوطی)

اخرج ابن مردویہ عن عائشة رضی الله تعالی عنها قالت : قلت : یارسول الله (صلی الله علیه و آله وسلم) من اکرم الخلق علی الله، قال : یا عائشة اما تقرئین " ان الذین آمنو ا وعملو ا الصلحات اولئک هم خیر البریة .

ترجمہ؛۔ جولوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہ لوگ سب سے افضل لوگ ہیں۔

اخرج ابن عساکر عن جابر بن عبدالله قال: کنا عند النبی (صلی الله علیه و آله وسلم) فا قبل علی فقال النبی (صلی الله علیه و آله وسلم) : والذی نفسی بیده ان هذا و شیعته لهم الفائزون یوم القیامة و نزلت : ان الذین آمنوا و عملوا الصلحات او لئک هم خیر البریة : فکان اصحاب النبی اذا اقبل علی قالوا : جاء خیر البریة

ترجمہ؛۔ ابن عساکر نے جابر بن عبداللہ انصاری سے حدیث اخراج کی، انہوں نے کہا "ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس تھے کہ اتنے میں علی مرتضیٰ علیہ السلام آ نکلے تو سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا" اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، یہ شخص اور اسکی جماعت کے لوگ ہی قیامت میں کامیاب ہونے

والے ہیں'' اور یہ آیت نازل ہوئی ''بیشک جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیے وہی لوگ بہترین مخلوق ہیں''، تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جب کبھی علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ انکے سامنے آجاتے تو وہ کہتے ''سب مخلوق میں سے اچھا شخص آگیا''

جاء خیر البریة اخرج ابن عدی و ابن عساکر عن ابی سعید مرفوعا: علی خیر البریة (درمنثور ج ٦ ص ٥٨٩). ترجمہ؛ عدی و ابن عساکر نے ابوسعید سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ''علی رضی اللہ عنہ بہترین مخلوق ہے''۔

اس جگہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے افضل کہا گیا، اس سے مراد ساری اُمت، سارے صحابہ رضی اللہ عنہم ہیں (انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام بداہت عقلی سے مستثنٰی ہیں)۔ یہاں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو سب مخلوق سے اچھا فرمانا ایک حجت تو یہ شرعیہ ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اس پر عمل فرمانا اس بات کا ثبوت ہے کہ اسمیں سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت نہیں ہے بلکہ اُمت کا مجموعی عقیدہ ہے۔ یہاں کوئی تاویل ممکن نہیں ہو گی کیونکہ امام سیوطی افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اندر ایک سخت گیر وکیل ہیں۔ یہاں ان کا یہ لکھنا صاف طور پر سپر انداز ہونا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور مقام علی المرتضٰی رضی اللہ عنہ

امام دار قطنی نے شعبی سے ایک حدیث کا اخراج کیا: **اخرج الدار قطنی عن الشعبی: قال بینما ابو بکر جالس اذ طلع علی فلما رأہ قال من سرہ ان ینظر الی اعظم الناس منزلة و اقربهم قرابة و افضلهم حالة و اعظمهم حقا**

عند رسول اللہ (صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم) فلینظر الی ھذا الطا لع.

ترجمہ؛ جب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بیٹھے ہوئے تھے تو ناگاہ علی مرتضی رضی اللہ عنہ ادھر آ نکلے جب انہوں نے انہیں (علی مرتضی رضی اللہ عنہ) کو دیکھا تو کہا؛ جو آدمی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ سب سے اعلی مقام والے، سب سے قریبی، سب سے افضل حالت والے، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی، بارگاہ میں سب سے بڑے حقدار کو دیکھے وہ اس سامنے ہونے والے کو دیکھے۔

دار قطنی میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس قول کو جو لفظاً حدیث موقوف ہے مگر حکماً حدیث مرفوع ہے دیکھنے پر انسان جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے علی مرتضی رضی اللہ عنہ کے بارے میں عقیدہ سے آشنا ہو جائے گا۔ اعظم الناس منزلۃً (سب سے بڑے رتبہ والا) کہنا، افضلھم حالۃً کہنا علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کو پوری طرح واضح کرتا ہے۔ اگر غیر ابوبکر صدیق کو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے افضل سمجھنا سُنّیت سے خروج کے معنی دیتا ہے پھر تو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی سنیت بھی خطرے میں پڑ گئی ہوتی؟

معلوم ہوا کہ اس مسئلہ پر چنداں زور ڈالنا دور حاضر کے بعض دانشوروں کا طبع زاد کارنامہ ہے۔ اور اسی حدیث کو قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ کتاب ُالریاض النضر ۃ فی مناقب العشر ہ، ج۴۔ ص۱۱۹ پر روایت کیا گیا ہے۔ اور اسی کتاب کے صفحہ ۱۱۹۔۱۱۸ پر محبّ الدین طبریؒ نے روایت کیا؛

قال جاء ابو بکر و علی یزوران قبر النبی (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بعد وفاتہ ستۃ ایام، قال علی لابی بکر : تقدم یا خلیفۃ رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) فقال ابو بکر ما کنت لا تقدم رجلا سمعت

رسول الله (صلى الله عليه وآله وسلم) يقول علی منی کمنزلتی من ربی

ترجمہ: حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وصال پاک کے چھ دن بعد، ابو بکر صدیق ﷜ وعلی مرتضی ﷜ قبر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کے لئے حاضر ہوئے، علی مرتضی ﷜ نے ابو بکر صدیق ﷜ سے کہا؛۔اے خلیفۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ آگے ہوں۔ابو بکر صدیق ﷜ نے کہا؛۔میں ایسے آدمی سے آگے بڑھنے کا نہیں ہوں (جسکے بارے میں) سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا؛علی مرتضی ﷜ کا مرتبہ میرے سامنے ویسے ہی ہے جیسا کہ میرا مرتبہ پروردگار کے سامنے ہے۔

ظاہر ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مرتبہ بزم انبیاء میں یکتا و بے ہمتا ہے۔تو اس تشبیہ کا مقصد یہ ہوگا کہ علی مرتضی ﷜ کا مرتبہ صفوف صحابہ رضی اللہ عنہم میں یکتا و بے ہمتا ہے۔حضرت ابو بکر صدیق ﷜ کی روایت کے بعد غالب حاجت نہیں رہتی۔

حضرت ابو بکر صدیق ﷜ نے افضلیت علی مرتضی ﷜ کا اظہار فرما کر یہ مسئلہ واضح کر دیا کہ علی المرتضی ﷜ کو افضل سمجھنا یہ عقیدہ ابو بکر صدیق ﷜ ہے۔

مذکورہ بالا روایات کے مزید حوالہ جات ملاحظہ ہوں:

☆حلية الاولياء، جلداول ص ۱۰۶ . للامام ابونعیم اصفهانی(م ۴۳۰ھ).

☆الصواعق المحرقه ص ۱۷۷ .للامام ابن حجر مکی

☆جواهر العقدین، ص ۳۸۰، للامام نور الدین علی السمهودی(م ۹۱۱ھ)

حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک اور نظریہ

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب "الاصابہ فی تمیز الصحابہ" ج ا ص ۲۳۵ پر ارشاد فرماتے ہیں:

عن عائشہ رضی اللہ عنہا قالت ثلاثة من الانصار لم یکن احدمنھم یلحق فی الفضل کلھم من بنی عبدالاشھل، سعد بن معاذ، اسید بن حضیر و عباد بن بشر۔

ترجمہ: تین انصاری تھے جن کو مرتبے میں کوئی بھی نہیں پہنچ سکتا تھا اور وہ سارے بنی عبدالاشہل میں سے تھے۔ (ا) سعد بن معاذ (۲) اُسید بن حضیر (۳) عباد بن بشر۔ جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا عقیدہ درباره سیدة فاطمہ رضی اللہ عنہا بطور افضلیت مطلقہ لکھا جا چکا ہے، باستثنائے سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (جو بداہۃ عقلیہ سے مستثنیٰ ہیں) تین انصار تھے جن کا مرتبے میں کوئی شریک نہیں تھا۔ اس جگہ جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے بیان سے پتہ چلتا ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اجماع میں میں جناب عائشہ رضی اللہ عنہا شریک نہیں جبکہ آپ مجتہدہ ہیں، اگر اس پر اجماع ہوا ہوتا تو جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو ضرور پتہ ہوتا، جبکہ آپ کا وصال 57/58ھ میں ہوا اور آپ کا جنازہ جناب ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھایا۔

اس پر بڑی حیرت ہوتی ہے کہ جب کوئی کسی بھی صحابی کو افضل کہے اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی نفی لازم آتی ہو، دور حاضر کے دانشور پر سکتہ طاری نہیں ہوتا ہے اور خاطر عاطر پر ہرگز یہ بات گراں نہیں گزرتی مگر جونہی علی

مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام لیا جائے آتش بداماں ہو جاتا ہے۔

ملاحظہ فرمایئے جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے قبیلہ عبدالاشہل کے تین صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا نام لیا انہیں پوری اُمت سے افضل کہا مگر کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگی، اگر بالفرض علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا نام آ جاتا کئی گھروں میں صف ماتم بچھ جاتی، شورِ محشر برپا ہو جاتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ بغضِ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ جن کو ورثے میں ملا ہے انہیں علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے ساتھ پرخاش کے لئے کوئی بہانہ چاہئے ہوتا ہے۔ ورنہ افضلیت و مفضولیت چنداں جھگڑے کی بات نہیں، یہ ضروریاتِ دین میں سے ہی نہیں پھر جھگڑا کیسا؟ اگر ضروریاتِ دین میں سے ہوتا تو منکر کو کافر کہتے۔

حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کی افضلیت

امام حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ج ۲ ص ۱۵۸ پر حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کا ذکر فرما رہے ہیں:۔ (اما انه لاخیرهم واحبهم الی رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم (اخرجه احمد و البخاری) ترجمہ: لیکن (زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ) وہ تو یقیناً سب صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو۔

یہاں پر امام ابن حجر عسقلانی نے بحوالہ امام احمد اور بخاری جناب زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو، سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں سب سے افضل کہا اور سب سے زیادہ پیارا کہا۔ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہو چکا ہوتا تو زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل اور سب سے زیادہ محبوب کیسے کہا جاتا؟

اس جگہ وہی سوال ابھر کر سامنے آ جاتا ہے کہ اگر ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت دین کی کوئی اتنی بے حد ضروری چیز تھی اور سنیت کا بنیادی عقیدہ تھا تو اس جگہ دینی رگ حمیت کیوں نہ پھڑکی۔ وہ حساس طبعیتیں کیوں برہم نہ ہوئیں جو نامِ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سن کر فوراً آتش بداماں ہو جاتی ہیں۔

حضرت ابوطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کا نظریہ

امام ابن حجر عسقلانی متوفی 852ھ اپنی کتاب الاصابہ فی تمییز الصحابہ ص 193 جلد 7 پر تحریر فرماتے ہیں۔

قال صالح ابن احمد بن حنبل عن ابیه ابی الطفیل مکی ثقة قال البخاری فی التاریخ الصغیر عن ابی الطفیل قال ادرکت ثمان سنین عن حیاة النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال ابو عمر، کان یعترف بفضل ابی بکر و عمر لکنه یقدم علیاً.

ترجمہ: صالح بن احمد بن حنبل (رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنے والد سے روایت کیا: ابوالطفیل مکی ثقہ ہیں اور بخاری نے تاریخ صغیر میں لکھا ہے ابوالطفیل کے حوالے سے، انہوں نے کہا میں نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی (ظاہری) زندگی کے آٹھ سال پائے، ابوعمر نے کہا (ابوالطفیل) ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو اُن سے افضل سمجھتے۔

یہاں بتائیے کہ جناب ابوالطفیل ایک جلیل القدر صحابی ہیں جو جناب شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کے فضل و شرف کے قائل تھے مگر وہ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل

سمجھتے تھے۔ اگر جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع ہو گیا ہوتا تو اس اجماع کی مخالفت یہ صحابی ہو کر کیسے کرتے؟ یہ ابوالطفیل عامر بن واثلہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں جنہوں نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آٹھ سال صحبت پائی اور 102ھ میں مکہ شریف میں سب سے آخری صحابی کی حیثیت سے رحلت فرما ہوئے۔ اس کا معنی یہ ہوگا کہ اگر یہ حضرات شیخین سے جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھتے تھے تو ہرگز اجماع دربارۂ افضلیت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کوئی وجود نہیں رکھتا تھا کیونکہ یہ سب سے آخری صحابی تھے۔ اگر صحابہ کا اجماع دربارۂ افضلیت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوا ہوتا تو انہیں ضرور پتہ ہوتا اور یہ اس کے خلاف کبھی نہ کرتے جبکہ یہ طویل الصحبت صحابی تھے اور سب سے آخر میں وفات پائی۔

فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی رضی اللہ عنہ امام المتقین

امام حافظ ابی القاسم علی بن الحسن بن ھبۃ اللہ بن عبداللہ شافعی المعروف ابن عساکر متوفی 571ھ اپنی کتابت تاریخ مدینہ دمشق ج ۴۲ ص ۳۷۰ پر تحریر فرماتے ہیں: قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرحبا بسید المسلمین وامام المتقین" (تمہارا آنا مبارک! اے سارے مسلمانوں کے سردار اور سارے متقیوں کے امام)۔

یہ حدیث مرفوع ہے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو تمام مسلمانوں کا سردار فرمانا جملہ اُمت محمدیہ میں افضلیت کی کافی دلیل نہیں ہے کیا؟ سب اتقیاء کا سردار فرمانا، سب سے اکرم ہونیکی دلیل نہیں ہے کیا؟

یہاں سب اتقیاء سے اتقی ہونا کسی حدیث یا آیت سے استنباط نہیں کیا گیا بلکہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو مخاطب فرما کر صراحت فرمائی کہ علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سب اتقیاء کا سردار ہو کر اکرَمُ الاُمّت ہیں۔

ابن عساکر شافعی اپنی کتاب تاریخ مدینہ دمشق میں ج ۴۲ ص ۳۷۱ رقم فرماتے ہیں کہ سورۂ بیّنہ کی آیت نمبر 6 دربارۂ افضلیت جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ نازل ہوئی تھی اس لئے جب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ تشریف لاتے تو صحابہ کرام کہتے:

جاء خیر البریۃ (سب مخلوق میں سے افضل آ گیا ہے)

اس میں انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام بداہت عقلیہ سے مستثنٰی ہوں گے۔

جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا یہ عادی نعرہ تھا تو یہ کس طرح باور کیا جائے گا کہ وہی صحابہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اجماع میں شریک بھی ہوئے یا افضلیت پر اجماع ہونے پر وہ خاموش رہے تھے؟

علیٌ خیر البریہ

عن ابی سعید الخدری عن النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال علی خیر البریہ۔ (درمنثور) (ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ (جو افاضل صحابہ میں سے ہیں) نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے روایت کرتے ہیں کہ "علی سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء) افضل ہیں"۔

یہ حدیث مرفوع ہے، یہ کسی صحابی مکرم کی ذاتی سوچ یا ذاتی رائے نہیں اور اسی روایت کو ابن عدی نے اپنی کامل ج ا ص ۱۷۰ میں بھی روایت کیا ہے۔

اختلافی موقف دربارۂ اجماع برافضلیت جناب ابوبکر صدیقؓ جو کہ ایک حدیث مرفوع ہے: عن ابی حذیفه بن یمان، قال سمعت النبی صلی الله علیه و آله وسلم یقول : علی خیر البشر، من ابی فقد کفر (حذیفہ بن الیمان سے روایت ہے علیؓ سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے)۔

امام ابن عساکر اسی کتاب کے اسی صفحہ پر اسی حدیث کو ایک اور سلسلہ اسناد کے ذریعے سے روایت کرتے ہیں: علی خیر البشر، من ابی فقد کفر ترجمہ: علی سب انسانوں سے (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) افضل ہیں جو اس کا انکار کرے گا وہ کافر ہے۔

اسی کتاب کی ج ۴۲ص ۳۷۲ پر ہے: عن جابر علی خیر البشر لایشک فیه الا منافق. حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ علیؓ سب انسانوں سے افضل ہیں اس میں منافق کے بغیر کوئی شک نہیں کرتا۔

اسی صفحہ پر ابن عساکر رقمطراز ہیں: عن جابر قال سئل عن علی فقال ذالک خیر البریة لایبغضه الا کافر. ترجمہ: جناب جابرؓ سے روایت ہے آپ سے جناب علی مرتضیٰؓ کے بارے میں پوچھا گیا آپ نے جواب میں ارشاد فرمایا۔ وہ (باستثنائے انبیاء علیہم السلام) سب مخلوق سے افضل ہیں اس حقیقت کو کافر کے سوا کوئی ناپسند نہیں کرتا۔

مندرجہ بالا روایات پر بعض اہل علم نے کلام کیا ہے تاہم ہمارے نقل کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کے راویوں اور اپنی کتب میں درج کرنے والے محدثین کو کسی نے خارج از اہل سنت یا خارج از اسلام قرار نہیں دیا۔

افضلیت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

عزالدین ابن اثیر ابوالحسن علی بن محمد الجزری متوفی 630ھ اپنی کتاب اسدالغابہ پر تحریر فرماتے ہیں:

عن ابن بریدہ عن ابیہ قال. خدیجہ اول من اسلم مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ثم علی وقال ابوذر والمقداد خباب وجابر وابوسعیدالخدری وغیرھم اِن علیا اول من اسلم بعد خدیجہ وفضلہ ھولاء علی غیرہ.

ترجمہ: ابن بریدہ سے روایت ہے وہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: خدیجہ رضی اللہ عنہا سب سے پہلے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائیں پھر علی رضی اللہ عنہ ایمان لائے اور ابوذر اور مقداد اور خباب اور جابر اور ابوسعید خدری (رضی اللہ عنہم) نے کہا کہ علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب سے پہلے ایمان لائے جناب خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بعد اور ان لوگوں نے انہیں (علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کو دوسرے صحابہ کرام اور افرادِ اُمت سے افضل سمجھا۔

اس روایت کے بارے میں یہ کہنا کہ اس روایت میں علامہ ابن عبدالبر تنہا اور متفرد ہیں، غلط ہے، اس روایت کو تلقی بالقبول حاصل ہے لہٰذا اس میں تفرد ابن عبدالبر کی تاویل رکیک ہے۔

اب اجماع نصی وسکوتی کی تفصیلات ختم ہورہی ہیں۔

امام ابوبکر احمد بن علی الجصاص رازی متوفی 370ھ اپنی کتاب ''الفصول فی الاصول'' 2-136 لکھتے ہیں:

اذاختلفت الجماعتان اللتان وصفهماماذکرنافی حکم الحادثۃوانکربعضھم علی بعض ماقالوااولم ینکرہ لم ینعقد باحدی الجماعتین اجماع اذالم یکن یثبت ضلال احدالفریقین عندناوھذالاخلاف فیہ۔

ترجمہ: (جس وقت ایسی جماعتوں کا باہم اختلاف ہوجائے جن کے اوصاف ہم نے کسی حادثہ کا حکم بیان کرنے میں ذکر کئے ہیں (اہل ضلالت کے موافق ہونے کا اعتبار نہیں ہوگا کیونکہ حق صحت اجماع میں شرط ہے اور وہ اجماع جو اللہ تعالیٰ کی حجت ہے وہ تو صرف اہل حق کا اجماع ہے جن کا فسق اور گمراہی ثابت نہ ہو)۔ اور ایک دوسرے کے قول کی تردید کریں یا نہ تردید کریں، تو ایک جماعت کے قول پر اجماع منعقد نہیں ہوگا۔ جس وقت تک دونوں جماعتوں میں سے ایک کا گمراہ ہونا ثابت نہ ہو۔ اس مسئلہ میں کوئی اختلاف نہیں)

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا ایک قول یا حدیث تقریری ملتی ہے اور چند دوسری احادیث ملتی ہیں جو اخبار واحدہ ہیں یا ظنی الدلالت یا متعارض ہیں۔ اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر 20 حوالہ جات از قسم احادیث مرفوعہ و اقوال صحابہ گزشتہ صفحات میں پیش کئے جاچکے ہیں۔ اس اختلاف کے ہوتے ہوئے اجماع کے منعقد ہونے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار تھوڑے ہیں اور جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے دعویدار بھی زیادہ ہیں اور دلائل بھی کثیر از قسم احادیث مرفوعہ ہیں۔ عنقریب جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت مرویہ از عبداللہ

بن عمر رضی اللہ عنہما اور آیت سیجنبھا الاتقی پر گفتگو ہونے والی ہے۔

چونکہ صحابہ کرام میں افضلیت کے بارے میں اجماع نہیں ہوسکا۔ لہذا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ میں سے کسی ایک پر عمل کیا جاسکتا ہے، مگر ان اقوال خلافیہ میں سے خارج ہونا جائز نہیں ہوگا کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اقوال خلافیہ کو اجماع مرکب کی حیثیت حاصل ہے۔

ابوبکر جصاص متوفی 370ھ اپنی کتاب ''اصول الجصاص (الفصول فی الاصول) 138۔2 پر تحریر فرماتے ہیں:

انما فائدۃ قولہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ وسلم "اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" ان الحق لایخرج عنھم.

ترجمہ: سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ارشاد کا فائدہ ''میرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ستاروں کی مانند ہیں جس کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاجاؤ گے، یہ ہے کہ حق ان سے خارج نہیں ہوگا۔

حاصل کلام یہ ہوگا کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اجماع نہیں ہوسکا تو اُن کے اقوال خلافیہ سے باہر نہیں جانا بلکہ اُن میں سے کسی ایک قول کے اختیار کر لینے کی اجازت ہوگی، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حق دائر ہے۔

حضرت ملا علی قاری حنفی ہروی متوفی 1014ھ اپنی کتاب شرح فقہ اکبر کے صفحہ 178 پر تحریر فرماتے ہیں: **فقال ابو منصور البغدادی من اکابر الائمۃ الشافعیۃ: اجمع اھل السنۃ والجماعۃ علی ان افضل الصحابۃ ابوبکر فعمر، فعثمان فعلی، فبقیۃ العشرۃ المبشرۃ بالجنۃ فاھل**

بدر فیاتی اهل احدفیاتی اهل بیعة رضوان بالحدیبیّة فیاتی الصحابة رضی اللہ عنهم انتهیٰ. ولعله ارادبالاجماع اجماع اکثراهل السنة لان الاختلاف واقع بین عثمان وعلی عند بعض اهل السنة

ترجمہ: ابومنصور بغدادی نے جو شافعیہ کے اکابر ائمہ میں سے ہیں کہا: اہل سنت والجماعت نے اس بات پر اجماع کیا کہ ابوبکرؓ سب صحابہ سے افضل ہیں پھر عمرؓ، پھر عثمانؓ، پھر علیؓ، پھر عشرہ مبشرہ، پھر اہل بدر پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیعت رضوان جنہوں نے حدیبیہ میں بیعت کی پھر باقی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم افضل ہیں۔

غالباً انہوں نے اجماع سے اکثر اہل السنّت والجماعت مراد لئے ہیں کیونکہ حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ کے درمیان بعض اہل سنت کا اختلاف گزرا ہے۔

حضرت ملا علی قاری ہروی رحمۃ اللہ علیہ نے شوافع کے دعویٰ اجماع کی تردید فرما دی۔ کیونکہ اجماع یا نصی ہوسکتا ہے یا سکوتی، تیسرا اجماع مرکب ہے جو ہمارے دائرہ گفتگو سے خارج ہے۔ اجماع نصی ہوتا تو منکر تفضیل ابوبکر صدیقؓ کو کافر کہتے۔

فالاقویٰ اجماع الصحابة نصًا مثل ان یقولوا جمیعًا اجمعنا علی کذا فانه مثل الایة والخبر المتواتر حتی یکفر جاحده کماو منه الاجماع علی خلافة ابی بکرؓ (نورالانوار مع حاشیہ قمرالاقمار ص۲۲۲)

ترجمہ: (سب سے مضبوط اجماع صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اجماع نصی ہے مثلاً سب یوں کہیں ہم نے ایسی ایسی بات پر اتفاق کرلیا ہے پس وہ (اجماع) آیت یا خبر متواتر کی مانند ہے جس کا منکر کافر مرتد دیا جائے گا، جناب ابوبکر صدیقؓ کی خلافت پر اسی برادری کا اجماع ہے)

آج تک ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے منکر کو کسی نے کافر قرار نہیں دیا۔ ثابت ہوا کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نصی نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور میں ہوسکا نہ ہی بعد میں ہوسکا۔

رہ جاتا ہے اجماع سکوتی وہ تو شوافع کے ہاں حجت ہی نہیں۔ امام فخر الدین محمد بن عمر بن الحسین الرازی متوفی 606ھ اپنی کتاب ''المحصول فی علم اصول الفقہ'' 153/4 پر خامہ فرسائی فرماتے ہیں:

القسم الثالث فیما ادخل فی الاجماع ولیس منہ' المسئلۃ الاولی واذاقال اھل العصر قولاً کان الباقون حاضرین لکنھم سکتوا ومَاانکروہ فمذھب الشافعی (رضی اللہ عنہ')

ترجمہ: تیسری قسم، اس چیز کے بیان کرنے میں ہے کہ جو اجماع میں داخل کی گئی ہے حالانکہ وہ اجماع کی برادری میں سے نہیں ہے۔ پہلا مسئلہ جس وقت ایک زمانے کے (مجتہد) لوگ کوئی بات کریں اور باقی (مجتہدین) موجود ہوں لیکن وہ چپ رہیں اور اس بات کا انکار نہ کریں، تو مذہب شافعی یہ ہے (اور وہ مذہب حق ہے) کہ وہ اجماع نہیں ہے اور نہ ہی وہ حجت شرعیہ ہے۔

یعنی بالفاظ دیگر امام شافعی کے نزدیک اجماع سکوتی حجت شرعیہ ہی نہیں۔ آپ بتائیے جب اجماع نصی کسی بھی دور میں ہوا ہی نہیں اور اجماع سکوتی امام شافعی کے نزدیک حجت شرعیہ ہی نہیں اور اجماع سکوتی کے عدم انعقاد پر بیسیوں شواہد پیش کیے جاچکے ہیں۔ اب بتائیے ابو منصور بغدادی شافعی اشعری رحمۃ اللہ علیہ کس طریقے سے دعویٰ اجماع برائے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کررہے ہیں جس کا حوالہ ملا علی قاری

نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر دے کر اس کا رد کیا ہے۔ جس سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ افضلیت ابوبکر صدیق ﷛ پر کسی طرح کا اجماع نہیں ہو سکا نہ ہی نصی نہ ہی سکوتی۔ اب ذرا علامہ تفتازانی شافعی اشعری کی تحقیقات در بارۂ افضلیت ابوبکر صدیق ﷛ و دیگر خلفائے راشدین ملاحظہ فرمائیے:

قال امام الحرمين مسئلة امام المفضول ليست بقطيعة ثم لاقاطع شاهد من العقل على تفضيل بعض الائمة على البعض والاخبار الواردة على فضائلهم متعارضة لكن الغالب على الظن ان ابابكر افضل ثم عمر ثم يتعارض الظنون فى عثمان وعلى رضى الله عنهما. (شرح مقاصد ج۲ ص۲۹۸)

ترجمہ: امام الحرمین نے کہا امامت مفضول کا ممنوع ہونا قطعی نہیں پھر عقل کی کوئی قطعی شہادت نہیں مل سکی جو بعض ائمہ (خلفائے راشدین) کی ایک دوسرے پر افضلیت ثابت کر سکے۔ اور اُن کے فضائل میں وارد ہونے والی احادیث متعارض ہیں۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ ابوبکر صدیق افضل ہیں پھر عمر، پھر عثمان اور علی (رضی اللہ عنہم) کے بارے میں گمان آپس میں ٹکراتے ہیں۔

اب امام ابوالحسن اشعری کی اپنی مصنفات سے استشہاد کرنا زیادہ مناسب ہوگا جو کہ جناب ابوبکر صدیق ﷛ کی کل اُمت سے بمعہ اہل بیت کے افضلیت کے پہلے مدعی ہیں اور نظریہ افضلیت تامہ کے پہلے مصنف ہیں۔

امام ابوالحسن اشعری 330ھ اپنی کتاب ''الابانہ عن اصول الدیانہ'' ج۲ ص۲۵۵ پر تحریر فرماتے ہیں:

واذاوجبت امـامة ابـى بـكـررضـى الـلـه عـنـه' وجـب عنـه' افضل الـمسـلـمين. ترجمہ: جب ابوبکرؓ کی امامت متحقق ہوگئی تو یہ امر بھی متحقق ہوگیا کہ آپ سب مسلمانوں سے افضل ہیں۔

اس عبارت کی منطقی شکل یہ بنے گی کہ جناب ابوبکر صدیقؓ (اہل حق کے اتفاق سے) خلیفہ قرار پائے اور جو بھی خلیفہ ہو جائے وہ اُن سب سے افضل ہوتا ہے جن کے حق میں خلیفہ بن جائے۔ لہٰذا نتیجہ منطقیہ ہوا کہ جناب ابوبکرؓ سب سے افضل ہوئے۔ امام ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ کا یہ نتیجہ، فاسدہ ہے کیونکہ اس میں صحت صوری تو ہے مگر صحت مادی نہیں کیونکہ کبری خلاف واقعہ ہے۔ افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ بنایا جاسکتا ہے۔ یہ روافض کا عقیدہ ہے افضل کی موجودگی میں مفضول کو خلیفہ نہیں بنایا جاسکتا لہٰذا خلافت مفید افضلیت نہیں ہوگی۔

نیز ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ کی ایک دوسری کتاب مقالات الاسلامیین ج۲ص۱۴۷ کا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

قولهم فى افضل الناس بعد الرسول : و اختلفوا فى ا لتفضيل:

(۱) فـقـال قـا ئـلون: افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآ له وسلم ، ابو بكر ،ثم عمر ثم عثمان ثم على

(۲) وقـال قـا ئـلـون: افضل الناس بعد رسول الله صلى الله عليه وآ له وسلم :ابو بكر ،ثم عمر ثم على ثم عثمان

(۳) قـال قـا ئـلـون:نـقـول: ابو بكر ثم عمر ثم عثمان ثم نسكت بعد ذالك

(۴) قال قائلون: افضل الناس بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه و آله وسلم علی ثم بعده ابو بکر

(۵) قال قائلون لاندری ابوبکر افضل ام علی.

ترجمہ: ''ان کا بیان سب لوگوں سے افضل کے بارے میں رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے بعد'' انہوں نے تفضیل کے بارے میں اختلاف کیا ہے:

(۱) کچھ کہنے والوں نے کہا: رسول اللہ صلی علیہ وآلہ وسلم کے بعد، سب سے افضل ابوبکر پھر عمر، پھر عثمان پھر علی (رضی اللہ عنہم اجمعین) ہیں۔

(۲) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد سب سے افضل ابوبکر پھر عمر پھر علی پھر عثمان ہیں۔ (رضی اللہ عنہم اجمعین)

(۳) کچھ لوگوں نے کہا: (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سب سے افضل) ابوبکر رضی اللہ عنہ پھر عمر رضی اللہ عنہ پھر عثمان رضی اللہ عنہ پھر چپ کر جاتے تھے۔

(۴) کچھ لوگوں نے کہا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کے بعد سب سے افضل علی رضی اللہ عنہ ان کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں۔

(۵) کچھ کہنے والوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ۔

اس جگہ قابل غور امر ہوگا کہ امام ابوالحسن اشعری کے نزدیک، اگر خلافت مفید افضلیت ہوتی تو اہل سنت وجماعت کے ان مکاتب کا کیوں ذکر کرتے بلکہ فرماتے کہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا منکر کافر یا گمراہ یا مبتدع یا زندیق ہے اور اگر افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نصی تام ہوگیا ہوتا تو منکر کو کافر کہتے اور شافعی ہونے کے ناطے سے اجماع سکوتی کے قائل ہی نہیں۔ نتیجہ یہ ہوگا کہ افضلیت

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر کوئی اجماع نصی بھی نہیں ہوا اور سکوتی بھی نہیں۔

ہم نے گزشتہ صفحات میں بیسیوں شواہد پیش کیے ہیں جن میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھنے، جناب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو، جناب ابراہیم رضی اللہ عنہ ابن رسول اللہ کو خلفائے راشدین سے افضل سمجھے جانے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کے افضل سمجھے جانے اور جناب جعفر طیار رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھے جانے کا ثبوت ہے۔ ان عقائد کے رکھنے والوں کو کسی نے اہل سنت سے خارج نہیں کیا۔ امام حسن رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد ہیں وہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خلفاء وصحابہ سے افضل سمجھتے ہیں۔

اور ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر افضلیت پر اجماع کی تردید کرتے ہوئے اکثر اہل سنت والجماعت کے متفق ہونے کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر یہ رائے بھی ضعیف و ناتواں محسوس ہوتی ہے کیونکہ اہل السنّت والجماعت کے سرخیل تو ائمہ اربعہ ہیں جن کے عقائد ان نظریات کے خلاف ہیں جن کے حوالہ جات مندرجہ ذیل عبارات میں ہم پیش کرنا چاہیں گے۔ جب جہابذہ روزگار اور ائمہ مقتدایان اس کے خلاف رائے رکھیں تو اکثریت اہل سنت و جماعت کا دعوی بھی پا در ہوا ہوگا۔

لیجئے ملاحظہ فرمائیے: امام عبدالکریم شہرستانی متوفی 548ھ اپنی کتاب "الملل والنحل" ج 1 صفحہ 155 پر جناب امام زید بن علی زین العابدین رضی اللہ عنہما کے عقیدہ کے بارے میں رقمطراز ہیں:

وکان مذهبه جوازامامة المفضول مع قيام الافضل فقال كان علی ابن ابی طالب رضی الله عنه افضل الصحابة الاان الخلافة

فوضت الی ابی بکرٍ لمصلحة راوھاوقاعدة دینیة راعوھامن تسکین نائرة الفتنة وتطییب القلوب العامة فان عھدالحروب التی جرت فی ایام النبوة کان قریباً وسیف امیر المؤمنین علی ان دماء المشرکین من قریش وغیرھم لم یجف بعدو الضغائن فی صدور القوم من طلب الثار کماھی فماکانت القلوب تمیل الیه کل المیل ولاتنقادالرقاب کل الانقیادفکانت المصلحة ان یکون القائم بھٰذاالشان من عرفوہ' باللین والتودہ والتقدم بالسن.

ترجمہ: (امام ابوحنیفہ کی امام زید بن علی سے بیعت تھی جو کربلا شریف کے بعد حزب اختلاف کے پہلے لیڈر تھے) ان کا مذہب یہ تھا کہ افضل کے ہوتے مفضول کی امامت درست ہے۔ انہوں نے کہا علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سبھی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے مگر یہ کہ خلافت جناب ابی بکر رضی اللہ عنہ کو کسی مصلحت کے تحت سپرد کی گئی جس کو انہوں نے مدنظر رکھا اور کسی قاعدہ دینیہ کے تحت انہوں نے ایسا کیا جس کو انہوں نے ملحوظ خاطر رکھا یعنی فتنہ کی آگ کو بجھانا عوام کے دل کو خوش کرنا۔ کیونکہ وہ دور نبوت جس میں جنگیں لڑی گئیں وہ قریب تھا اور جناب امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کی تلوار قریش اور دوسرے مشرکین کے خون سے ابھی خشک نہیں ہوئی تھی۔ اور طلب انتقام کے پر از کینہ احساسات ابھی اس طرح زندہ تھے اور لوگوں کے دل پوری طرح آپ کی طرف مائل نہیں تھے اس لئے قرین مصلحت یہ بات تھی کہ اس کام کو سنبھالنے والا ایک ایسا شخص ہونا چاہئے جس کو لوگ نرمی وملائمت کے عنوان سے جانتے ہوں اور (اس کے مرنجاں مرنج ہونیکی

وجہ سے اس کی) دوستی کا دم بھرتے ہوں اور (وہ ایک) عمر رسیدہ شخص ہونا چاہئے۔

امام عبدالکریم شہرستانی اپنی اسی کتاب الملل والنحل 1-158 پر ورطۂ تحریر میں لاتے ہیں:

وکان ابوحنیفة علی بیعتہٖ ومن جملة شیعته حتیٰ رفع الامر الی المنصور وحبسه' وقیده' حبس الابد حتیٰ مات فی الحبس وقیل انه' بایع محمدبن عبدالله الامام فی ایام المنصور ولما قتل بالمدینة بقی الامام ابوحنیفة علی تلک البیعة یعتقد موالاة اهل البیت ورفع حاله' الی المنصور فتم علیه ماتم.

ترجمہ: جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ ان کی بیعت پر تھے (امام ابوحنیفہ کی زید بن علی رضی اللہ عنہ سے بیعت تھی) اوران کے شیعہ (ساتھیوں) میں سے تھے۔ حتیٰ کہ ان کا معاملہ منصور خلیفہ عباسی تک پہنچ گیا تو اُس نے آپ کو عمر بھر قید دیدی یہاں تک کہ قید خانہ ہی میں وصال فرما گئے، یہ بھی کہا گیا کہ آپ (امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ) نے محمد نفس زکیہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (محض) سے ایام منصور میں بیعت کی اور جب محمد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ مدینہ شریف میں شہید کردیئے گئے، تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اسی بیعت پر قائم رہے جبکہ اہل بیت کی دوستی کا دم بھرتے رہے حتی کہ ان کا حال منصور کو بتلایا گیا تو پھر ان پر جو بیتی سو بیتی۔

اب غور طلب بات یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ جیسا بالغ نظر آدمی اس کو کیوں پتہ نہ ہو کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع صحابہ ہو چکا ہے۔ اور اجماع نصی تام شرع میں حجت قطعیہ ہے اس کا منکر کافر ہوتا ہے اور یہ جانتے ہوئے کہ امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے بمعہ جملہ ہاشمی خاندان

کے جو کہ مدینہ طیبہ کی غالب اکثریت ہے۔ کیسے بیعت کر لیتے اور اسی بیعت پر قائم رہتے اور تادم آخرین اسی عہد کے پابند رہتے۔ جس سے صاف ظاہر ہے کہ اجماع خلافت پر ہوا افضلیت پر نہیں ہوا۔

سیّد سند شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ

سیّد شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی کتاب شرح مواقف ج 8-404 پر رقمطراز ہیں: **وثبوت الامامة وان کان قطعیا لایفید القطع بالافضلیة. بل غایته الظن** ۔خلافت کا ثبوت اگر چہ قطعی ہے مگر افضلیت کے قطعی ہونے کے معنی نہیں دیتا بلکہ اس کے ثبوت کی انتہا ظن ہے۔

یہ شریف جرجانی ہیں، نقش فریادی ہے جن کی شوخئ تحریر کا، جو سنیت کی حمایت میں تیغ براں یا شیر ژیان کا کردار رکھتے ہیں وہ بھی سپر انداز ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ افضلیت کا کوئی قطعی ثبوت ہمارے پاس نہیں، اس کی غایت ظن ہے۔ بلکہ شریف جرجانی نے اس معاملے میں قول امام آمدی جو کہ توقف کے معنی دیتا ہے، بطور محاکمہ نقل کیا ہے اور بتایا کہ افضلیت کے بارے توقف کو اولویت حاصل ہے جس کا ذکر بعد میں توقف کے باب میں آنے والا ہے۔

اگر افضلیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع ہو گیا ہوتا تو پھر وہ قطعی الثبوت کیسے نہ ہوتا؟

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی اپنی کتاب تکمیل الایمان صفحہ 59 پر تحریر فرماتے ہیں: ”**ثبوت امامت اگرچہ قطعی است لیکن ازاں جا**

قطع با فضلیت لازم نیاید "(امامت کا ثبوت اگر چہ قطعی ہے، لیکن اس سے افضلیت کی قطعیت لازم نہیں آتی)۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ "تکمیل الایمان" صفحہ 59 پر ورطہ تحریر میں لاتے ہیں: **وایں مسئلہ نیست کہ متعلق عمل باشد تابہ مجرد ظن دراں باب اکتفاتوانند کرد بلکہ ایں مسئلہ ازباب علم واعتقاد است کہ مطلوب دروے جزم ویقین است۔**

ترجمہ: یہ مسئلہ عمل سے متعلق نہیں کہ اس میں صرف ظن پر اکتفاء کیا جائے بلکہ یہ مسئلہ (افضلیت) علم واعتقاد سے متعلق ہے جس میں یقین اور وثوق درکار ہوتا ہے۔

حقائق مسطورہ بالا سے یہ حقیقت طشت از بام ہو آئی ہے کہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اجماع کا دعویٰ بے بنیاد و بے اصل ہے۔

حضرت امام زید رضی اللہ عنہ کا مقام ومرتبہ

اس جگہ دو اہم سوال ابھر کر سامنے آتے ہیں (۱) کیا امام زید بن علی رضی اللہ عنہ بذات خود سنی ہیں یا شیعہ؟ (۲) کیا امام زید بن علی رضی اللہ عنہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھنے میں متفرد تھے یا کہ باقی اہل بیت رسول اور ہاشمی اس عقیدہ میں ان کے ساتھ متفق تھے؟

پہلے سوال کا جواب یہ ہے کہ امام اُستاد عبدالقاہر بن طاہر تمیمی بغدادی متوفی 429ھ اپنی کتاب "اصول الدین" صفحہ 307 پر خامہ فرسا ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعين عمربن عبدالعزيز وله رسالة بليغة فى الردعلى القدرية ثم زيدبن على بن الحسين بن ابى

طالب وله' کتاب فی الردعلی القدریة من القرآن.

ترجمہ: تابعین میں سب سے پہلے متکلم اہل سنت کے عمر بن عبدالعزیزؓ ہیں اوران کا ایک بلیغ رسالہ ہے جوقدریہ کے رد میں ہے پھر دوسرے متکلم اہل سنت کے زید بن علی بن حسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم ہیں اوران کی ایک کتاب ہے جوکہ انہوں نے بحوالہ قرآن قدریہ کے رد میں لکھی ہے۔

امام عبدالقاہر بن طاہر جوکہ اشعری مذہب کے بہت سخت گیر وکیل ہیں نے واضح کردیا ہے کہ حضرت زید بن علیؓ اہل سنت کے ایک گرم جوش وسخت کوش متکلم ہیں جنہوں نے مشکل ترین حالات میں سے گزرتے ہوئے بھی اہل سنت کا دفاع کیا ہے اوراہل باطل کی سرکوبی کی ہے اوردندان شکن کتاب لکھی۔

اب رہ جاتا ہے یہ سوال کہ کیا دوسرے افراداہل بیت ودیگر ہاشمی لوگ بھی اُن کے اس عقیدے سے موافقت رکھتے تھے یانہیں؟

امام جمال الدین مزی اپنی شہرۂ آفاق تصنیف ''تہذیب الکمال فی اسماء الرجال'' ج۳ص۱۰۷ پراورعلامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب ''نورالابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار'' میں امام زید کے تذکرہ میں ص۱۹۵پر لکھتے ہیں:

قیل لجعفرالصادق ومحمدبن عبدالله نفس زکیه ان الرافضة یتبرؤن من عمک زید(ابن علی)فقال براء الله ممن تبراء عمی کان والله اقرء نالکتاب الله وافقهنافی دین الله واوصلناللرحم والله ماترک فیناللدنیاللآخرة مثله'.

ترجمہ: حضرت جعفر صادق ؓ و محمد بن عبداللہ ؓ (سید نفس زکیہ) سے پوچھا گیا کہ رافضی آپ کے چچا جناب زید بن علی ؓ سے تبرا کرتے ہیں تو امام جعفر صادق اور محمد بن عبداللہ (سید نفس زکیہ) نے کہا: اللہ تعالیٰ اس سے تبرا کرے جو ہمارے چچا سے تبرا کرتا ہے، خدا کی قسم وہ ہم سب آل محمد کے مقابلے میں قرآن کا زیادہ عالم ہے اور ہم سب سے زیادہ دین کا جاننے والا ہے اور ہم سے زیادہ صلہ رحمی کرنے والا ہے، خدا کی قسم ہم میں اس کی مانند کسی نے دنیا کو آخرت کیلئے نہیں چھوڑا۔

یہاں سیّد نفس زکیہ ؓ (محمد بن عبداللہ محض) اور حضرت امام جعفر صادق ؓ نے اُن کے صحت عقیدہ اور کمال علم و عمل کی شہادت دی جس سے ثابت ہوا کہ وہ ان کے عقیدہ، علم و عمل سے پوری طرح متفق تھے۔

اسی صفحہ پر علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی لکھتے ہیں "قال ابو اسحق السبیعی: رآیت زید بن علی، فلم ار فی اھلہ مثلہ ولا اعلم منہ ولا افضلھم ولا افصحھم لساناً واکثر ھم زھداً و بیاناً"

ترجمہ: ابو اسحٰق سبیعی کہتے ہیں: میں نے زید بن علی ؓ کو دیکھا اور میں نے اُس کے خاندان (نبوت) میں اس جیسا کوئی نہیں دیکھا۔ نہ ہی اس جیسا عالم دیکھا اور نہ ہی اس سے بہتر کوئی شخص دیکھا اور وہ اُن سب سے زیادہ فصیح اللسان تھا۔ اور سب سے زیادہ زاہد تھا اور سب سے زیادہ اچھا مقرر تھا۔

علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی اسی کتاب کے صفحہ 196 پر لکھتے ہیں قال الشعبی (یہ بھی امام ابوحنیفہ ؓ کے اُستاد ہیں) واللہ ماوَلَدَالنساءُ افضل من زید بن علی ولا افقہ ولا اشجع ولا ازھد.

ترجمہ: امام شعبی رضی اللہ عنہ نے کہا کہ عورتوں نے زید بن علی سے زیادہ فاضل شخص، اور زیادہ قانون دان اور زیادہ بہادر اور زیادہ زاہد جنا ہی نہیں۔

اسی صفحہ پر علامہ مومن بن حسن مصری شبلنجی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے:

قال ابو حنیفه: شاهدت زید بن علی کماشاهدت اهله فمارایت فی زمانه اَفقه منه ولااعلم ولااسرع جواباً ولاابین قولاً.

ترجمہ: میں نے حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ کو دیکھا جیسا کہ میں نے اُن کے خاندان کو دیکھا میں نے اُن کے دور میں اُن سے زیادہ قانون دان دیکھا نہ ہی اُن سے زیادہ علم رکھنے والا نہ ہی ان سے زیادہ سریع الجواب اور نہ ہی فصیح البیان دیکھا۔

یہاں اُس کے دور کے مشہور لوگوں کے تائیدی بیان بھی ہیں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور اُن کے اساتذہ کا اُن پر بھرپور اعتماد اور جناب امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ جو ائمہ اُمت کی غالب اکثریت کے اُستاد اور جملہ سلاسل اولیاء اللہ کے پیر و مرشد ہیں انہوں نے اپنے چچا زید بن علی رضی اللہ عنہ کے علم و عقیدہ پر پورا اعتماد ظاہر کیا۔

نیز سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ جن کے ساتھ جناب امام مالک رضی اللہ عنہ کی بیعت ہے اور امام شافعی رضی اللہ عنہ کے فیصلہ کن اور تکمیلی اُستاد ہیں اور سلسلہ حنابلہ بھی انہی پر چل کر منتہی ہوتا ہے۔ وہ بھی پوری طرح سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ کو اپنا مقتداء سمجھتے اور ان کے علم و عمل اور قانونی فہم و دانش پر بھرپور اعتماد کرتے ہیں۔ ان تحقیقات سے حضرت زید بن علی کی شخصیت بے غبار تو کیا بدر منیر ہو آئی اور آئینہ حق نما ہو گئی کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے اور حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ اور سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ (سیّد محمد بن سیّد عبداللہ محض) نے جناب امام زید بن علی رضی اللہ عنہ کو علی وجہ البصیرت اپنا امام مانا اور ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کی

ہے۔جیسا کہ علامہ عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہے اور شذرات الذہب میں ابن عماد حنبلی نے بھی لکھا ہے:

وارسل الیہ ابوحنیفہ بثلاثین الف درھم وحث الناس علی نصرہ وکان مریضاً وکان قداخذعنہ کثیراً وحضرمعہ من اھلہ محمد بن عبداللہ النفس لزکیہ و عبداللہ بن علی بن الحسین (شذرات الذہب صفحہ 159،ابن عماد الحنبلی متوفی 1089ھ)

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے تیس ہزار درہم بھیجے اور لوگوں کو ان کی حمایت کیلئے (بھرپور طریقے سے) آمادہ کیا۔وہ خود بیمار تھے۔اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے زیادہ تر علم انہی سے پڑھا تھا۔اور اُن کے اپنے گھر والوں میں سے محمد بن عبداللہ نفس زکیہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ بھی ساتھ آئے۔

چونکہ طریقہ کار یہ تھا کہ پہلے بیعت ہوتی تھی بعد میں ساتھ دیتے تھے۔اور مالی مدد بھی کرتے تھے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے پہلے بیعت کی ہوئی تھی جیسا کہ عبدالکریم شہرستانی نے ''الملل والنحل'' صفحہ 158 پر درج کیا ہے لہٰذا انہوں نے بیمار ہونے کی صورت میں 30 ہزار درہم کر دیئے تھے اور محمد بن عبداللہ محض، سیّد نفس زکیہ اور سیّد عبداللہ بن علی بن حسین ساتھ اس لئے آئے تھے کہ انہوں نے جناب سیّد زید بن علی بن الحسین سے بیعت کی ہوئی تھی۔(رضی اللہ عنہم)

تو اس سے پتہ چلا کہ وہ جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے عقیدے میں بھی متفق تھے جیسا کہ ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ'' صفحہ 1-180 اُستاد ابوزہرہ مصری نے لکھا ہے ''معلوم یہ ہوتا ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے افضل الصحابہ ہونے کے

عقیدہ میں شیعہ منفرد نہ تھے بلکہ بعض صحابہ بھی اس کے قائل تھے چنانچہ عمار بن یاسر، مقداد بن الاسود، ابوذر غفاری، سلمان الفارسی، جابر بن عبداللہ انصاری، ابی بن کعب، حذیفہ، بریدہ، ابوایوب، سہل بن حنیف، عثمان بن حنیف، ابوالہثیم خزیمہ بن ثابت، ابوالطفیل الدوسی عامر بن واثلہ، عباس بن عبدالمطلب (رضی اللہ عنہم) اُن کے بیٹے، تمام بنی ہاشم تفضیل کا عقیدہ رکھتے تھے۔ ابتداء میں زبیر کا بھی یہی خیال تھا پھر اُس سے رجوع کر لیا تھا، بنوامیہ میں بھی بعض لوگ اس کے قائل تھے مثلاً خالد بن سعید بن العاص اور عمر بن عبدالعزیز۔

اس دور کا نظام عمل یہ تھا کہ پہلے بیعت کرتے تھے پیچھے اطاعت کرتے تھے۔ اطاعت کرنا وضاحت ہوتی تھی بیعت کرنے کی۔ جیسا کہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے صفحہ 158 پر زید بن علی کے حالات لکھتے وقت لکھا کہ جب آپ نے علم جہاد بلند کیا اور اپنی اطاعت کی دعوت دی تو ایک گروہ آیا انہوں نے آ کر کہا کہ شیخین کریمین کو تبرا کرو تو ہم تمہارے ساتھ بیعت کریں جس سے اطاعت کا آغاز ہو جائے گا۔

لما خرج زید بن علی یدعوا الی طاعته جاء ته طائفة و قالوا تبرا من ابی بکر و عمر حتی نبایعک. فقال اتبراء ممن تبرا منهما فقا لوا اذا رفضک فسموا رافضة من یو مئذٍ. (شذرات الذھب صفحہ 158)

ترجمہ: جب زید اپنی اطاعت کی دعوت دینے کے لئے نکلے تو ان کے پاس ایک جماعت آئی تو انہوں نے کہا کہ تم ابوبکر و عمر کو تبرا کرو تا کہ ہم تمہارے ساتھ بیعت کریں (تو پھر اطاعت ہوگی) آپ نے فرمایا بلکہ اُس کو تبرا کرتا ہوں جو انہیں تبرا کرتا ہے۔ تو انہوں نے کہا ہم آپ کو چھوڑتے ہیں اُس دن سے ان کا نام رافضی پڑ گیا۔

اس بیان سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو جو اطاعت کیلئے نکلا وہ پہلے بیعت کر چکا تھا۔ اور بیعت سے یہ نتیجہ نکلا کہ بیعت اُسی نے کی جو عقیدہ میں متفق تھا۔

اب ہم یہ سمجھنے میں حق بجانب ہیں کہ سیّد زید بن علی کا عقیدہ تفضیل علی کا تھا جیسا کہ امام عبدالکریم شہرستانی نے ''الملل والنحل'' صفحہ 155 پر لکھا اور امام ابوالحسن اشعری متوفی 330ھ نے مقالات اسلامیین ج ا صفحہ 137 پر بھی لکھا ہے:

وکان زیدبن علی یفضل علی ابن ابی طالب علٰی سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ویتولی ابابکر وعمر۔

ترجمہ: اور امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جناب مولیٰ مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو باقی اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل سمجھتے تھے اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پیار کرتے تھے۔

یہاں پر امام اشعری نے بڑے واضح الفاظ میں امام زید کا عقیدہ خود بیان کر دیا ہے۔

سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ کی اطاعت میں سیّد محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (نفس زکیہ) اور سیّد ابراہیم رضی اللہ عنہ نکلے۔ معلوم ہوا کہ ان کا عقیدہ بھی تفضیل علی رضی اللہ عنہ میں سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ کے موافق تھا۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں جملہ خاندان بنی ہاشم کا عقیدہ تفضیل علی بتایا گیا۔ امام ابوحنیفہ کی بیعت سیّد زید بن علی سے تھی اور امام ابوحنیفہ عقیدہ میں متفق نہ ہوتے تو کبھی بیعت نہ کرتے چونکہ پڑھا ہی انہی سے تھا لہٰذا اُن کے عقیدہ سے پوری طرح متفق تھے۔ اور امام مالک کی بیعت سیّد محمد بن عبداللہ (نفس زکیہ) سے تھی جن کی سیّد زید بن علی سے بیعت تھی اب ظاہر ہے کہ امام مالک کی عقیدہ میں جناب سیّد نفس زکیہ سے موافقت نہ ہوتی تو وہ کبھی اُن سے بیعت نہ کرتے اور قید و بند کی صعوبتیں بھی نہ سہتے۔

اور امام ابوحنیفہ نے پہلے زید بن علی کے لئے تکالیف سہیں پھر سیّد نفس زکیہ کے لئے مصائب و مشکلات کا مقابلہ کیا۔ آخر میں جناب ابراہیم برادر نفس زکیہ کے لئے بھی تکالیف اٹھائیں اور ان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ابن عماد حنبلی اپنی اسی کتاب شذرات الذہب، ج ا ص 213 پر درطہ تحریر میں لاتے ہیں:

وکان خرج مع ابراهيم كثير من القراء والعلماء منهم هيثم وابوخالد الاحمروعيسىٰ بن يونس و عباد بن العوام و يزيدبن هارون وابوحنيفة وكان يجاهرفى امره و يحث الناس على الخروج معه كما كان مالك يحث الناس على الخروج مع اخيه محمد وقال ابواسحاق الفرارى لابى حنيفة ما اتقيت الله حيث حثثت اخى على الخروج مع ابراهيم فقتل فقال انه كمالو قتل يوم بدر و قال شعبه والله لهى عندى بدرالصغرىٰ.

ترجمہ: جناب ابراہیم کے ساتھ بہت سارے قراء و علماء شریک جہاد ہوئے ان میں سے ہثیم اور ابوخالد الاحمر عیسیٰ بن یونس اور عباد بن العوام اور یزید بن ہارون اور ابوحنیفہؒ تھے اور ان کے بارے میں کھلم کھلا تبلیغ فرماتے تھے اور لوگوں کو اُن کے ساتھ شریک جہاد ہونے کی ترغیب دیتے تھے جیسا کہ امام مالک اُن کے (جناب ابراہیم کے) بھائی جناب محمد (بن عبداللہ، نفس زکیہ) کے ساتھ شریک جہاد ہونے پر آمادہ کرتے تھے۔ ابواسحٰق الفراری نے امام ابوحنیفہ سے کہ تم خدا سے نہیں ڈرے جبکہ تم نے میرے بھائی کو سیّد ابراہیم کے ساتھ شریک کارزار ہونے پر آمادہ کیا تو وہ قتل ہوگیا؟ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے کہا اس کی حیثیت تو ایسی ہے جیسا کہ وہ بدر شریف میں

شہید ہوا ہو۔ شعبہ نے کہا خدا کی قسم میرے نزدیک تو یہ (سیّد ابراہیم کی جنگ تو) چھوٹے بدر کی مانند ہے۔ (بدرِ صغریٰ ہے)

ان تفصیلات سے پتہ چلا کہ ہاشمی خاندان (فاطمی خاندان) کے یہ سارے سپوت تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے جن کا ساتھ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ نے ببانگ دہل دیا ہے اور ڈنکے کی چوٹ پر اُن سے بیعت کرکے اور عملاً شریک ہو کر اپنی دینی سچائی اور خاندان نبوت سے پوری وابستگی کا ثبوت فراہم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان حضرات کے اساتذہ بھی ہیں اور تلامذہ ہیں اور اہل علم بھی اور بہت ساری کتب کے مصنف بھی مگر لوگوں نے امام ان کو مانا جو اولادِ رسول کے لئے مصائب و آلام سہہ سکتے تھے اور مظالم کا مقابلہ کرسکتے تھے۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمانوں کے نزدیک سچائی کا معیار اور صداقت کی کسوٹی اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت میں سچا ہونا تھا۔

امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ جن کی تقلید کا دائرہ پوری دنیا میں پھیلا ہوا ہے کے دو نمونے پیش کئے گئے کہ یہ لوگ اُن کے مرید اور باج گزار تھے جو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور انہیں اپنا امام سمجھ کر اُن کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اب بتائیے کہ تفضیل علی کے مدعی کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ امام شافعی رضی اللہ عنہ اور امام احمد رضی اللہ عنہ کے بارے میں بھی تفصیلات بعد میں آنے والی ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

ابوزہرہ مصری نے اپنی کتاب ''حیات حضرت امام ابوحنیفہ'' صفحہ 181 میں لکھا ہے کہ تمام بنی ہاشم اور خصوصاً حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور اُن کی اولاد کا عقیدہ تفضیل

علی کا تھا جبکہ اس کی تائید تاریخی شواہد سے نہیں ہورہی کیونکہ سیّد نفس زکیہ (محمد بن عبداللہ) اور خلیفہ عباسی، منصور کے درمیان جو خط و کتابت ہوئی اس میں منصور نے جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شان میں کافی گستاخی کے کلمات لکھے جس سے پتہ چلتا ہے خاندان عباسیہ میں تفضیل علی کا عقیدہ نہیں تھا۔

جواباً عرض ہے کہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ خاندان عباسیہ میں اس وقت تک زندہ رہا جب تک وہ خود خلافت کے غاصب نہیں ہوئے۔ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ شذرات الذھب صفحہ 213-12 جیز تحریر میں لاتے ہیں:

وقد كان المنصور والسفاح فى خلافة الامويين من الدعاة الى محمد بن عبدالله هذا.

ترجمہ: منصور اور ابوالعباس سفاح (دونوں) خلافت بنی امیہ کے دور میں اسی محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (سیّد نفس زکیہ) کی طرف دعوت دیا کرتے تھے۔

یعنی سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ جن کی بیعت سیّد زید بن علی کے ساتھ تھی اور جو تفضیل علی کا عقیدہ رکھتے تھے انہی کی طرف یہ بھی دعوت دیا کرتے تھے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے داعی تھے کیونکہ نظام دعوت یہ تھا کہ پہلے بیعت کرتے اور عقیدہ و عمل میں مطابقت کا اعلان کرتے بعد میں کسی کی طرف دعوت دیا کرتے منصور وابوالعباس سفاح کی سیّد نفس زکیہ کے ساتھ بیعت تھی اس وجہ سے وہ سیّد نفس زکیہ کی طرف لوگوں کو دعوت کرتے تھے۔ بعد میں جب انقلاب آیا تو خلافت انہوں نے غصب کر لی امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک رضی اللہ عنہ کو عباسیہ سے اختلاف ہی یہی تھا کہ ہم

نے اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم (اولاد فاطمہ) کے لئے جنگ لڑی ہے اور انقلاب آنے پر تم نے اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دھوکا کیا اسی لئے ان دونوں آئمہ اہل سنت نے پہلے سیّد زید بن علی بن الحسین رضی اللہ عنہ کی برملا معاونت کی اور جانی مالی دونوں خدمات پیش کیں پھر سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ) کی اعانت کی پھر سیّد ابراہیم برادر سیّد نفس زکیہ کی امداد کی۔ ان دونوں بزرگوں نے ان ائمہ اہلبیت کے علم جہاد کو اور بلند کیا، بیعت بھی کی اور حق بجانب بھی قرار دیا اور ان کی وفاء کے سلسلے میں قید و بند کی دشواریاں بھی قبول کیں، بازو بھی کٹوائے، جیل میں توہین بھی قبول کی مگر سر مو بھی تو لائے اولاد فاطمہ میں فرق نہ لائے۔ اور اہل سنت پر سنیت کا راز فاش کر دیا اور جھوٹی سنیت کے جھوٹے دعویداروں کا قیامت تک کے لئے گریبان چاک کر دیا۔ یہی دو شخصیتیں صحراء سنیت کی گویا کہ پہلی صحرانورد ہیں اور سنیت کے بعد میں آنے والے دو امام، امام شافعی رضی اللہ عنہ و امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ انہی کے خرمن سنیت کے خوشہ چین ہیں۔ بعد میں آنے والے شواہد اس امر کی صرف غمازی ہی نہیں کریں گے بلکہ کچا چٹھہ بھی پیش کریں گے۔

امام مالک رضی اللہ عنہ کا مسجد نبوی میں جمعہ و جماعت ترک کر دینا

ابن خلکان متوفی 608ھ اپنی کتاب "وفیات الاعیان" ج۴ ص۱۳۶ پر رقم کرتے ہیں: ثم ترک الجلوس فی المسجد فکان یصلی وینصرف الی مجلسہ وترک حضور الجنائز فکان یاتی اصحابھا فیعزیھم ثم ترک ذالک کلہ فلم یکن یشھد الصلوات فی المسجد ولا الجمعۃ ولا یاتی احداً یُعَزِّیہ.

ترجمہ: پھر آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد میں بیٹھنا چھوڑ دیا نماز پڑھتے اور واپس اپنی نشست گاہ پر لوٹ جاتے اور آپ نے جنازوں میں جانا ترک دیا آپ مرحومین کے ورثاء کے پاس جاتے اور تعزیت کرتے پھر آپ نے یہ سبھی باتیں ترک کردیں پھر آپ نمازوں میں مسجد میں حاضر نہ ہوتے اور نہ ہی جمعے میں، اور نہ کسی کے پاس تعزیت کے لئے جاتے (اس کے بعد امام مالک رضی اللہ عنہ تقریباً 35 سال مدینہ طیبہ میں زندہ رہے۔ اور پہلے سے آپ کی عزت بڑھ گئی اور منکرین کے بارے میں اُن میں ذرہ لچک پیدا نہ ہوئی)

معلوم ہوا کہ امام مالک رضی اللہ عنہ دشمن اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پورے نظامِ زندگی کو کالعدم سمجھتے تھے لہٰذا جماعت و جمعہ تک مسجد نبوی میں ترک کردیا، جس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ امام بدعقیدہ ہو (منکرِ عظمت و محبتِ اولادِ رسول ہو تو) تو اُس کی امامت ہی منعقد نہیں ہوتی (بمطابق مسلک امام مالک) تو پھر اقتداء کیسی ہوئی؟

یوم قیامت تک آل بیت النبی سے بغض وعناد رکھنے والا فرض کا منکر ہے جس کے پیچھے بعقیدہ امام مالک رضی اللہ عنہ نماز نہیں ہوسکتی۔ "آل بیت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم هم علی وجه التحقیق علی وفاطمه و اولاد هماومن تناسل منهما حتی تقوم الساعة" (مقدمہ التحقیق حقوق اہل البیت صفحہ 5، لابن تیمیہ)

ترجمہ: (آل بیت نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تحقیقی طور (یہ اشخاص ہیں) علی اور فاطمہ اور اُن کی اولاد اور جو قیامت ان دونوں سے پیدا ہوگی)

وآل بیت النبی مفروض علی المسلمین حبهما و مودتهما بامر اللہ فی کتابه العزیز: قل لا اسئلکم علیه اجراً الا المودة فی القربی (شوری آیت 23)

ترجمہ :(آل بیت النبی کی محبت و مودت مسلمانوں پر فرض ہے قرآن میں ہے ''فرمادیئے (یارسول اللہ) میں اس پرتم سے اجر نہیں مانگتا مگر میرے اقرباء کی محبت)

کہا جاسکتا ہے کہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے ترک جمعہ و جماعت جو فرمایا ہے بوجہ علالتِ طبع فرمایا تھا، یہ دعویٰ بے بنیاد ہوگا کیونکہ امام مالک رضی اللہ عنہ نے اُن کے نظام خلافت کو باطل وکالعدم قرار دیدیا تھا۔ البدایہ والنہایہ میں صفحہ 10-84 پر عماد الدین ابن کثیر متوفی 775ھ لکھتے ہیں:

'قدروی ابن جریر عن الامام مالک انه افتی الناس بمبایعته فقیل له فان فی اعناقنا بیعة للمنصور، فقال انما کنتم مکرهین ولیس لمکره بیعة. فبا یعه الناس عندذالک عن قول مالک.

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی 310ھ نے امام مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ انہوں نے اُن (محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ)(سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ) سے بیعت کا فتویٰ دیا تو اُن سے کہا گیا کہ ہمارے گلوں میں منصور کی بیعت کا حلقہ (موجود) ہے تو امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: تم پر جبر کیا گیا تھا اور کسی بھی مجبور کی کوئی بیعت نہیں تو لوگوں نے امام مالک کے قول کے مطابق سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ) کی بیعت کی اور امام مالک رضی اللہ عنہ سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ) کے خروج کے وقت سے مسکن پابند ہوگئے عزا وھناء کے لئے اور جمعہ و جماعت کے لئے گھر سے باہر نہیں جایا کرتے تھے۔

عماد الدین ابن کثیر متوفی 775ھ البدایہ والنہایہ 10-174 پر تحریر کرتے ہیں۔ ''ومن خروج محمد بن عبداللہ بن حسن لزم مالک بَیتَه لم یکن یاتی احداً لالعزاء ولاهناء ولایخرج لجمعة ولالجماعة''

ترجمہ: ترجمہ امام محمد بن عبداللہ بن حسن رضی اللہ عنہ (سیّد نفس زکیہ) کے خروج سے لے کر مسکن پابند ہو گئے کسی کے ہاں خوشی یا غمی میں نہیں جایا کرتے تھے اور نہ ہی کسی جمعہ یا جماعت کے لئے جایا کرتے تھے۔

ابن خلکان متوفی 608ھ وفیات الاعیان صفحہ 4-137 درج فرماتے ہیں

"سعی بہ الی جعفربن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس وھوابن عم ابی جعفر المنصور وقا لوالہ انہ لایری ایمان بیعتکم ھذہ بشیء فغضب جعفر و دعا بہ وجردہ وضربہ بالسیاط و مدت یدہ حتی انخلعت کتفہ وارتکب منہ امراً عظیماً فلم یزل بعد ذالک ضرب فی علوورفعۃ وکانما کانت تلک السیاط حلیا حلی بہ.

ترجمہ: امام مالک رضی اللہ عنہ کے متعلق جعفر بن سلیمان بن علی بن عبداللہ بن عباس کے ہاں چغلی کھائی گئی اور وہ ابوجعفر منصور کا چچازاد بھائی تھا۔ انہوں نے اُس سے کہا۔ وہ (امام مالک رضی اللہ عنہ) تمہارے عہد و بیعت کو کچھ بھی نہیں سمجھتا، (کالعدم سمجھتا ہے) تو جعفر بن سلیمان بہت غضبناک ہوا اور انہیں بلا بھیجا۔ اور اُن کے (امام مالک رضی اللہ عنہ کے) کے کپڑے اتار کر درے مارے اور اُن کا ہاتھ کھینچا نتیجۃً کندھا ہی بدن سے جدا ہو گیا۔ اور جعفر نے ان کے بارے میں کبائر کا ارتکاب کیا تو امام مالک رضی اللہ عنہ اس ضرب کے بعد لگاتار پروان چڑھتے گئے (اور وہ ذروہ علیین کو پہنچے) گویا کہ یہ درے زیور تھے جن سے انہیں آراستہ کیا گیا۔

اسی صفحہ پر ابن خلکان انشاپرداز ہیں: **فی سنۃ سبع واربعین وماۃ (بحوالہ ابن جوزی. شزورالعقود) وضرب مالک بن انس سبعین**

سوطاًلاجل فتوی لم توافق غرض السلطانِ.

ترجمہ: 147ھ میں امام مالک رضی اللہ عنہ بن انس کو ستر درے مارے گئے کیونکہ انہوں نے بادشاہ کی غرض کے خلاف فتوی دیا تھا۔

ان ساری تفصیلات سے امام مالک کے موقف کا پتہ چلا، ساتھ اُن کا دیا جو تفضیل علی رضی اللہ عنہ کے قائل تھے اور نمازیں بھی انہی کے پیچھے پڑھیں جو تفضیل علی کے قائل تھے اور ان کی مخالفت کی جو اس عقیدہ کے خلاف تھے، نہ ہی ان کے پیچھے نماز باجماعت پڑھی اور نہ ہی ان کے پیچھے جمعہ پڑھا گو کہ جمعہ بشرائط فرض عین ہے اور نماز باجماعت سنت موکدہ قریب الوجوب ہے۔

حضرت امام محمد بن ادریس شافعی رضی اللہ عنہ کا حال ملاحظہ فرمائیے

اس مقام پر حضرت امام محمد رضی اللہ عنہ بن ادریس شافعی کی سوانح حیات بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ اُن کا عقیدہ دربارۂ خلافت راشدہ واہل بیت بیان کرنا مقصود ہے کیونکہ گزشتہ سطور میں حضرت ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر صفحہ 178 پر افضلیت کی ترتیب پر اجماع کی تردید فرمائی تھی اور کہا تھا کہ اکثر اہل سنت اس پر متفق تھے۔ سو اس پر جناب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ اور امام مالک بن انس رضی اللہ عنہ کی دربارۂ افضلیت آراء پیش کی گئیں اور بتایا گیا کہ دونوں بزرگوں کی بیعت حضرت زید بن علی رضی اللہ عنہ اور حضرت محمد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ (سیّد نفس زکیہ) سے علی الترتیب المذکور تھی جو کہ تفضیل علی کے برملا داعی تھے اور اسی پر لوگوں نے اُن سے بیعت کی تھی اس سے یہ بات الم نشرح ہوگئی تھی کہ ان دو بانیان مذاہب کا عقیدہ تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا نہ ہوتا تو کبھی ان لوگوں سے بیعت نہ کرتے جو تفضیل علی کے داعی تھے۔

اب امام محمد بن ادریس شافعیؓ کے عقیدہ پر روشنی ڈالنے کے لئے ان کی ذاتی تعلیمات پر روشنی ڈالنی پڑے گی اور ان کے مصادر تعلیمات پر بھی تبصرہ کرنا پڑے گا۔ امام شافعی فرماتے ہیں:

یا اھل بیت رسول الله حبکم

فرض من الله فی القرآن انزله

کفاکم من عظیم القدر انکم

من لم یصل علیکم لاصلوٰة له

(الصواعق المحرقة صفحه146)

ترجمہ: (اے اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تمہاری محبت اللہ کی طرف سے فرض ہے۔ اُس قرآن میں جو اُس نے نازل کیا ہے۔ تمہاری عظمت قدر کے باب میں یہ بات کافی ہے کہ جو تم پر صلوٰۃ نہ بھیجے اُس کی نماز ہی نہیں ہوتی)

امام شافعیؓ کا محبت اہل بیت کو فرض قرآنی سمجھنا یقیناً اہل بیت کی یکتائی و بے ہمتائی کے معنی دیتا ہے جس میں وہ کسی دوسرے کو شریک نہیں سمجھتے۔ دلائل عدمِ مماثلت کسی کے حق میں اس وقت پیش ہوا کرتے ہیں جبکہ اس کو عدیم النظیر اور فقید المثال ثابت کرنا مقصود ہو یہ قطعاً غیر منطقی بات ہے کہ کوئی دلائل تو کسی اور کی ناہمسری کے پیش کرے اور افضل کسی دوسرے کو سمجھے۔

جس وقت امام شافعیؓ نے محبت اہل بیت کو فرضِ قرآنی سمجھا اور اس میں کسی دوسرے کو شریک اور حصہ دار تسلیم نہیں کیا تو معلوم ہوا خواہ کوئی بھی ہو، امام شافعیؓ اس کو اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہم پلہ نہیں سمجھتے۔

جب امام شافعی رضی اللہ عنہ نے درود کو فرض نماز قرار دیا اور بتایا کہ اُن کے نزدیک کسی شخص کی نماز خواہ صحابی، مہاجر ہو، خلیفہ ہو، عشرہ مبشرہ ہو حاضرین بدر میں سے ہو یا حاضرین احد میں سے یا اہل بیعت رضوان میں سے یا فتح مکہ سے سابقین میں سے ہو جب تک اہل بیت پر صلوٰۃ نہ بھیجے نماز نہیں ہوتی اور یہ طرہ امتیاز صرف اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حاصل ہے۔

یہ حقائق بیان کرنے سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کی مراد اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی افضلیت بیان کرنا ہے۔اس سے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے عقیدہ کی ایک حد تک وضاحت ہوجاتی ہے۔مزید براں امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے عوارض ذاتیہ اور انقلابات سیاسیہ کا ذکر کر کے بتاتے ہیں:

اذا نحن فضلنا علیا فاننا
روافض بالتفضیل عندذوی الجھل

ترجمہ: ہم نے جب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو تفضیل دی تو ہم لوگ جہلاؒ کے نزدیک افضلیت دینے کی وجہ سے رافضی ہیں۔

وفضل ابی بکر اذا ماذکرتہ
رُمیت بنصب عندذکری للفضل

ترجمہ: جب میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضلیت بیان کروں تو میرے (جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی) فضلیت بیان کرنے پر مجھے ناصبی ہونیکی تہمت دی جاتی ہے۔

فلازلت ذارفض و نصب کلاھما
بحبھما حتی اُوَسّدفی الرمل

ترجمہ: میں رافضی اور ناصبی ہی رہوں گا ان دونوں بزرگوں کی محبت کی وجہ سے حتیٰ کہ مجھے قبر میں سلا دیا جائے۔

تبصرہ:

یہاں امام شافعی فرماتے ہیں کہ حضرت مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو جب بھی کبھی میں نے افضلیت دی تو مجھے جاہلوں نے رافضی کہا۔ یہ سوچ جہلاء کی ہے کہ حضرت حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو افضل کہا جائے تو کوئی رافضی ہو جاتا ہے۔ کوئی اہل علم ایسا نہیں کرتا کیونکہ جملہ بنی ہاشم کا عقیدہ جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا تھا جیسا کہ بحوالہ کتب مبرھن ومدلل کیا جا چکا ہے اور معتبرات اہل سنت سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ جلیل القدر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس شوریٰ کے ممبران جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے اور بالخصوص حضرت عباس رضی اللہ عنہ تادمِ آخرین یہی عقیدہ رکھتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ، حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ (خلیفہ راشد) اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ رکھتے تھے (فتاویٰ عزیزیہ صفحہ 380) اور جناب عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ راشد بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے افضل تھے اور امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جن سے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی بیعت تھی وہ بھی افضلیت علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے اور اسی کے داعی تھے۔

اور بہت سارے سنی علماء وصوفیا بھی اسی عقیدہ پر تھے (فتاوی عزیزیہ صفحہ 380) اگر افضلیت کا عقیدہ موجب رفض ہوتا تو یہ لوگ رافضی ہوتے۔ اور

جناب ابوالطفیل عامر بن واثلہ جن کا وصال 102ھ میں ہوا اور سب سے آخر میں وصال فرمانے والے صحابی ہیں، وہ شیخین کی عزت کیا کرتے تھے مگر جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل جانتے تھے مگر ان جملہ حضرات کو نہ ہی کسی نے شیعہ کہا نہ ہی کسی نے رافضی کہا۔ جس سے پتہ چلتا ہے کہ افضلیت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھنے سے رافضی نہیں ہوتا بلکہ شیخین کریمین کو تبرا کرنے سے رافضی ہوتا ہے، جیسا کہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے اپنی کتاب ''شذرات الذھب صفحہ 1-158 پر لکھا ہے:

لماخرج زید بن علی یدعوالی طاعته جاء ته طائفة وقالوا تبرا من ابی بکر و عمر حتی نبایعک. فقال اتبراء ممن تبرا منهما فقالوا اذا نرفضک فسموا رافضة من یومئذٍ.

ترجمہ: جب زید بن علی رضی اللہ عنہ اپنی اطاعت کی دعوت دینے کے لئے نکلے تو آپ کے پاس ایک جماعت آئی اور انہوں نے کہا کہ آپ شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو تبرا کریں تو ہم آپ سے بیعت کریں گے تو آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں اس کو تبرا کرتا ہوں جو انہیں تبرا کرے، تو اُس دن سے انہیں رافضی کہا جانے لگا۔

روافض کی تاریخ وجود سے پتہ چلتا ہے کہ جنہیں رافضی کہا گیا وہ شیخین کریمین کو تبرا کرنے والے تھے اور جس نے انہیں پہلی مرتبہ رافضی کہا وہ حضرت سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ تھے جو جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل سمجھنے والے تھے۔

اب جن لوگوں نے جناب شیخین کریمین (رضی اللہ عنہما) کو تبرا کیا عالم اسلام نے انہیں رافضی کہا اور جس نے جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما اور جملہ

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھا اُسے اُمت نے اہل سنت کا امام اور متکلم کہا۔
عبدالقاہر جرجانی متوفی 429ھ اپنی کتاب ''اصول الدین'' صفحہ 307 پر لکھتے ہیں:

اول متکلمی اہل السنة من التابعین عمر بن عبدالعزیز وله رسالة بلیغة فی الرد علی القدریة ثم زید بن علی بن الحسین بن ابی طالب وله کتاب فی الرد علی القدریة من القرآن.

ترجمہ: تابعین میں سے پہلے سنی متکلم جناب عمر بن عبدالعزیز اور ان کا ایک بلیغ رسالہ ہے قدریہ کہ رد میں: پھر زید بن علی بن الحسین بن علی ہیں اور اُن کی ایک کتاب ہے جو کہ قرآنی حوالہ جات سے قدریہ کے رد میں ہے۔

یہاں جن دو کو اہل سنت کا تابعین میں مقدم متکلم کہا گیا وہ دونوں حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ رضی اللہ عنہم میں افضل سمجھنے والے تھے۔ معلوم ہوا کہ افضلیت علی کا عقیدہ رکھنے والا سنی نہ رہتا تو پہلے وہ صحابہ کرام سنی نہ رہتے جو یہ عقیدہ رکھتے تھے۔ اور دوسرا یہ دونوں حضرات عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور زید بن علی رضی اللہ عنہ سنی نہ رہتے جب ان دونوں حضرات کو تابعین میں چوٹی کا سنی متکلم مانا گیا تو ثابت ہوا کہ رافضی اُسے کہتے ہیں جو شیخین کریمین رضی اللہ عنہما کو تبرا کرے، اور جو افضلیت کا عقیدہ رکھے وہ نہ صرف سنی ہو سکتا ہے بلکہ وہ سنیوں کا امام ہو سکتا ہے جیسا کہ امام حسن رضی اللہ عنہ، عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ اور امام زید بن علی رضی اللہ عنہ جن کے مرید امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ تھے، امام مالک رضی اللہ عنہ سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ اور سیّد ابراہیم رضی اللہ عنہ مرید تھے۔

تو اب معلوم ہوا کہ امام شافعی نے جو افضلیت کا نعرہ لگایا تو لوگوں نے انہیں

رافضی کہا تو آپ نے فرمایا کہ جہلاء کا عقیدہ ہے کہ علی کو افضل سمجھنے سے آدمی رافضی ہو جاتا ہے۔ اس عقیدے کے لوگ دنیائے اسلام کے مسلمہ روزگار اور خلفائے راشدین گزرے ہیں اس لئے اس عقیدہ پر رفض کا انتساب شعار جہلاء ہے۔

امام شافعی کے کلام میں جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے لئے لفظ تفضیل استعمال کرنا اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے لفظ فضل استعمال کرنا اس کا فرق اہل علم پر مخفی نہیں۔ اب امام شافعی رضی اللہ عنہ اپنے عقیدے کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔:

قالوا ترفَّضتَ قُلتُ کلا

ماالرفض دینی ولا اعتقادی

ولکن تولیت غیر شک

خیر امام و خیر ھادی

ترجمہ: لوگوں نے مجھے رافضی کہا میں نے کہا ہرگز نہیں۔ رفض نہ ہی میرا دین ہے نہ ہی میرا اعتقاد۔ لیکن بلا شبہ میں نے سب سے افضل امام اور سب سے افضل ہادی سے پیار کیا ہے۔

خیر امام خیر ھادی

(سب سے اچھا امام، سب سے اچھا ہادی علی رضی اللہ عنہ ہے)

اہل علم کے نزدیک اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں:

(۱) بواسطہء من (۲) بذریعہ الف لام تعریف (۳) بطور اضافت

اس جگہ لفظ "خیر" مضاف ہے امام کیطرف جونکرہ ہوکر حکم جمع میں ہے

اور اسم تفضیل کا استعمال بطریقہ اضافت کا معنی یہ ہوتا ہے کہ مضاف ان سب خوبیوں کا مالک ہے جو کہ مضاف الیہ میں پائی جاتی ہیں اور ان کے سوا ان خوبیوں کا بھی مالک ہوتا ہے جو کہ مضاف الیہ کے کسی فرد میں بھی نہیں پائی جاتیں۔ معلوم ہوا کہ امام شافعی کے بقول وہ خوبیاں جو جناب حیدر کرار رضی اللہ عنہ میں پائی جاتی ہیں وہ کسی دوسرے آدمی میں نہیں پائی جاتیں۔ (انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام بداہت عقلی سے مستثنیٰ ہے)۔ اس سے تفضیل علی رضی اللہ عنہ کا مفہوم نکلتا ہے۔

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے ان اشعار سے اُن کا عقیدہ کھل کر سامنے آ جاتا ہے۔ انہوں نے جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو خیر امام'' (سب سے افضل امام) خیر ہادی (سب سے اچھا اور افضل ہادی) کہا چونکہ آپ ہاشمی تھے آپ کے جداعلیٰ سائب یوم بدر کو مسلمان ہوئے اور اُن کے بیٹے جناب شافع بھی صحابی تھے۔ ہاشمی ہونے کے ناطے سے بھی جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا عقیدہ آپ کے لئے ممکن تھا کیونکہ ہاشمیوں کی قیادت اہل بیت تھے جو دین میں اپنے آپ کو اصل بھی سمجھتے اور افضل بھی سمجھتے تھے حدیث ثقلین اس کی واضح شہادت بھی تھی۔

علامہ دیلمی ہمدانی متوفی 509ھ نے اپنی کتاب الفردوس 4-283 پر حدیث 6838 روایت فرمائی ہے۔ ''عن انس نحن اهل بيت لايقاسُ بنا احَدٌ. ترجمہ: ہم اہل بیت ہیں ہمارے برابر کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔

یہ روایت امام محبّ الدین طبری نے بھی ''ذخائر العقبیٰ'' ص ۷ ا پر بعینہٖ نقل فرمائی ہے۔ اس حدیث میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے آپ کو اہل بیت میں شمار فرمایا اور یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے برابر کوئی نہیں ہو سکتا اور نہ ہی برابر قرار دیا جا سکتا ہے۔

رئیس المجد دین سیّدنا پیر مہر علی شاہ رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں: ''اپنے خطبات میں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہٗ نے صاف فرمادیا ہے ''لایقاس بآل محمد صلی اللہ علیہ وسلم من ھٰذا الامۃ احدٌ .الخ ''۔یعنی آلِ پاک محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی کو مساوات نہیں۔ (تصفیہ مابین سنی وشیعہ، ص ۸۵)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک نکتہ نگاہ

اعلیٰحضرت فاضل بریلوی نے افضلیت کے باب میں مختلف اقوال فرمائے مگر اقوال از قسم استنباط و استدلال ہیں مگر یہ حوالہ آپ کا بزبان نبوت ہے۔ فتاویٰ رضویہ ج ۲۳ ص ۲۳۲ حدیث نمبر 89، آپ نقل فرماتے ہیں:

اول من اشفع له یوم القیمة من امتی اهل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصارثم من اٰمن بی واتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع له اولا افضل رواه الطبرانی ۔ فی الکبیر والدار قطنی فی الافراد والمخلص فی الفوائد عن ابن عمر رضی الله تعالیٰ عنهما.

ترجمہ: (روز قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا۔ پھر درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک ہیں قریش تک۔ پھر انصار۔ پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی، پھر باقی عرب، پھر اہل عجم۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں اور مخلص نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے)

تبصرہ:

''میں پوری امت میں سب سے پہلے، اپنی اہل بیت کی شفاعت کروں گا،
یہ صغریٰ ہوا۔''اور جس کی میں سب سے پہلے شفاعت کروں گا وہ سب سے افضل ہے''
یہ کبریٰ ہوا''میری اہل بیت پوری اُمت سے افضل ہے(یہ نتیجہ منطقیہ ہے)۔اب
جملہ صحابہ کرام، خلفائے راشدین بمعہ عشرہ مبشرہ، حاضرین بدر، حاضرین اُحُد اہل
بیت رضوان، الغرض جملہ اقسام صحابہ کرام اُمتی ہیں اور صرف اہل بیت ہی اہل بیت
ہیں، اور اہل بیت جملہ اقسام اُمت سے افضل ہیں۔(رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین)

اور ایک معنی میں جناب مرتضیٰ ؓ کو اہل بیت میں افضلیت حاصل ہے
کیونکہ جملہ ہاشمی مع اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جناب مرتضیٰ ؓ کو افضل سمجھتے
تھے جیسا کہ گزشتہ صفحات پر لکھا جا چکا ہے۔

اب افضلیت جناب مولا مرتضیٰ ؓ کی اس حیثیت کا تعین کرنے کے لئے
ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے۔

امام ابن حجر مکی اپنی کتاب صواعق محرقہ صفحہ 176 پر تحریر فرماتے ہیں:

وفی تاریخ دمشق أن الناس کرروا الاستسقاء عام الرمادة سنة سبعة عشر من الهجرة فلم یسقوا فقال عمر لأستسقین غدا بمن یسقینی الله به فلما أصبح غدا للعباس فدق علیه الباب فقال من قال عمر قال ما حاجتک قال اخرج حتی نستسقی الله بک قال اقعد فارسل إلی بنی هاشم أن تطهروا والبسوا من صالح ثیابکم فاتوه فاخرج طیبا فطیبهم ثم خرج وعلی أمامه بین یدیه والحسن عن یمینه

والحسين عن يساره وبنو هاشم خلف ظهره فقال يا عمر تخلط بنا غيرنا ثم أتى المصلى فوقف فحمد الله وأثنى عليه وقال اللهم إنک خلقتنا ولم تؤامرنا وعلمت ما نحن عاملون قبل أن تخلقنا فلم يمنعک علمک فينا عن رزقنا اللهم فكما تفضلت فى أوله تفضل علينا فى آخره قال جابر فما برحنا حتى سحت السماء علينا سحا فما وصلنا إلى منازلنا إلا خوضا.

ترجمہ: تاریخ دمشق میں ہے کہ عام الرماد 17ھ کو لوگوں نے بار بار نماز استسقا پڑھی (یا بارش کے لئے دعاء مانگی) لیکن اُن پر بارش نہ ہوئی تو جناب عمر فاروق ﷛ نے فرمایا کہ میں کل اس کے ذریعے سے بارش کی دعا کروں گا جس کے ذریعے سے اللہ مجھے بارش عطا فرمائے گا۔ جب صبح ہوئی تو جناب عباس ﷛ کے پاس حاضر ہوئے اوران کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ آپ نے فرمایا: کون؟ جناب عمر ﷛ نے کہا ''عمر'' آپ نے فرمایا: کیسے آئے؟ جناب عمر ﷛ نے کہا ''چلیں کہ ہم آپ کے ذریعے سے اللہ سے بارش مانگیں۔ آپ نے فرمایا: آپ بیٹھ جائیں۔ آپ نے بنی ہاشم کو پیغام دیا کہ طہارت کریں، اچھے کپڑے پہنیں۔ (بنی ہاشم بعد از تعمیل حکم) جناب (عباس ﷛) کے پاس آ گئے آپ نے ایک خوشبو نکالی اور انہیں لگادی پھر چل دیئے۔ جناب مولا مرتضٰی ﷛ آپ (عباس ﷛) کے آگے آگے تھے اور امام حسن ﷛ دائیں جانب اور امام حسین ﷛ بائیں جانب اور دیگر سارے بنی ہاشم جناب (عباس ﷛) کے پیچھے پیچھے تھے۔ آپ (عباس ﷛) نے فرمایا کہ دوسرے لوگوں کو ہمارے ساتھ نہ

ملانا۔ پھر آپ (عباس رضی اللہ عنہ) جائے نماز پر آئے اور آپ ٹھہر گئے اور اللہ تعالیٰ کی مدح وثناء کی اور عرض کیا: اے ہمارے اللہ تو نے ہمیں پیدا کیا حالانکہ تو نے ہم سے مشورہ نہیں کیا اور ہماری پیدائش سے پہلے تو ہمارے اعمال کو جانتا تھا۔ تیرے علم نے جو ہمارے بارے میں تیرے پاس تھا ہمیں رزق دینے سے نہیں روکا۔ اے اللہ جس طرح تو اُس کے اول میں ہم پر فضل فرماتا تھا اس طرح اس کے آخر میں ہم پر فضل فرما۔ جناب جابر رضی اللہ عنہ کا کہنا ہے کہ زیادہ دیر نہ گزر پائی تھی کہ ہم پر چھاجوں بادل برسنے لگا (موسلا دھار بارش ہوئی) اور ہم اپنے گھروں کو نہ پہنچنے پائے مگر اس حالت میں کہ ہم بارش سے لت پت تھے۔

اور بخاری شریف میں بھی ہے کہ لوگ جناب عمر رضی اللہ عنہ کے پاس دعائے استقاء کے لئے آئے۔ ان حوالہ جات سے جو نتیجہ مرتب ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ کسی بھی مصیبت کے وقت دعاء کے لئے اپنے سے کسی بہتر اور افضل شخصیت کے پاس آتے ہیں۔ کفار مکہ بھی قحط سالی کے وقت، سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں دعاء کے لئے حاضر ہوئے۔ جو جو بھی دعاء کرانے کے لئے کسی کے پاس جاتا رہا ہے وہ افضلیت کا عقیدہ لے کر جاتا رہا ہے۔

معلوم ہوا کہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ جناب عباس رضی اللہ عنہ کے پاس حاضر ہوئے اہل بیت کو کل اُمت سے افضل سمجھ کر۔ اور پورے یقین سے فرمایا کہ کل میں ایسے شخص سے دعاء کرواؤں گا جس کی وجہ سے بالیقین بارش ہوگی۔ جناب عباس رضی اللہ عنہ نے اس عقیدہ کی تردید نہیں فرمائی اور دعا میں جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو سب سے آگے رکھا جس کا مقصد

یہ تھا کہ جناب عباس رضی اللہ عنہ کے نزدیک جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ بعد از انبیاء سب سے افضل تھے جیسا کہ ''تاریخ بغداد'' کے حوالے سے یہ واضح کیا گیا جناب عباس رضی اللہ عنہ کا وصال 32ھ میں ہوا اور تادم واپسیں جناب حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کو سب صحابہ سے افضل سمجھتے تھے۔

جناب عباس رضی اللہ عنہ نے، حسن و حسین رضی اللہ عنہما کو دائیں اور بائیں رکھا جس کا مقصد یہ تھا کہ یہ سادات اہل بیت ہیں، اہل بیت ہو کر کے بھی کوئی ان کا شریک مرتبہ نہیں اور خاندان بنی ہاشم کے ساتھ دوسرے لوگوں کو ملانے کی اجازت نہیں دی جس کا مطلب یہ تھا کہ کوئی کتنا بھی بلند تھا یا ہوتا رہے گا وہ بنی ہاشم کا ہم پلہ نہیں ہوگا۔ اور بنی ہاشم کتنے بھی بڑے بزرگ ہوں گے مگر اہل بیت کے ہم پلہ نہیں ہوں گے اور اہل بیت کتنے بھی بزرگ ہوں گے مگر اُن چار ہستیوں کے ہم پلہ نہیں ہوں گے جنہیں چادر تطہیر میں بھی لیا گیا اور بوقت مباہلہ انہیں خصوصیت سے سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی معیّت کا شرف بخشا۔

چونکہ امام شافعی رضی اللہ عنہ خاندان بنی ہاشم میں سے تھے جن کا موروثی عقیدہ افضلیت علی کا تھا اور روزانہ کے واقعات کے ذریعے سے بھی اسی عقیدہ کی توثیق و تائید ہوتی رہی اس لئے امام شافعی رضی اللہ عنہ کے حق میں یہ بدیہی بات تھی کہ وہ جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو افضل سمجھیں۔ انہوں جو اشعار فرمائے ان میں خاندان بنی ہاشم کے خونی اور خاندانی ماحول کا دباؤ معلوم ہو رہا ہے:

قالوا ترفّضتَ قُلتُ كلا ما الرفض ديني ولا اعتقادي

ولكن توليت غير شك خير امام و خير هادي

حضرت امام شافعی رضی اللہ عنہ کے تعلیمی مصادر

امام سیوطی اپنی کتاب حسن المحاضرہ میں لکھتے ہیں (جس کو بلفظہ ابن عماد حنبلی متوفی 1089ھ نے اپنی کتاب ''شذرات الذھب'' ج۲ ص۹ پر لکھا ہے:

"الامام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع بن السائب بن عبید بن عبدیزید بن ھاشم بن عبدالمطلب بن عبدمناف جد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، وجدہ صحابی اسلم یوم بدر وکذا ابنہ شافع لقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم وھو مترعرع.

ترجمہ: امام شافعی ابوعبداللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان ہیں اور عثمان بیٹے ہیں شافع کے اور وہ بیٹے ہیں سائب اور وہ بیٹے ہیں عبید کے اور وہ بیٹے ہیں عبد یزید کے اور وہ بیٹے ہیں ہاشم کے اور وہ بیٹے ہیں عبدالمطلب کے اور وہ بیٹے ہیں عبدالمناف کے جو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جد کریم ہیں اور سائب اُن کے (امام شافعی کے) دادا ایک صحابی ہیں جو جنگ بدر کے دن مسلمان ہوئے اور اسی طرح اُن کے بیٹے شافع رضی اللہ عنہ نے بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی جبکہ وہ اُٹھتی جوانی میں تھے۔

وُلد الشافعی سنۃ خمسین ومئۃ بغزہ اوبعسقلان اوبیمن اومنی"

(حضرت امام شافعی 150ھ میں غزہ یا عسقلان یا یمن یا منٰی میں پیدا ہوئے)

ونشاء بمکۃ وحفظ القرآن وھوابن سبع سنین والموطا وھو ابن عشرۃ سنۃ ثم لازم مالکا بالمدینہ و تفقہ علی مسلم بن خالد زنجی مفتی مکہ واذن لہ فی الافتاء وعمرہ خمس عشرۃ سنۃ ثم لازم مالکا

بالمدینۃ وقدم بغداد سنۃ خمس وتسعین ومئۃ.

ترجمہ: آپ رضی اللہ عنہ نے مکہ شریف میں پرورش پائی اور قرآن یاد کرلیا جبکہ آپ کی عمر شریف سات برس تھی اور موطا امام مالک دس برس کی عمر میں یاد کرلیا اور مفتی مکہ مسلم بن خالد زنگی سے فقہ پڑھی اور انہوں نے آپ (امام شافعی) کو فتویٰ کی اجازت دیدی جبکہ آپ کی عمر پندرہ برس تھی۔ پھر امام مالک رضی اللہ عنہ ہی سے وابستہ رہے۔ اور بغداد شریف ۱۹۵ھ میں تشریف لائے۔ (امام شافعی رضی اللہ عنہ کے بارے میں جو عبارات نقل کی ہیں یہ سب شذرات الذھب سے لی ہیں)

تبصرہ:

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے جب موطا امام مالک ۳ سال میں یاد کیا ہوگا اور آپ کی عمر شریف 10 سال ہوگئی ہوگی اور آپ کے شعور پر بلوغت کا دور آ گیا ہوگا۔ (جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی متوفی 911ھ تدریب الراوی صفحہ 5/2 پر تحریر فرماتے ہیں "**نقل القاضی عیاض انَّ اھل الصنعۃ حددوا اول زمن یصح فیہ السماع بخمس سنین**"

ترجمہ: قاضی عیاض اندلسی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 544ھ نے بیان کیا کہ اہل فن نے تعین کیا ہے کہ پہلا زمانہ جس میں سماع حدیث صحیح ہوسکتا ہے وہ پانچ برس کی عمر ہے۔

تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے جناب امام مالک رحمۃ اللہ علیہ سے ضرور عقائد بھی سیکھے ہوں گے اور جب امام مسلم بن خالد زنگی سے فقہ سیکھی ہوگی تو اضافہ علم کیلئے کسی اور کے پاس کیوں نہ گئے؟ جبکہ آپؒ فتویٰ دینے کے اہل بھی ہوگئے ہوں گے اور عمر

شریف بھی پندرہ 15 سال ہوگئی ہوگی تو 165ھ سے لے کر امام مالک رضی اللہ عنہ کے سن وفات 179ھ تک 14 برس کا طویل زمانہ تحصیل علم کے لئے امام مالک رضی اللہ عنہ کے پاس ٹھہرے ہوں گے۔ انہوں نے نہ پوچھا ہوگا کہ آپ کے یہ بازو کیسے کٹے؟ آپ کے پاس لوگ دین سیکھنے کیلئے روزانہ آتے ہیں اور دن بدن تشنگانِ علم کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ آپ کی عزت و آبرو میں روزافزوں خوب ترقی ہو رہی ہے، آپ نے مسجد نبوی میں پنجوقتہ نماز باجماعت کو بھی دائمی ترک کر رکھا ہے اور مسجد نبوی میں جمعہ بھی ادا نہیں فرماتے۔

یہ تمام تر تفصیلات بتاتے وقت نہیں بتاتے ہوں گے کہ پہلی تحریک اہل سنت جس کے بانی سیّد زید بن علی بن الحسین بن علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ تھے، 121ھ میں شروع ہوئی تو میں نے زید بن علی سے بیعت کی تھی اور سیّد نفس زکیہ نے بھی انہی سے بیعت کی تھی اور سیّد زید بن علی کی شہادت کے بعد یہ علم سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ رضی اللہ عنہ) نے اٹھالیا اُس پہلے عہد کو دہرانے کے لئے میں نے سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ) سے تجدید بیعت کی۔ پہلی جنگ 121ھ میں ہشام بن عبدالملک سے تھی اب یہ دوسری جنگ 144ھ میں منصور کے خلاف لڑی گئی اور بنی ہاشم کا عقیدہ یہ تھا کہ جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بعد از انبیاء ساری اُمت سے افضل ہیں اور کوئی غیر علی، علی رضی اللہ عنہ کے برابر نہیں۔ جیسا کہ امام عبدالکریم شہرستانی متوفی 548ھ نے اپنی کتاب الملل والنحل صفحہ 155/1 پر تحریر کیا ہے۔ ''امام ابوحنیفہ نے اُن سے بیعت کی تھی''، اور بعد میں سیّد محمد بن عبداللہ (سیّد نفس زکیہ) سے بیعت کی جو کہ سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ کے رشتے کے بھتیجے تھے اور جملہ ہاشمیوں کی طرح وہ بھی افضلیت

علی رضی اللہ عنہ کا عقیدہ رکھتے تھے۔ اور حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ بھی یہی عقیدہ رکھتے تھے جیسا کہ علامہ مومن مصری شبلنجی نے (نورالابصار فی مناقب اہل بیت النبی المختار صفحہ 195 پر لکھا ہے اور محدثین میں سے چوٹی کے لوگوں نے سیّد زید بن علی سے روایات کی ہیں جو کہ افضلیت کے داعی تھے۔

نورالابصار صفحہ 195 پر لکھا ہے: **وروا عنہ محمد بن شھاب الزھری وزکریابن زائدہ وخلق وروٰی لہ ابوداود الترمذی والنسائی وابن ماجہ وذکرہ ابن حبان فی الثقات.**

ترجمہ: اُن سے محمد بن شہاب زہری نے اور زکریا بن زائدہ نے اور اُن کی روایات ابوداؤد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی لی ہیں۔

جب امام شافعی نے یہ جملہ تفصیلات امام مالک کی زبان سے سنی ہوں گی اور زندگی کے پہلے تین سال موطا امام مالک یاد کرنے کے لئے بھی اُن کے پاس گزراتے ہوں گے اور بعد میں پورے چودہ برس انہی کے پاس گزارے ہوں گے جن کا مجموعہ سترہ سال بنتا ہے اور دوسری طرف امام شافعی ایسے ہاشمی ہیں کہ جن کی دو پشتیں صحابی اور چند پشتیں اوپر چل کے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا صاحب میں شریک نسب ہیں انہوں نے کچھ نہ جانا ہوگا کہ ہاشمیوں کا عقیدہ کیا ہے اور ائمہ اہل بیت کا اُن کے بارے میں موقف کیا ہے یقیناً یہ سب باتیں جو ہمیں معلوم ہیں ان کو کیوں معلوم نہیں ہوئی ہوں گی؟ یقیناً امام شافعی رضی اللہ عنہ کا مندرجہ ذیل اشعار کہنا اپنے عقیدے کے اظہار کیلئے تھا:

ترجمہ اشعار: لوگوں نے کہا: تو رافضی ہوگیا ہے میں نے کہا، ہرگز نہیں۔ رفض

نہ ہی تو میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔ لیکن بلاشبہ، میں نے سب سے اچھے (افضل) امام اور سب سے اچھے افضل ہادی کو اپنا حاکم بنالیا ہے۔

امام شافعی رضی اللہ عنہ نے اپنے عقیدہ کا برملا اظہار کر دیا ہے۔

اُس دور میں جو تحریک حسینی چل رہی تھی اور جس کے پہلے علمبردار خود امام حسین رضی اللہ عنہ تھے، بعد میں زید بن علی، سیّد نفس زکیہ، سیّد ابراہیم اور یحییٰ بن زید وغیرہم (رضی اللہ عنہم) قائد اور رہنما ہوئے اُن کا موضوع دعوت یہی تھا کہ ہم لوگ اولادِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ہمارا جد اعلی مولا مرتضیٰ افضل الامت ہے۔

لہٰذا ہماری موجودگی میں بلا عذر شرعی کوئی دوسرا سربراہِ مملکت نہیں ہونا چاہئے ورنہ دوسرے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی اولاد کے افراد اپنی طرف دعوت دے سکتے تھے۔ یہ نعرہ خواہ دورِ حاضر کے دانشور کو اچھا لگے یا برا مگر یہ نعرہ صدر اول اور قرون اولی مشہود لہا بالخیر میں اتنا عام تھا کہ اس کو آپ صبح کا سویرا کہہ لیں یا نوشتۂ دیوار، مگر اس پر پردہ نہیں ڈال سکتے کیونکہ یہ نعرہ خود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں جو غیر ہاشمی تھے، عام تھا۔ ملاحظہ فرمائیے۔ علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی مسعودی متوفی 346ھ اپنی کتاب "مروج الذہب" ج ۲ ص ۳۸۴، ۳۸۳ پر ارقام فرماتے ہیں:

قد كان حذيفة عليل بالكوفة فى سنة ست و ثلاثين، فبلغه قتل عثمان و بيعة الناس لعلى فقال :اخرجونى وادعوا "الصلوٰة جامعة فوضع على المنبر، وحمد الله واثنى عليه وصلى على النبى و آله ثم:

قال: ایھاالناس! ان الناس قد بایعوا علیاً فعلیکم بتقوی اللہ وانصروا علیًا ووآزروہ۔ فواللہ انہ لعلی الحق آخراً واولاً وانہ لخیر من مضیٰ بعد نبیکم ومن بقی الی یوم القیٰمۃ ثم اطبق بیمینہ علی یسارہ ثم قال: اللھم اشھد انّی قدبایعت علیًا وقال الحمدللہ الذی ابقانی الی ھذاالیوم.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بن الیمان (صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سن 36ھ میں کوفہ میں بیمار تھے۔ تو انہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان کی شہادت اور لوگوں کے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی اطلاع موصول ہوئی، تو انہوں نے فرمایا ''مجھے نکالو'' اور بتاؤ کہ نماز کی جماعت ہونے لگی ہے تو آپ کو لا کر منبر پر بٹھا دیا گیا، تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثناء کی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی آل پر صلوٰۃ بھیجی پھر فرمایا: لوگو! لوگوں نے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے بیعت کی ہے پس تم اللہ تعالیٰ سے ڈرو، اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی مدد کرو اور آپ کا ہاتھ بٹاؤ۔ خدا کی قسم، علی رضی اللہ عنہ اول وآخر حق پر ہیں اور وہ اُن سب سے بہتر ہے جو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد گزرے ہیں اور اُن سے بھی افضل ہے جو قیامت تک رہیں گے۔ پھر آپ نے اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا پھر فرمایا: اے میرے اللہ! میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے علی سے بیعت کی ہے۔ اور کہا: اُس خدا کی ساری تعریفیں ہیں جس نے مجھے آج دن تک زندہ رکھا۔

''مروج الذھب'' کی اس عبارت سے پتہ چلا کہ حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ کا عقیدہ مرتے دم تک یہی تھا کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اُمت مسلمہ کے ہر گزرے ہوئے مسلمان اور ہر آنے والے مسلمان سے بعد از نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، افضل و

اکرم ہیں۔ جب آپ رضی اللہ عنہ نے مسجد کوفہ میں منبر پر بیٹھ کر یہ خطبہ پڑھا تو سامعین یا صحابہ تھے یا تابعین، ان میں سے کسی نے اعتراض نہ کیا کہ یہ عقیدہ اہل سنت کے خلاف ہے۔ تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ عقیدہ صحابہ کرام وتابعین عظام (رضی اللہ عنہم) کا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا نظریہ

برسرراہے حبر الامت ترجمان القران جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا عقیدہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے جو خلافت راشدہ کے دور میں مجلس شوریٰ کے ممبر تھے اور خصوصاً جناب عمر رضی اللہ عنہ اپنے عہد خلافت میں انہیں بہت ترجیح دیا کرتے تھے۔

علامہ ابوالحسن علی بن الحسین بن علی مسعودی متوفی 346ھ اپنی کتاب مروج الذہب ج ۳ص ۵۲،۵۱ پر ارقام فرماتے ہیں:

قال رضی اللہ عن ابی الحسن رضی اللہ عنہ: کان واللہ علم الھدیٰ وکھف التقی ومحل الحجا، وبحر الندیٰ، وطود النھی، وکھف العلی للوریٰ، داعیًا الی المحجة العظمیٰ، متمسکا بالعروة الوثقیٰ خیر من آمن واتقی. وافضل من تقمص وارتدی، وابر من انتعل وسعی، وافصح من تنفس وقراء، واکثر من شھدالنجوی. سوی الأنبیاء والنبی المصطفیٰ، صاحب القبلتین، فھل یوازیہ احد؟ وھوابو السبطین فھل یقارنہ بشر، وزوج خیرالنساء ، فھل یفوقہ قاطن بلد، للاسود قتال وفی الحروب ختال ولم ترعینی مثلہ ولاتری، فعلی من انتقصہ لعنة اللہ والعباد الی یوم التناد.

ترجمہ: (حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ ؓ کے دربار میں، ان کے کہنے پر جناب مولا مرتضیٰ ؓ کی بات کی) آپ ؓ نے فرمایا: ابوالحسن (جناب علی مرتضیٰ ؓ) سے اللہ تعالیٰ راضی ہو، خدا کی قسم وہ ہدایت کا علم تھے، تقویٰ کی جائے پناہ، ذہانت کا مرکز، سخاوت کا سمندر، علم و دانش کا پہاڑ، مخلوق خدا کے لئے بلندی کا مرکز، عظیم منزل مقصود کی دعوت دینے والے تھے، نہ ٹوٹنے والے حلقے سے وابستہ رہنے والے تھے، اُن سب لوگوں سے جو ایمان لائے تھے اور متقی ہوئے تھے، وہ افضل تھے، جنہوں نے قمیص پہنی تھی اور چادر اوڑھی تھی وہ سب سے افضل و اکرم تھے، جنہوں نے جوتا پہنا تھا اور دوڑے تھے وہ اُن سب سے نیک تھے، جنہوں نے دنیا میں سانس لیا اور پڑھا تھا وہ اُن سب سے فصیح (صاف زبان) تھے، جن جن لوگوں نے راز داری کی باتوں کا موقعہ پایا تھا اُن میں سب سے زیادہ موقعہ پانے والے تھے، باستثنائے انبیاء و حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام، وہ دو قبلوں والے تھے، کیا کوئی ان کے برابر ہوگا، وہ سبطین کے باپ ہیں کیا کوئی انسان اُن کے ہم پلہ اور ہم پایہ ہوگا؟ وہ دنیا کی سب سے اچھی افضل خاتون کے خاوند ہیں کیا کسی شہر کا رہنے والا اُن سے برتری حاصل کرسکتا ہے۔ شیروں کے مقابلے میں سخت جنگجو اور جنگوں میں انتہائی بیدار مغز، میری آنکھ نے اُن جیسا کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی دیکھے گی (یا تم بھی نہیں دیکھو گے) اور جو انہیں عیب دار سمجھے اس پر قیامت تک اللہ تعالیٰ اور بندوں کی لعنت ہو۔

تبصرہ: جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا جناب مولا مرتضیٰ ؓ کے اوصاف بیان کرنے کے بعد یہ کہنا ''وہ مومنین اور متقین سے افضل تھے، اور ہر اس

شخص سے اکرم تھے جس نے قمیص پہنی اور چادر اوڑھی'' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کا اظہار عقیدہ تھا۔ جبکہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ اپنے دربار میں مع دیگر روسائے قریش کے بیٹھے ہوئے تھے انہوں نے خود جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے، جناب شیخین کریمین وحضرت عثمان بن عفان (رضی اللہ عنہم اجمعین) اور جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے بارے میں تفصیلات دریافت کیں اور یہ ان کا تنہا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جملہ خاندان ہاشمیہ کا عقیدہ تھا اور جناب عباس رضی اللہ عنہ تاوقت وصال اسی عقیدہ پر قائم رہے۔ جیسا کہ خطیب بغدادی متوفی 463ھ نے تاریخ بغداد صفحہ 292/9 پر لکھا ہے:

''امـا العباس فمات وعلی عنده افضل الصحابة'' ترجمہ: حضرت عباس رضی اللہ عنہ وفات پاگئے جبکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن کے نزدیک سب صحابہ کرام سے افضل تھے۔ طبرانی کبیر 239-240/10 پر بھی امام طبرانی نے جناب عبداللہ بن عباس کا یہ پورا بیان رقم فرمایا ہے۔

طبقات ابن سعد صفحہ 38/3 پر ابن سعد تحریر فرماتے ہیں۔ ''لـمـا تـوفـی علـی بن ابی طالب قام الحسن بن علی، فصعد المنبر، فقال ایها الناس ! قد قبض اللیلةَ رجُلٌ لم یسبقه الاولون ولایدرکه الاخرون،

ترجمہ: جب جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کا وصال ہوگیا تو امام حسن بن علی کھڑے ہوئے تو منبر پر چڑھ گئے اور انہوں نے کہا: لوگو! آج رات ایک ایسے شخص کا انتقال ہوگیا ہے جس سے نہ ہی پہلے لوگ سبقت لے سکے اور نہ ہی پچھلے لوگ اُسے پہنچ سکیں گے۔

تبصرہ: حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا عقیدہ افضلیت دربارۂ مرتضٰی رضی اللہ عنہ محض مہمل اور رسمی نہیں تھا بلکہ اس پر ادلہ قویہ موجود تھیں جیسا کہ درمنثور مصنفہ امام سیوطی رحمۃ

اللہ علیہ صفحہ 589/8 پر حضرت ابوسعید خدری ؓ کی حدیث مرفوع موجود ہے "علی خیر البریة" علی سب مخلوق سے (باستثنائے انبیاء مرسلین علیہم الصلوٰۃ والسلام) افضل ہیں، درمنثور میں اسی مقام پر ہے۔ "فکان اصحاب النبی (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) اذااقبل علیٌّ قالوا "جاء خیر البریة" صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، جب علی مرتضیٰ ؓ آیا کرتے، تو کہتے سب مخلوق سے افضل آ گیا ہے۔

اسی طرح کا بیان مروج الذھب صفحہ 2/4-383 امام ابوالحسن علی بن الحسین بن علی متوفی 346ھ پر موجود ہے، جس کا ذکر چند صفحات پہلے ہو چکا ہے۔

ایک اچنبھے کی بات

ایک واقعہ نادرہ روزگار ملاحظہ فرمائیے۔ یہ وہ پایہ تخت ہے جہاں امام حسین ؓ کے قتل کا فیصلہ ہوا اور خاندان نبوت اور حامیانِ اہل بیت کے بہتر 72 سر نیزوں پر چڑھا کر بعض اہل بیت کی نمائش بھی کی گئی جس پر چشم فلک بھی خون کے آنسو روئی پتھروں کا دل بھی پگھلا، درختوں سے بھی خون بہتا ہوا دیکھا گیا۔ مدینہ شریف میں پڑی ہوئی خاکِ کربلا اس المیہ کی ہولناکی سے خون میں تبدیل ہوگئی۔ بحوالہ ترمذی جناب سیّدہ اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چہرہ والضحیٰ کو خاک کربلا سے گرد آلود دیکھا۔ اسی خونی سانحہ میں ایک شخص نے سورۂ کہف کی آیت (۹) أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا پڑھی تو امام جنت مقام جناب حسین ؓ کا سر اقدس بول اٹھا: قتلی و حملی اعجب من ذالک.

(نور الابصار ص 135، خصائص کبریٰ صفحہ 127/2 مصنفہ امام سیوطی)

اخرج ابن عساکر عن المنهال بن عمرو قال ، انا واللہ رایت راس الحسین حین حمل وانا بدمشق بین یدی راس رجل یقرا سورۃ الکھف حتی بلغ قولہ"أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا، فانطق اللہ الرأس بلسان فقال اعجب من اصحاب الکھف قتلی وحملی.

ترجمہ: ابن عساکر نے منہال بن عمرو سے اس کا اخراج کیا ہے وہ کہتے ہیں: خدا کی قسم میں نے سر حسین علیہ السلام کو دیکھا جبکہ وہ اٹھایا گیا ہوا تھا اور میں دمشق میں تھا سر اقدس کے سامنے ایک شخص تھا جو سورۃ الکھف پڑھ رہا تھا حتیٰ کہ جب وہ اس قول باری تعالیٰ پر پہنچا"أَمْ حَسِبْتَ أَنَّ أَصْحَابَ الْكَهْفِ وَالرَّقِيمِ كَانُوا مِنْ آيَاتِنَا عَجَبًا(کیا تو نے گمان کرلیا ہے کہ غار اور تختی والے نشانیوں سے عجب تھے؟) تو اللہ تعالیٰ نے سر پر انوار کو قوت گویائی عطا فرمائی زبان فصیح کے ساتھ تو انہوں نے فرمایا: میرا قتل کر کے (سر اقدس) اٹھانا یہ اصحاب کہف سے زیادہ عجیب ہے)

ان حالات کو پا کر بھی جس قوم کا دل نہ پسیجا تھا اور ایمان کی رگِ مفقود نہ پھڑکی تھی ان میں ایک ایسا شخص پیدا ہو جو مداح اہل بیت ہو اور صداقت وافضلیت خاندان نبوت کا برملا اعلان کرے، اس سے پتہ چلتا ہے اولادِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تائید آسمانی ہے جس کا مقابلہ نہ کوئی وقت کا نمرود کرسکتا ہے نہ ہی زمانے کا فرعون اس کے سامنے عہد برا ہوسکتا ہے، لیجئے ملاحظہ فرمائیے۔ یہ مظاہر قدرت کا ایک شاہکار ہے جو یزید کے گھر نمودار ہوا۔

علامہ دمیری متوفی 808ھ اپنی کتاب ''حیاۃ الحیوان'' 61/1 پر خامہ فرسا ہیں: ثم قام بالأمر بعده ابنه معاوية، وكان خيراً من أبيه، فيه دين وعقل، بويع له بالخلافة يوم موت أبيه، فأقام فيها أربعين يوماً، وقيل أقام فيها خمسة أشهر وأياماوخلع نفسه وذكر غيرواحد، أن معاوية بن يزيد لما خلع نفسه صعد المنبرفجلس طويلا، ثم حمد الله وأثنى عليه بأبلغ ما يكون من الحمد والثناء ، ثم ذكر النبى !، بأحسن ما يذكر به، ثم قال :يا أيها الناس، ما أنا بالراغب فى الإئتمار عليكم، لعظيم ما أكرهه منكم، وإنى لأعلم أنكم تكرهوننا أيضاً لأنا بلينا بكم وبليتم بنا، إلا أن جدى معاوية رضى الله تعالى عنه، قد نازع فى هذا الأمر من كان أولى به منه، ومن غيره لقرابته من رسول الله !، وعظم فضله وسابقته، أعظم المهاجرين قدرا، وأشجعهم قلبا، وأكثرهم علما وأولهم إيمانا، وأشرفهم منزلة، وأقدمهم صحبة، ابن عم رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم، وصهره وأخوه زوجه ابنته فاطمة، وجعله لها بعلا باختياره لها، وجعلها له زوجة باختيارها له، أبو سبطيه سيدى شباب أهل الجنة وأفضل هذه الأمة .

ترجمہ: خلافت معاویہ بن یزید بن معاویہ بن ابی سفیان (کا ذکر) پھر اُس کے بعد اُس کے بیٹے معاویہ ﷛ نے اس کے کام کا بیڑا اُٹھالیا، وہ اپنے باپ سے بہتر تھا اس میں دین بھی تھا اور عقل بھی، اس کے باپ کی موت والے دن اس کی خلافت کی

بیعت کی گئی۔ عہدہ خلافت پر چالیس دن تک متمکن رہا کہا گیا ہے وہ خلافت کے عہدہ پر پانچ ماہ اور کچھ دن فائز رہا، پھر دست بردار ہو گیا، اور کئی لوگوں نے ذکر کیا جب وہ منصب خلافت سے دست بردار ہوا تو منبر چڑھا۔ کافی دیر تک بیٹھا رہا، پھر اُس نے خداتعالیٰ کی حمد وثناء بہترین طریقے سے کی پھر اُس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نہایت احسن طریقے سے ذکر کیا۔ پھر اُس نے کہا:

اے لوگو! میں تمہارا امیر بننے سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتا کیونکہ میں تم سے مشورہ کو نہایت ناپسند کرتا ہوں اور یہ بھی مجھے معلوم ہے کہ تم بھی ہمیں برا سمجھتے ہو۔ کیونکہ تم ہمارے لئے آزمائش ہو اور ہم تمہارے لئے امتحان ہیں۔ مگر یہ ضرور کہوں گا کہ میرے دادا معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس معاملے (خلافت وحکومت) کے بارے میں اس شخص سے جھگڑا کیا جو میرے دادا اور ہر دوسرے آدمی سے زیادہ حقدار تھا۔ کیونکہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قریبی رشتہ دار تھا، اور ایمان میں سبقت رکھنے کی وجہ سے وہ افضل تھا، قدر ومنزلت کے لحاظ سے مہاجرین سے افضل تھا جرأت کے لحاظ سے زیادہ بہادر تھا، زیادہ بڑا عالم تھا، سب سے پہلا مومن تھا، سب سے بڑی شان والا تھا، اور سب سے پہلا صحابی تھا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چچازاد، اور آپ کا داماد تھا، اور بھائی تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُسے اپنی بیٹی فاطمہ بیاہ کے دی تھی۔ اور اُن کو اُن کی مرضی سے اُن کا خاوند بنایا تھا، اور سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اُن کی بیوی اُن کی خوشی سے بنایا تھا، وہ سبطین کا باپ ہے جو جوانان جنت کے سردار ہیں اور

وہ اس ساری اُمت سے افضل تھا۔

تبصرہ:

معاویہ رضی اللہ عنہ بن یزید نے اُس سچائی کا اعلان کیا جو مدتوں پہلے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کر دیا تھا:

عن الحسن بن علی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہٖ و سلم "اُدعوالی سیّدالعرب" یعنی علی بن ابی طالب (متن حدیث بحوالہ کنزالعمال صفحہ 36,448/13)**"ادعوالی سیّدالعرب قالوا الست سیّدالعرب ؟ قال: انا سیدولدآدم وعلی سیّدالعرب. فلماجاء قال یامعشرالانصار الاادلکم علی ما ان تمسّکتُم به لن تضلوا بعده ابداً هذا علی فاحبوه بحبی واکرموه بکرامتی فان جبریل اَمرنی بالذی قلت لکم عن اللہ سبحانه وتعالیٰ** (طبرانی کبیر صفحہ 88/3 مصنفہ امام طبرانی متوفی 360ھ۔حلیۃ الاولیاء صفحہ 102/1 مصنفہ امام اصفہانی متوفی 430ھ)

ترجمہ: حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا: "میرے پاس عرب کے سردار یعنی علی بن ابی طالب کو بلاؤ"۔ صحابہ کرام نے عرض کیا: "کیا آپ عرب کے سردار نہیں؟"۔ فرمایا: "میں اولادآدم کا سردار ہوں، علی عرب کا سردار ہے"۔ جب حضرت علی آئے فرمایا: "اے گروہ انصار کیا میں اس پر رہنمائی نہ کروں جب تک تم اس سے وابستہ رہو گے اس کے بعد تم کبھی بھی گمراہ نہیں ہوسکو گے۔ یہ علی ہے تم اس سے محبت کرو میری محبت کی وجہ سے اور اس کی عزت کرو میری عزت کی وجہ سے بلاشبہ جبرائیل نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا حکم دیا جو میں نے تمہیں کہا"۔

امام احمد بن حنبل کا نکتہ نظر

ائمہ ثلاثہ، اہل سنت (امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی رضی اللہ عنہم) کے نظریات کا ایک سرسری جائزہ لے لیا گیا ہے۔ اب اہل سنت کے چوتھے امام، حضرت احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ متوفی 241ھ ایک ایسی نامی گرامی شخصیت ہیں جن کو چھپایا نہیں جاسکتا جن کے مقلدین میں سے حضرت غوث الثقلین و قاسم الولایت سیّد عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اور جن کے شاگردوں میں امام بخاری و مسلم جیسے محدثین ہیں۔ صحاح ستہ کے مصنفین، بالواسطہ یا بلاواسطہ جن کے شاگرد ہیں۔ جنہوں نے دنیا کی سب سے بڑی حکومت کے سامنے کلمہ حق کہہ کر جان، جان آفرین کے سپرد کی جنہوں نے اُسوہ حسینی کی تاریخی یادگار کو دہرایا ہے جن کی علم حدیث میں ایک یکتا کتاب ''مسند امام احمد بن حنبل'' ہے جن کے سلسلہ تعلیمات کی شورش سے زمین و آسمان کے بام و در گونج رہے ہیں۔ جس طرح امام جنت مقام، دوش رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شہسوار کے خون کے سیلاب نے یزیدی تحریک کے سامنے سد سکندری کھینچ دی تھی اس طرح امام احمد بن حنبل کی خونی موت نے خلق قرآن کے مدعیان کے دانت کھٹے کر دیئے اور جور و جفا کی افواج کو مہر و وفاء کی سپاہ سے وہ شکست فاش دی کہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے نعرے لگانے والے تو دنیا میں قیامت تک ملیں گے لیکن خلق قرآن پر اربوں دراہم و دنانیر خرچ کرنے کے باوجود اس جھوٹے مذہب کے تابوت میں امام احمد بن حنبل نے آخری کیل ٹھونک دی۔ اب اس عقیدہ باطلہ کا جنازہ بے گور و کفن چوراہے میں پڑا ہوا ہے جس کا کوئی وارث نہیں۔

ابن جوزی نے اپنی کتاب ''مناقب امام احمد بن حنبل'' میں مسئلہ تفضیل کے بارے میں لکھتے وقت امام احمد بن حنبل سے مختلف اقوال نقل کیے۔ جن میں ترتیبِ خلافت پر بھی افضلیت کا قول نقل کیا اور صحابہ کرام میں دوسرے اسباب تدریج برائے فضلیت بھی بیان کیے اور امام احمد بن حنبل کے تحقیقی معیار پر روشنی ڈالنے کے لئے ایک واقعہ بھی نقل کیا جس سے آئمہ اہل سنت کے تحقیقی معیار کا اندازہ ہوتا ہے۔

''مناقب امام احمد بن حنبل'' مصنفہ ابوالفرج عبدالرحمان بن جوزی 63-162 اور خطیب بغدادی کی ''تاریخ بغداد'' ج اص ۱۰۹ میں ہے:

اَخبَرَنی عبداللہ بن احمد بن حنبل : کنت بین یَدِیٔ ابی جالساذات یوم، فجات طائفۃٌ من الکرخیۃ فذکروا خلافۃ ابی بکر و خلافۃ عمر و خلافۃ عثمان فاکثروا ذکر خلافۃ علی بن ابی طالب فتزادوا واطالوا فرفع ابی راسہ الیھم فقال: یاھٰوُ لاء قداکثرتم القول فی علی والخلافۃ، ان الخلافۃ لم تزّین علیًّا بل علی زینھا.

ترجمہ: عبداللہ بن احمد بن حنبل فرماتے ہیں: میں اپنے والد صاحب کے سامنے ایک روز بیٹھا ہوا تھا کہ محلّہ کرخیہ (یا قبیلہ کرخیہ) کے کچھ لوگ (آپ کے سامنے) حاضر ہوئے اور انہوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، اور جناب عمر رضی اللہ عنہ، اور جناب عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی خلافتوں کا ذکر کیا۔ اور جناب علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب کی خلافت کا بھی ذکر کیا۔ اور انہوں نے کافی زیادہ طولانی قسم کی گفتگو کی، تو میرے والد صاحب نے اپنا سر اقدس ان کے سامنے اُٹھایا، اور فرمایا: اے لوگو! تم نے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

اور (ان سے متعلقہ) خلافت کا ذکر کیا (مگر میں تمہیں بتادوں) کہ علی رضی اللہ عنہ کو خلافت نے زینت نہیں بخشی بلکہ علی رضی اللہ عنہ نے خلافت کو زینت بخشی ہے۔

تبصرہ:

باقی خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی خلافت پر اس طرح کا تبصرہ نہیں فرمایا جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ نفوس قدسیہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ عرش پناہ کے فیض یافتہ لوگ تھے اور بحر انوار رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شناور تھے اگر چہ انہیں کسی مزید ارتقاء کا احتیاج نہیں تھا ان کے جامہائے سرخ مل از عشق محبوب پہلے ہی لبریز تھے تاہم انہیں خلافت عظمیٰ کا تاجِ زرنگار سر پر سجا کے رشک امم بنا دیا۔ اور خلافت مقدسہ کے سنبھالنے اور فرائض منصبیہ کے بدرجہ اتم انجام دینے سے اُن کے حسن میں وہ جوانی آ گئی جس کا جواب کائنات میں نہیں ہے۔

امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ پہلے ہی اس مرتبہ عظمیٰ اور درجہ قصویٰ پر فائز المرام تھے کہ خلافت کے ملنے سے ان کے مرتبے میں کچھ اضافہ نہیں ہوا بلکہ خلافت کو ایک نیا مقام حاصل ہو گیا۔

اسی صفحہ پر آگے چل کر ابوالفرج عبدالرحمان ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) لکھتے ہیں: **عبداللہ بن احمد بن حنبل یقول : حدث ابی بحدیث سفینۃ فقلت یا ابہ' ماتقول فی التفضیل، قال فی الخلافۃ ابوبکر وعمر وعثمان، فقلت :فعلی بن ابی طالب؟ قال یابنی علی بن ابی طالب من اھل بیت لایقاس بھم اَحَدٌ.**

ترجمہ: (عبداللہ بن احمد بن حنبل کہتے ہیں: میرے والد صاحب نے حدیث سفینہ بیان کی، میں نے عرض کیا:۔ ابا جان! آپ افضلیت کے بارے میں کیا کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: خلافت میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ افضل ہیں، اور عمر رضی اللہ عنہ اور عثمان رضی اللہ عنہ (افضل ہیں) تو میں عرض کیا پھر علی رضی اللہ عنہ کدھر گئے؟ آپ نے فرمایا، اے بیٹے! علی رضی اللہ عنہ تو اہل بیت میں سے ہیں ان کے برابر تو کوئی بھی نہیں ہوسکتا)

اور حضرت امام احمد بن حنبل متوفی 41-240ھ کی یہ طبع زاد بات نہیں تھی بلکہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ متوفی 91ھ سے مرفوع حدیث روایت ہے۔ مسند الفردوس ۴/۲۸۳ تصنیف ابی شجاع شہرویہ بن شہروار بن شہرویہ دیلمی ہمدانی متوفی 509ھ حدیث نمبر 6838) عن انس رضی اللہ عنہ: نحن اهل بيت لايقاس بنا اَحَدٌ. ترجمہ: (ہم اہل بیت ہیں ہمارے برابر تو کوئی نہیں ہوسکتا)۔ نیز یہ روایت امام طبری نے اپنی مشہور تصنیف ذخائر العقبیٰ ص ۱۷ پر بروایت حضرت انس رضی اللہ عنہٗ نقل فرمائی ہے۔

سلیمان بن ابراہیم قندوزی حنفی متوفی 1294ھ اپنی کتاب ''ینابیع المودۃ'' صفحہ 178 لکھتے ہیں: عن ابی وائل عن ابن عمر قال اذا عددنا اصحاب النبی قلنا ابوبکر وعمر و عثمان فقال رجل لابن عمر فعلیٌّ ماهو؟ قال اِنَّ عِلیًّا من اهل البيت لايقاس بهم اَحَدٌ هومع رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فى درجته . ان الله يقول :وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ

(سورہ طور آیت 21) ففاطمة مع ابيها صلى الله عليه وآلہٖ وسلم في درجتہٖ وعلی معهما مع الحسن والحسين.

ترجمہ: ابی وائل جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں انہوں نے کہا: ہم جب اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شمار کرتے ہیں تو ہم کہتے ہیں۔ ابوبکر رضی اللہ عنہ، عمر رضی اللہ عنہ، عثمان رضی اللہ عنہ، ایک شخص نے جناب ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا: تو بتاؤ علی رضی اللہ عنہ کا کیا بنا؟ تو انہوں نے جواب میں فرمایا: علی رضی اللہ عنہ تو اہل بیت میں ہیں اُن کے ساتھ برابر تو کسی کو بھی نہیں سمجھا جاسکتا۔ وہ تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی کلاس میں ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: جو لوگ ایمان لائے اور اُن کی اولاد نے ایمان میں اُن کی پیروی کی، ہم ان کی اولاد کو ان کے ساتھ ملا دیں گے اور ان کے اعمال سے کچھ بھی کمی نہیں کریں گے، تو نتیجہ یہ ہوا کہ جناب سیّدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے ابا حضور کے ساتھ ان کے درجے میں ہوں گی اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ان دونوں کے ساتھ سمیت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ کے ہوں گے۔

اسی سے ملتی جلتی بات، محبّ الدین محمد بن احمد مکی شافعی متوفی 694ھ نے اپنی کتاب ''الریاض النضرۃ فی فضائل العشرۃ'' صفحہ 4-180/3 پر لکھا ہے فقال رجل لابن عمر یا ابا عبدالرحمٰن، فعلی قال ابن عمر علی من اهل البيت لايقاس بهم، على مع رسول الله صلى الله عليه وآلہٖ وسلم في درجتہٖ، ان الله عزوجل يقول: وَالَّذِينَ آمَنُوا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّيَّتُهُم بِإِيمَانٍ أَلْحَقْنَا بِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَمَا أَلَتْنَاهُم مِّنْ عَمَلِهِم مِّن شَيْءٍ (سورہ طور آیت

نمبر 21) فاطمه مع رسول الله علیه و آلهٖ وسلم فی درجتهٖ وعلی مع فاطمه علیها السلام اخرجه علی بن نعیم البصری وهذا ادل دلیل علی انه لم یرد بسکوته عن ذکر علی فی افضلیتهٖ وانما سکت عنه کانه قال افضل الناس من اصحابه لامن اهل بیتهٖ. باقی ترجمہ گزر گیا ہوا ہے صرف جو محبّ الدین طبری نے تبصرہ کیا وہ عرض خدمت ہے۔

یہ بہت واضح دلیل ہے اس بات کی کہ جناب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ذکر علی سے اس لئے خاموشی نہیں اختیار فرمائی کہ افضلیت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں کمزور رائے رکھتے ہیں بلکہ خاموشی صرف اس لئے اختیار فرمائی کہ جب اُن سے سوال کیا جائے تو وہ اظہار فرمادیں۔ گویا کہ انہوں نے فرمایا کہ یہ لوگ صحابہ کرام سے افضل ہیں اہل بیت سے افضل نہیں۔

گذشتہ صفحات میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا خطبہ مع تبصرہ کے گزر چکا ہے جو آپ نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دربار میں دیا اور برملا طور پر افضلیت علی کے عقیدے کا اظہار فرمایا۔ نیز یہ خطبہ ابن عباس، محبّ الدین ابو جعفر احمد بن محمد عبداللہ طبری مکی شافعی متوفی 694ھ نے اپنی کتاب ''ذخائر عقبیٰ'' صفحہ 78 پر تحریر فرمایا ہے۔ بعض جگہ محض لفظی فرق ہے مگر معنوی فرق نہیں '' اتقی من تقمص وارتدی '' وہ ان سب سے لوگوں سے متقی تھے جنہوں نے قمیص پہنی تھی اور چادر اوڑھی تھی۔
''فمایفوقه اَحَدٌ لم ترعینای مثله، لم اسمع بمثلهٖ فعلی من ابغضه' لعنة الله ولعنة العباد الی یوم القرار). ترجمہ: (اُن سے افضل تو کوئی بھی نہیں میری

دونوں آنکھوں نے اُن کی مثل کوئی نہیں دیکھا اور نہ ہی ان کی مثل سنا۔ جو اُن کو برا سمجھے اس پر خدا کی اور بندوں لعنت یوم قیامت تک ہے)

مروج الذھب 3/2-51 اور ذخائرِ عقبیٰ صفحہ 78 کے مضمون کی لفظ بلفظ تائید، حافظ ابی القاسم سلیمان بن احمد طبرانی متوفی 360ھ نے اپنی کتاب ''المعجم الکبیر'' صفحہ 239/10 پر کی:

قال معاوية :فما تقول فی علی بن ابی طالب ؟ قال رحم الله ابا الحسن، کان والله علم الهدی و نورالسری فی ظلم الدجی وداعیة الی المحجة العظمی عالما بمافی الصحف الاولی، قائماً بالتاويل والذکری، متعلقاً باسباب الهدی تارکاللجور والاذی، حائداً عن طرقات الردی خیر من آمن واتقی سید من تقمص وارتدی، وافضل من حج وسعی، واسمع من عدل وسوی واخطب اهل الدنيا الا الانبياء والنبی المصطفیٰ، صاحب القبلتين، فهل یوازیه موحد؟ زوج خیرالنساء ، ابوالسبطين، لم ترعینی مثله ولاتری حتی القيامة واللقاءِ، فمن لعنه فعليه لعنة الله والعباد الی یوم القيامة.

ترجمہ: (حضرت معاویہ ؓ نے کہا: آپ علی ؓ بن ابی طالب کے بارے کیا رائے رکھتے ہیں؟ انہوں نے کہا: ابوالحسن (علی مرتضیٰ ؓ) پر اللہ رحم کرے، وہ ہدایت کے پرچم تھے، اور تقوی کی جائے پناہ، فہم ودانش کا مرکز، علم کا پہاڑ، گھٹا ٹوپ اندھیروں میں رات کی روشنی (چاند) بہت بڑی منزلت کے داعی، سابقہ صحف آسمانی کے

مشتملات کے عالم، تفسیر و قرآن پر عمل کرنے والے، ہدایت کے ذرائع وابستہ رہنے والے، ظلم و ستم کے چھوڑنے والے، راہ ہائے ہلاکت سے برطرف رہنے والے، **سب ایمان والوں اور متقیوں سے افضل، قمیص پہننے والوں اور چادر اوڑھنے والوں سے افضل، جنھوں نے حج کیا اور سعی کی اُن سے اعلیٰ و برتر، جنھوں عدل و انصاف کیا اُن سے زیادہ حوصلہ والے، پوری دنیا کے سب سے افضل خطیب** سوائے دوسرے انبیاء و نبی مصطفیٰ (علی نبینا و علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے، دو قبلوں والے، کیا کوئی بھی کلمہ گو ان کے برابر ہوسکتا ہے۔ وہ ملکہ جنت کے خاوند، سبطین کریمین کے باپ، میری آنکھ نے ان کی مثل نہیں دیکھی اور نہ ہی تم قیامت تک دیکھو گے، جو شخص ان کو لعنت کرے اُس پر خداتعالیٰ اور بندوں کی قیامت تک لعنت ہے)

اسی بات کی تائید مزید حافظ ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ حاکم نیشاپوری 405ھ نے اپنی کتاب مستدرک صفحہ 189/3 پر کی: **خطب الحسن ابن علی الناس حین قتل علی، فحمد اللہ واثنی علیہ ثم قال: لقد قبض فی ھذہ اللیلۃ رَجُلٌ لایسبقہ الاولون بعمل ولا یدرکہُ الآخرون.** ترجمہ: (حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو خطاب کیا حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ شہید کردیئے گئے، تو انہوں نے فرمایا: اس رات کو ایک ایسا شخص واصل باللہ ہوا جس سے پہلے لوگ کسی بھی عمل کے ذریعے سے سبقت نہ لیجا سکے اور نہ ہی آئندہ لوگ اس کو پہنچ پائیں گے)

گزشتہ چند صفحات میں جو گزارشات پیش کی گئیں وہ اس سیاق میں تھیں کہ

ابوالحسن اشعری نے افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر اجماع نقل کیا تھا جس کی توضیحات ملا علی قاری نے نقل کی تھیں اور وضاحت کی تھی کہ اجماع کا کوئی وجود نہیں تھا بلکہ اکثریت کی رائے تھی۔ سو وضاحت کی گئی ہے کہ جس طرح اس جگہ اجماع کا کوئی وجود نہیں پایا گیا اس طرح اکثریت کا دعویٰ بھی غلط تھا اس بات کی توثیق کے لئے گزشتہ اوراق کا دوبارہ مطالعہ کیا جائے تو مناسب ہوگا۔

توقف دربارۂ افضلیت

امام ابوالحسن اشعری رحمۃ اللہ علیہ، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اندھا دھند داعی ہیں اور اس کی قطعیت کے مدعی ہیں جس میں اُن کے اپنے سلسلہ تعلیمات کے علماء بھی اُن کے ہم نوا نہیں اور علوم متداولہ کی روشنی میں وہ افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ثابت نہ کر سکے قطعیت تو بہت دور کی بات ہے۔ اور اجماع کا دعویٰ بھی فرمایا جس کو وہ ثابت نہ کر سکے تو اہل سنت کے پانچ گروہ ذکر کئے جن کا پہلے ذکر ہو چکا ہے۔ اگر اہل سنت کا اتفاق افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر ہو چکا تھا تو پھر پانچ مختلف گروپ ہو کر سارے ہی اہل سنت کیسے ہوئے۔ اور اگر اجماع نصی تام ہو چکا ہوا ہوتا تو منکر کو کافر کہتے مبتدع تو نہ کہتے۔

اور ابوالحسن اشعری متوفی ۳۲۴/۳۳۰ھ سیّد زید بن علی رضی اللہ عنہ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں: **کان زید بن علی یفضل علی بن ابی طالب علی سائر اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویتولی ابابکر و عمر،(ومقالات الاسلامیین. صفحہ 137/1)** ترجمہ: (زید بن علی جناب

علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو باقی صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل سمجھتے تھے اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب عمر رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے)

جناب ابوالحسن اشعری کا بیان ہے کہ جناب زید بن علی رضی اللہ عنہ، جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو جملہ صحابہ کرام سے افضل سمجھتے تھے اور جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جناب عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے محبت رکھتے تھے۔ اب یہ دیکھنا ہوگا کہ وہ (زید بن علی رضی اللہ عنہ) جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل سمجھنے سے شیعہ ہوگئے یا سنی ہی رہے۔ اس موقعہ پر ایک اشعری کا حوالہ ہی پیش کردیا جائے تو قرین مصلحت ہوگا۔ امام اُستاد، ابومنصور عبدالقاہر بن طاہر التمیمی البغدادی متوفی 429ھ اپنی کتاب اصول الدین صفحہ 397 پر تحریر فرماتے ہیں:

اول متکلمی اهل السنة من التابعین عمر بن عبدالعزیز وله رسالة بلغیة فی الردعلی القدریه. ثم زید بن علی بن الحسین بن علی ابن ابی طالب وله کتاب فی الردعلی القدریة. ترجمہ: (تابعین میں پہلے سنی متکلمین (علم عقائد کے ماہر) عمر بن عبدالعزیزؒ تھے اور اُن کا ایک بلیغ رسالہ ہے جو کہ فرقہ قدریہ کے خلاف ہے پھر دوسرے متکلم اہل سنت (علم عقیدہ کے ماہر) زید بن علی ہیں جن کی ایک کتاب قدریہ کے رد میں ہے)

یہاں سے یہ دریافت ہوا کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو حضرات کے شیخین سے افضل جان کر نہ صرف سنی رہے بلکہ اہل سنت کے امام تسلیم ہوئے کیونکہ وہ شیخین کریمین رضی اللہ عنہما سے محبت کرتے تھے اس سے ثابت ہوا کہ حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو شیخین سے افضل جاننے سے شیعہ نہیں ہوتا بلکہ شیخین کو برا جاننے سے شیعہ ہوتا ہے۔

اشاعرہ کے بارے میں سرسری تمہید کے بعد یہ جاننا ضروری ہوگا کہ اشاعرہ کے عمائد علمائے کرام افضلیت کے بارے میں کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔قاضی ابوبکر باقلانی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''مناقب الائمة الاربعة'' صفحہ 295 پر تحریر فرماتے ہیں:

جملة مایقوی فی هذا الباب: ان الکلام فی التفضیل ''مسئله اجتهاد'' لایبلغُ الخطاء بصاحبه فیها منزلة الفسق ومایوجب البراة لان الفضائل المرویة اکثر ها متقابل متعارض فی الفضل''

ترجمہ: وہ بات جو اس مضمون میں سب سے مضبوط ہے وہ یہ ہے کہ مسئلہ تفضیل میں کلام کرنا، یہ ایک مسئلہ اجتہادیہ ہے جس میں خطا، خطا کار کو نہ ہی فاسق بناتی ہے نہ ہی برأت کو واجب کرتی ہے۔کیونکہ فضائل مرویہ فضیلت میں اکثر متقابل ومتصادم ہیں۔

تبصرہ: قاضی ابوبکر باقلانی جو کہ امام ابوالحسن اشعری سے دوسرے درجے پر اشاعرہ میں اپنا لاثانی مقام رکھتے ہیں۔کہتے ہیں: مسئلہ تفضیل، مسئلہ اجتہادیہ ہے۔مسئلہ اجتہادیہ تو وہ ہوتا ہے جس میں مجتہد کبھی مصیب ہوتا ہے کبھی مخطی۔اگر مصیب ہو تو دوہرا ثواب ملتا ہے(اجتہاد کرنے کا بھی) اور صحیح حکم دریافت کر لینے کا بھی، اور اگر اس میں مخطی ہو(یعنی حکم دریافت کرنے میں غلطی کھا جائے تو) اُسے اکہرا ثواب ملتا ہے بہر حال وہ ثواب سے خالی نہیں رہتا۔حاصل کلام یہ ہوگا کہ اگر تفضیل میں حقیقت تلاش کرے تو دوہرا ثواب ملے گا نہ دریافت کر سکے تو اکہرا ثواب ملے گا بہر نوع اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

توقف کو ترجیح

یہی ابوبکر باقلانی اپنی اسی کتاب ''مناقب الائمۃ الاربعۃ'' صفحہ 513 پر تحریر

فرماتے ہیں:۔فاما القائلون بانا نقف فیھم من غیر قطع علی تفضیل احد منھم اوقطع تساویھم فی الفضل. فانھم اقرب الی الصواب واقدر علی الاحتجاج . ترجمہ: یہ کہنے والے کہ ہم فضلیت میں ایک کوقطعی طور پر دوسرے سے افضل کہنے میں یا فضلیت میں قطعی طور پر آپس میں برابر کہنے میں توقف کرتے ہیں، پس وہ لوگ درستی کے زیادہ قریب ہیں اور حجت شرعیہ میں غالب ہیں۔

تبصرہ: امام ابوبکر باقلانی اشعری نے توقف کرنے والوں کو زیادہ حق بجانب پایا اور درستی کے زیادہ قریب پایا۔امام ابوبکر باقلانی کے شذرات تحقیق سے یہ بات الم نشرح ہوگئی کہ کسی صحابی یا امتی کی تفضیل ضروریات دین میں سے نہیں ورنہ اس میں سکوت یا توقف درست نہ ہوتا۔

اب بزرگان اہل سنت کے ارشادات ملاحظہ فرمائیے:

(ا) امام مازری (متوفی غالباً 530ھ) ''المعلم فی شرح صحیح مسلم'' 138/3) پر تحریر فرماتے ہیں: اما القاضی ابوبکر بن طیب فانہ یراھا مسئلۃ اجتھاد ولو اھمل احد العلماءِ النظر فیھا اصلاً حتی لم یعرف فاضلا من مفضول ماحرج وما اثم بخلاف مسائل الاصول التی الحق فیھا واحد''

ترجمہ: قاضی ابوبکر بن طیب باقلانی اِسے مسئلہ اجتہادیہ سمجھتے ہیں (جس کا نتیجہ یہ ہوگا) کہ اگر کوئی عالم دین اس مسئلہ میں بالکل نگاہ نہ بھی دوڑائے حتیٰ کہ فاضل و مفضول کی اُسے پہچان نہ بھی ہو تو بھی کوئی مضائقہ نہیں اور گنہگار بھی نہیں ہوگا، بخلاف ان عقائد جن میں حق صرف ایک ہی ہے۔

مسئلہ اجتہادیہ پر ایک ضمنی تبصرہ

مسئلہ اجتہادیہ کہہ کر امام ابوبکر بن طیب باقلانی نے اور امام مازری نے دو راستے ہموار کر دیئے۔ ایک تو اس مسئلہ تفضیل میں توقف کو زیادہ مناسب اور جائز قرار دیدیا۔ دوسرا اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جتنے اقوال مختلفہ دربارۂ افضلیت ذکر کیے گئے ان میں کسی کو بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جیسا کہ ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی 370ھ اپنی کتاب ''اصول الجصاص'' 138/2 پر انشا پرداز ہیں:

وقد علمنا ان الصحابة قداختلفت فی امور تحزبوا فیها و براء بعضهم من بعض و خرجوا الی القتال وسفک الدماء ولم یسوغوا الخلاف فیه، فدل علی ان قوله صلی الله علیه وآله وسلم "بایهم اقتدیتم اهتدیتم، فیما اختلفوا فیه ممایسوغ فیه الاجتهاد، فیجتهدالناظر فی طلب الحق من اقاویلهم، غیر خارج عنها، ولامبتدع مقالةً لم یقولوابها.

ترجمہ: ہمیں معلوم ہو چکا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ایسے بہت سارے کاموں میں اختلاف کیا جس میں وہ (صحابہ کرام) گروہوں میں بٹ گئے۔ اور بعض نے بعض سے تبراء کیا۔ (دوری اور بیزاری اختیار کی، قطع موالات کیا) اور (ایک دوسرے کے مقابلے میں) جنگ کرنے اور خون بہانے کے لئے نکلے، اور (اس مقابلے) میں اختلاف کو جائز نہیں قرار دیا۔ تو یہ (مذکورہ بالا بات) اس پر دلالت کرتی ہے کہ سرکارِ دو جہان کی یہ بات "بایهم اقتدیتم اهتدیتم" ترجمہ: (اُن میں سے جس کی بھی پیروی

کرو گے ہدایت حاصل کرلو گے) ان معاملات کے بارے میں جس میں اجتہاد روا ہوگا، پس اُن (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کے اقوال سے طلب حق کرنے والے کو چاہئے کہ اُن کے اقوال سے باہر نہ جائے اور کوئی نئی بات نہ گھڑ لے جو انہوں نے نہیں کی۔

تبصرہ: اس جگہ امام ابوبکر جصاص رازی حنفی متوفی 370ھ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس قول "ان اصحابی کالنجوم بایھم اقتدیتم اھتدیتم" کا محمل بتایا کہ قول مجتہد فیہ ہو (مسئلہ اجتہادیہ ہو) اور اس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مختلف اقوال ہوں اُن میں سے کسی قول کو بھی اختیار کرلیا جائے تو ہدایت حاصل ہو جائے گی۔ اور چونکہ مسئلہ افضلیت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں مسئلہ اجتہادیہ بن گیا ہے جیسا کہ امام ابوبکر باقلانی نے مناقب ائمہ اربعہ صفحہ 295 پر تحریر فرمایا ہے۔ اور امام ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب صواعق محرقہ صفحہ 57 نیچے سے ساتویں سطر میں، مسئلہ تفضیل کو اجتہادی قرار دیا ہے: **ممایویدانه هناظنی ان المجمعین انفسهم لم یقطعوا بالافضلیة المذکورة و انما ظنوها فقط کما هوالمفهوم من عبارات الائمة واشاراتهم وسبب ذلک ان المسئلة اجتهادیة.**

ترجمہ: (ان باتوں میں سے جو اس افضلیت کے ظنی ہونے کی تائید کرتی ہیں ایک بات یہ ہے کہ اجماع کرنے والوں نے بھی افضلیت مذکورہ کو قطعی نہیں کہا اور اسے صرف ظنی قرار دیا ہے جیسا کہ ائمہ عقائد کی عبارتوں اور اشارات سے سمجھ میں آتا ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ مسئلہ افضلیت اجتہادی مسئلہ ہے)

حقائق مذکورہ کی روشنی میں اقوال صحابہ جو پہلے مذکور ہو چکے اُن میں سے کسی کو بھی اختیار کرلیا جائے تو ہدایت حاصل ہو جائے گی۔کسی نئے قول کے اختراع کرنیکی گنجائش نہیں ہوگی۔

توقف کے بارے میں علامہ تفتازانی کا نکتہ نظر

"علی ھذا وجدنا السلف والظاھر انہ لولم یکن لھم دلیل علی ذالک لما حکموا بذالک وامانحن فقد وجدنا دلائل الجانبین متعارضةً ولم نجد ھذہ المسئلة ممایتعلق بہ شیء من الاعمال اویکون التوقف فیہ مخلا بشی من الواجبات.

ترجمہ: ہم نے اسی عقیدہ (افضلیت ابوبکر صدیق ﷛ برعلی مرتضٰی ﷛) پر سلف صالحین کو پایا۔اور بات ظاہر ہے کہ اگراُن کے پاس اس پرکوئی دلیل نہ ہوتی تو وہ یہ فیصلہ کبھی نہ کرتے مگر جہان تک ہماری ذات کاتعلق ہے ہم نے تو دونوں دھڑوں کے دلائل کو متعارض پایاہےاورہم نے اس مسئلہ کوایک ایسا مسئلہ نہیں پایا جس سے کوئی بھی عمل متعلق ہو یااس مسئلہ (افضلیت ابوبکر صدیق یاافضلیت علی مرتضٰی، رضی اللہ عنہما) میں توقف کرنا (کسی بھی دھڑے میں رائے نہ دینا) کسی دینی ضرورت میں خلل انداز ہوتا ہو۔

تبصرہ ۞: علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''شرح عقائد نسفی'' کے متن میں صاف بتادیا کہ میں اس مسئلہ میں توقف کرنے میں کوئی حرج نہیں سمجھتا۔مگر اس مبحث میں یہ شبہ گزرتا ہے کہ شاید''جانبین'' سے مراد حضرت عثمان غنی ﷛ اور جناب علی مرتضٰی ﷛ ہیں مگرفی الواقعہ جانبین سے مراد جناب ابوبکر صدیق ﷛ اور

جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ہیں، کیونکہ امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ اپنی شہرۂ آفاق کتاب تفسیر کبیر میں 24-22 پر سورہ نور آیت نمبر ۲۲ کے تحت رقمطراز ہیں۔ اجمعت الامة علی ان افضل الخلق بعد رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم، اما ابوبکر و اما علی. ترجمہ: اُمت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد مخلوق میں سے افضل یا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں یا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ ۔ لہٰذا جانبین سے دلائل تفاضل جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے درمیان ہی ہو سکتے ہیں۔

ہمارے اس مضمون کی تائید عظیم متکلم اور ''شرح عقائد'' کے شارح امام رمضان آفندی رحمۃ اللہ علیہ کے اس بیان سے ہوتی ہے: ولم نجدهذه المسئلة ای مسئلة تفضيل هذه الاربعة علی بعضه ممايتعلق به شی من الاعمال (حاشیہ رمضان آفندی بر شرح عقائد ص ۲۹۳)۔ اس عبارت میں علامہ آفندی نے صراحت فرمادی ہے کہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خلفائے اربعہ کی تفضیل میں توقف کو ترجیح ہے۔

اور یہ سمجھنا کہ جناب شیخین رضی اللہ عنہما کی جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ پر افضلیت سلف صالحین میں متفقہ مسئلہ تھا، یہ بات غیر واقعاتی ہے علامہ ابن عبدالبر اپنی کتاب ''الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب'' 52/3 پر تحریر فرماتے ہیں:

واختلف السلف ایضاً فی تفضیل علی وابی بکر، وفی "اجماع الجمع" الذی وصفنا، دلیل علی ان حدیث ابن عمر وهم وغلط وانه لایصح معناه وان کان اسناده صحیحاً

ترجمہ: سلف صالحین نے بھی علی مرتضی رضی اللہ عنہ اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت میں اختلاف کیا ہے اور اجماع الجمع میں جو ہم نے وضاحت کی ہے اس میں دلیل ہے اس بات پر کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث ایک وہم ہے اور لغزش ہے اور یہ کہ اس کے معنی صحیح نہیں ہیں اگر چہ اس کا اسناد صحیح ہے۔

اور اسی طرح علامہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی معروف آفاق کتاب شرح مواقف صفحہ 404/8 پر تحریر فرماتے ہیں: **والنصوص المذکورۃ من الطرفین بعد تعارضھا، لاتفیدالقطع علی مالایخفی علی منصف لانھاباسرھا امّا آحاد اوظنیۃ الدلالۃ مع کونھا متعارضۃً ایضاً.‘‘**

ترجمہ: ترجمہ دونوں طرف سے مذکور ہونے والے دلائل، آپس میں متعارض ہونے کے بعد قطعیت کے معنی نہیں دیتے جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج انسان پر یہ بات مخفی نہیں۔ کیونکہ وہ سارے کے سارے یا تو اخبارِ واحدہ ہیں یا ظنیۃ الدلالت ہیں باوجود آپس میں متعارض ہونے کے بھی‘‘

تبصرہ: یہاں شریف جرجانی رحمۃ اللہ علیہ نے طرفین سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی رضی اللہ عنہ مرتضی مراد لئے ہیں کیونکہ گزشتہ صفحات پر جتنے دلائل پیش کئے ہیں وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی افضلیت ہیں۔ اُن میں کسی تیسرے کا نام نہیں۔ علمائے عقائد نے اکثر و بیشتر موازنہ جو قائم کیا ہے وہ ان دو کے درمیان کیا ہے تیسرے کا کوئی نام نہیں معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد کے صفحہ 108 پر جو توقف کا جواز پیش کیا وہ انہی دو کے درمیان کیا ہے۔

یہ کہنا کس طرح ممکن ہوگا کہ سلف صالحین افضلیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق تھے۔ قاضی ابوبکر بن طیب باقلانی اشعری متوفی 403ھ اپنی کتاب ''مناقب ائمہ اربعہ'' صفحہ 294 پر رقمطراز ہیں:

القول بتفضيل على رضوان الله عليه مشهور عند كثير من الصحابة كالذى يروى عن عبدالله بن عباس وحذيفه بن اليمان وعمارين ياسر وجابربن عبدالله وابوالهيثم بن تيَهان وغيرهم."

ترجمہ: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت بہت سارے صحابہ رضی اللہ عنہم کے نزدیک مشہور ہے جیسا کہ عبداللہ بن عباس وحذیفہ بن الیمان وعمار بن یاسر، جابر بن عبداللہ، ابولھیثم بن تیہان وغیرہ۔

مسعودی کے بیان کردہ خطبہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تائید

یہ امام ابوبکر بن طیب باقلانی متوفی 403ھ کا بیان ہے کہ بہت سارے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت مشہور ہے جن میں سرعنوان جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا نام نامی مذکور ہوا ہے۔ گزشتہ صفحات پر متعدد کتب کے حوالہ جات سے جناب عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا وہ خطبہ ذکر کیا گیا جو حضرت معاویہ بن سفیان رضی اللہ عنہ کے دربار میں انہوں نے دیا، جس میں انہوں جناب مولا مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی افضلیت پوری اُمت پر واضح کر کے چھوڑی گزشتہ وآئندہ کا ابہام دور کردیا، اس طرح حضرت حذیفہ بن الیمان صاحب سر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی وفات سے 40 روز قبل کوفہ کے منبر پر خطبہ دیا جس میں انہوں نے جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی گزشتہ اور

آئندہ اُمت پر، پوری افضلیت اظہر من الشمس کر کے چھوڑی ان حقائق کے بعد یہ کہنا کہ ”سلف صالحین کا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ سے افضل ہونے پر اتفاق تھا“ یہ کیوں کر حقائق پر مبنی ہوسکتا ہے۔جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ امام ابوالحسن اشعری نے مقالات الاسلامیین میں مسئلہ تفضیل میں پانچ مذاہب کا ذکر فرمایا ہے۔

ابوالحسن اشعری جن کا سن وفات ایک قول کے مطابق 330ھ ہے انہوں نے پانچ مذہب اہل سنت کے نقل کیئے وہ سلف صالحین کے بھی زیادہ قریب تھے اور سنی متکلمین میں بھی بہت سابق آدمی ہیں ان کو کیوں پتہ نہیں کہ سلف صالحین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر متفق تھے؟ ان کے اس موجودہ بیان میں حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا قول بھی موجود ہے اور توقف کا قول بھی۔

وقال قائلون افضل الناس بعدرسول الله صلی الله علیه و آله وسلم علی ثم بعده ابوبکروقال قائلون لاندری ابوبکرافضل ام علی (مقالات اسلامیین ج ۲ص ۱۴۷، مصنفہ امام ابوالحسن اشعری)

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ تفتازانی کا قول توقف دربارہ تفضیل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ قول جدید نہیں بلکہ پہلے سے چلا آرہا ہے۔اور یہ قول کہ ”سلف صالحین افضلیت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر متفق تھے“ اصلاً بے بنیاد ہے۔

ان معتبرات کے حوالہ جات سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ سلف صالحین کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر اتفاق نہیں بلکہ اُن کے درمیان یہ مسئلہ اختلافی تھا۔اب امام تفتازانی متوفی 795ھ کے اس قول کی حقیقت بھی کھل کر سامنے آگئی کہ **علی هذا وجدنا السلف**، کہاں تک واقعات پر مبنی ہے۔

توقف کے بارے میں امام سیف الدین آمدی کا نکتہ نظر

امام ابوالحسن علی بن علی محمد سیف الدین آمدی شافعی اشعری متوفی 631ھ اپنی ممتاز کتاب برمضمون عقائد "ابکارالافکار" صفحہ 309 جلد3 پر حیزتحریر میں لاتے ہیں: "**والذی علیہ الافاضل من اصحابنا (اھل السنة والجماعة) انه لاطریق الی التفضیل بمسلک قطعی فاماً المسالک الظنیة فھی متعارضة وقد یظھر بعضھا فی نظر المجتھدین وقدلا یظھر.**"

ترجمہ: (اور جو ہمارے صف اول کے اہل السنّت والجماعت کا مذہب ہے وہ یہ ہے کہ تفضیل کی طرف جانے کے لئے کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوسکا اور جوظنی راستے ہیں وہ آپس میں ٹکراتے ہیں اور کبھی ان میں سے بعض طریقے بعض مجتہدین کی نگاہ میں آجاتے ہیں اور کبھی نہیں بھی آتے)۔

آمدی کی یہ عبارت بھی مفید توقف ہے جیسا کہ انہی کی ایک عبارت علامہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اپنی کتاب شرح مواقف 405/8 پرنوک قلم پرلاتے ہیں:

قال الآمدی: قدیراد بالتفضیل اختصاص احد الشخصین عن الاخر اماباصل فضلیة لاوجودلھافی الاخر کالعالم والجاھل واما بزیادہ منھا ککونه اعلم مثلاً وذالک ایضًا غیر مقطوع به فیما بین الصحابة اذمامن فضیلة تبین اختصاصھابواحدمنھم والا یمکن بیانُ مشارکة غیرہ له فیھا، وبقدیر عدم المشارکة فقد یمکن بیان اختصاص الاخر بفضیلة اخری ولاسبیل الی الله الترجیح لکثرة الفضائل لاحتماله ان

تکون الفضیلة الواحدة ارجح من فضائل کثیرة. امّالزیادہ شرفھا فی نفسھا اولزیادہ کمیتھا فلاجزم بالافضلیة بھٰذاالمعنی ایضًا.

ترجمہ: آمدی فرماتے ہیں ،کبھی تو تفضیل سے مراد ایک شخص کا دوسرے کے مقابلے میں اصل فضیلت سے مخصوص ہونا ہوتا ہے کہ جس فضیلت کا وجود دوسرے میں مطلقاً نہیں ہوتا جیسا کہ جاہل وعالم (کہ جاہل میں علم نہیں ہے) یا مراد ہوتی ہے کہ ایک اس صفت میں دوسرے سے بڑھ کر ہوتا ہے جیسا کہ ایک کا زیادہ عالم ہونا ہے (اس طرح کا تناسب بھی صحابہ کرام میں) اٹل طریقے سے نہیں پایا جاتا۔ کیونکہ کوئی بھی فضیلت ایسی نہیں جو ان میں سے ایک ساتھ اپنی خصوصیت بیان کرے مگر یہ کہ دوسرے کی اس میں مشارکت ممکن ہوگی اور اگر فرض کرلیا جائے تو دوسرا اُس میں شریک نہیں تو دوسرے کا کسی دوسری فضیلت سے مختص ہونا ممکن ہوگا،اور کثرت فضائل کو دیکھ کر ترجیح دینا ممکن نہیں ہوگا۔ اس بات کا امکان ہونیکی وجہ سے کہ ممکن ہے کہ ایک فضیلت بہت سارے فضائل سے قابل ترجیح ہو بوجہ اپنے ذاتی شرف کے یا مقدار میں زیادہ ہونیکی وجہ سے تو اس معنی میں بھی افضلیت کا جزم نہیں کیا جاسکتا۔

تبصرہ:

امام آمدی جو کہ چھٹی وساتویں صدی کے مشہور سنی متکلم ہیں انہوں نے افضلیت کے بارے میں کوئی جزمی یا قطعی عقیدہ رکھنے کی کوئی رائے ظاہر نہیں کی جو کلمات لکھے ہیں اس کا معنی توقف ہے۔اور مبصرین نے توقف کے حوالہ جات میں سرعنوان آمدی کا نام لیا ہے۔

شریف جرجانی اپنی طویل بحث اور جانبین کے متضاد و متعارض دلائل لکھنے کے بعد سپر انداز ہوتے ہیں۔ اور امام آمدی کا قول بطور محاکمہ کے پیش فرماتے ہیں۔ جس کا حاصل کلام یہ ہے کہ شریف جرجانی بھی مذاھب افضلیت سے مطمئن نہیں ورنہ اپنے استدلال کے بعد آمدی کا محاکمہ کبھی پیش نہ فرماتے۔ اور شریف جرجانی کا سلف کے اتفاق کے بارے اطمینان ہو جاتا تو وہ آمدی کا قول لکھنے کے بعد اُس کی تردید کر دیتے اور اگر بیان کردہ اجماع اُمت بھی ان کے زیر نظر ہوتا تو اس کا بھی ذکر ضرور کرتے۔ اور شریف جرجانی نے اس غلطی کا ازالہ بھی کر دیا جو سطحی قسم کے لوگ خلافت میں اولیت کو دلیل افضلیت سمجھتے ہیں۔

شریف جرجانی فرماتے ہیں: **وثبوت الامامة وان کان قطعیًا لایفید القطع بالافضلیة.** ترجمہ: امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت کی قطعیت کا معنی نہیں دیتا۔ خلافت اور افضلیت میں ہرگز تلازم نہیں۔ آگے چل کر وہ لکھتے ہیں:

کیف ولا قطع بان امامة المفضول لاتصح مع وجود الفاضل. ترجمہ: (خلافت میں اول ہونا افضلیت کے معنی کیسے دے سکتا ہے) حالانکہ اس پر کوئی اٹل ثبوت نہیں کہ مفضول کی امامت افضل کے ہوتے ہوئے درست نہیں ہو سکتی۔

معلوم ہوا کہ افضل کے ہوتے ہوئے مفضول خلیفہ و امام ہو سکتا ہے اس لئے خلافت میں اول ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو پہلے خلیفہ ہو وہی افضل ہوگا۔

اس جگہ شریف جرجانی متوفی 816ھ اگرچہ افضلیت ابوبکر صدیق ﷜ کی رائے رکھتے ہیں۔ مگر آمدی کے حوالے کو بطور قول فیصل کے نقل کرنے سے مراد یہی ثابت ہوتی ہے کہ مذہب توقف کو اُن کے ہاں بھی ترجیحی حیثیت حاصل ہے ورنہ اوّلاً شریف جرجانی قول آمدی کو نقل ہی نہ کرتے اور نقل کر دیا تھا تو اُس کی تردید کر دیتے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا موقف

حضرت شیخ شہاب الدین سہروردی اپنی کتاب ''اعلام الہدیٰ وعقیدہ ارباب التقی''، ص۵۳ پر جیز تحریر میں لاتے ہیں:

فـان قبـلـت النصح فامسکِ عن التصرف فی امرھم واجعل محبتک لکل علی السواء وامسک عن التفضیل وان خامر باطنک فضل احدھم علی الاٰخر فاجعل ذالک من جملة اسرارہ فلایلزمک اظھارُہ ولایلزمک ان تحب احدھم اکثر من الاٰخر بل یلزمک محبة الجمیع والاعتراف بفضل الجمیع ویکفیک فی العقیدة السلیمة اَن تعتقد صحة خلافة ابی بکر وعمر و عثمان و علی رضی اللہ عنھم.

ترجمہ: اگر تو میری نصیحت کو قبول کرے تو ان کے معاملے میں دخل دینے سے پرہیز کر اور اُن میں ہر ایک سے مساوی (برابر) محبت کر، اور تفضیل سے بھی باز رہ، اور اگر اُن میں سے کسی ایک کی فضلیت دوسرے پر، تیرے دل پر چھا گئی ہے تو اس بات کو اپنے دل کا ایک بھید بنا لے اس کا اظہار تجھ پر ضروری نہیں ہے کہ تو ایک سے دوسرے کے مقابلے میں زیادہ محبت زیادہ کرے بلکہ اُن سب کی محبت تجھ پر ضروری ہے اور سب کی

فضلیت کا اعتراف کرے اور تیرے لئے عقیدہ سلیمہ رکھنے کے لئے یہ کافی ہوگا کہ ابوبکر، عمر، عثمان، اور علی (رضی اللہ عنہم) کی خلافت کا اقرار کرے۔

تبصرہ:

شیخ شہاب الدین سہروردی رحمۃ اللہ علیہ، ایک سلسلہ طریقت کے بانی ہوکر اور علم عقیدہ کے ایک ماہر متکلم ہوکر تعلیم دے رہے ہیں کہ خلافت کی صحت کا عقیدہ ثابت ہے لہٰذا اس کا معتقد ہونا ضروری ہے کیونکہ اس پر اجماع صحابہ ہوا۔ گوکہ اہل علم کے ایک طبقے کو اس پر بھی کلام ہے کیونکہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ جو کہ ایک فقیہ اور مجتہد صحابی تھے اور دین میں ان کی بڑی خدمات ہیں۔ جنگوں میں ایک جھنڈا منجانب مہاجرین جناب علیؓ مرتضٰی کے پاس ہوتا اور دوسرا جھنڈا من جانب انصار جناب سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے پاس ہوتا تھا وہ شریک اجماع نہیں ہوئے۔ اور شیخین میں سے کسی کی بھی بیعت کئے بغیر احتجاجاً ملک شام چلے گئے اور وہیں آپ کا وصال ہوا۔ (مقالات الاسلامیین۔ صفحہ 39/1، اسد الغابہ، الاستیعاب)

امام غزالی اپنی کتاب المستصفیٰ ج ا ص ۱۸۳ پر بزبان قلم درافشانی فرماتے ہیں: **المبتدع اذا خالف لم ینعقد الاجماع دونه اذالم یکفر بل هو کالمجتهدالفاسق و خلاف المجتهدالفاسق معتبر.**

ترجمہ: مجتہد مبتدع جب مخالفت کرے (اجماع سے اتفاق نہ کرے تو اجماع منعقد نہیں ہوگا، جبکہ (بوجہ اُس کی بدعت کے) اس کو کافر نہ قرار دیا جائے بلکہ وہ ایک فاسق مجتہد کی مانند ہوگا اور فاسق مجتہد کا خلاف معتبر ہے)

لیکن افضلیت صحتمند اور معتمد دلائل سے ثابت نہیں لہٰذا اُس کے متعلق خاموشی اولی واحری ہے۔

شیخ شہاب الدین سہروردی رضی اللہ عنہ کی نشاندہی سے معلوم ہوا کہ عقیدہ افضلیت ضروریات دین میں سے نہیں اور نہ ہی اس پر کوئی اجماع منعقد ہوا ہے ورنہ اس عقیدہ کے بارے میں خاموشی درست نہ ہوتی اور یہ کہنا بھی ایک لغو جملہ ہوگا کہ جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو سب سے افضل نہ جانے وہ سنی نہیں ہوگا۔ اگر اس جملے میں کوئی صداقت ہوتی تو جتنے صحابہ کرام کے حوالہ جات درج کیئے گئے دربارۂ افضلیت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ وہ تو سنی نہ رہتے۔ جملہ بنی ہاشم سمیت حضرت عباس وعبداللہ بن عباس، امام حسن، حذیفہ بن الیمان، عمار بن یاسر، سلمان فارسی، ابوذر غفاری، مقداد بن الاسود، خباب بن الارت، جابر بن عبداللہ الانصاری، زید بن ارقم، ابوسعید خدری، حسان بن ثابت، ابوالطفیل عامر بن واثلہ، حضرت سیّد امام زید بن علی بن الحسین، سیّد نفس زکیہ، سیّدنا امام جعفر صادق، حضرت عمر بن عبدالعزیز، مامون الرشید وغیرہم کوئی بھی سنی نہ رہتا، کیونکہ یہ لوگ جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کو بعد از رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اُمت میں سب سے افضل سمجھتے تھے۔ اور شیخ شہاب الدین سہروردی نے بنابر عدم دلیل افضلیت برائے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، افضلیت میں توقف کو ترجیح دی اور ثابت کر دیا کہ ہمارے پاس جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یا کسی دوسرے کی افضلیت کی کوئی ترجیحی دلیل نہیں لہٰذا توقف افضل ہے۔

امام ابوالحسن علی بن اسماعیل الاشعری، شیخ اہل السنّت والجماعت

متوفی 330ھ اپنی کتاب ''مقالات الاسلامین واختلاف المصلیین'' صفحہ 147/2 پر اہل سنت والجماعت کے افضلیت کے بارے میں پانچ مواقف تحریر فرماتے ہیں اُن میں آخری موقف ہے: وقال قائلون :لاندری ابوبکر افضل ام علی۔

ترجمہ: بعض کہنے والوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ۔

تبصرہ:

یہاں امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری اہل سنت والجماعت کے پانچوں گروہ کا ذکر کیا اور اُن کے عقیدہ کی وضاحت فرمائی۔ بتایا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ''ہمیں معلوم نہیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا کہ علی رضی اللہ عنہ''۔ اب ظاہر ہے کہ ان لوگوں نے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کا اقرار و اظہار نہیں کیا مگر امام ابوالحسن علی بن اسمٰعیل اشعری نے انہیں اہل سنت سے خارج نہیں سمجھا۔ معلوم ہوا کہ کسی کی بھی افضلیت کا عقیدہ ضروریات دین میں سے نہیں ہے ورنہ اس عقیدہ کے لوگ قابل مواخذہ ہوتے۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی رضی اللہ عنہ کا مسلک

ابوعبداللہ محمد بن علی المعروف ابن عربی حاتمی طائی اپنی کتاب ''الفتوحات المکیہ'' صفحہ 298/4 پر تحریر فرماتے ہیں:

فما تاخر عن الاول الالامر ایسرہ وابینہ الزمان لان وجود الاھلیة فیه من جمیع الوجوہ فیعلم ان الحکم فی تاخرہ و تقدیم غیرہ للزمان کخلافة ابی بکر و عمر ثم عثمان ثم علی رضی اللہ عنہ جمیعھم. فما منھم واحدالا وھو مترشح للتقدم والخلافةموھل لھا

فلم یبق حکم لتقدم بعضهم علی بعض منها عنداللہ للفضل.

ترجمہ: (پہلے سے (خلافت) متاخر نہیں ہوئی مگر ایک ایسی بات کے لئے جس کی آسان ترین اور واضح ترین وجہ (مصلحت) زمانہ ہے کیونکہ (اُس (متاخر) میں ہر طرح کی اہلیت وقابلیت موجود ہے پس معلوم ہوتا ہے کہ اُس کی تاخیر اور دوسرے کی تقدیم محض برائے مصلحت زمانہ ہے۔ جیسا کہ حضرات، ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی، علی مرتضٰی (رضی اللہ عنہم) کی خلافت ہے۔ ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جس میں آثار تقدم وخلافت مترشح نہ ہوں، وہ (ہر ایک اس خلافت کا) اہل ہے تو خلافت کے بارے میں اُن میں سے کسی ایک کو مقدم کرنا خدا کی بارگاہ میں بوجہ افضلیت کے نہیں)

تبصرہ:

محی الدین ابن العربی مالکی اشعری خامہ فرسا ہیں: خلاف میں تقدم وتاخر باعتبار افضلیت کے نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کے اعتبار سے تقدیم وتاخیر ہوتی رہتی ہے کیونکہ مقدم وموخر میں پوری اہلیت خلافت تھی مگر ایک کو کسی مصلحت سے مقدم کر دیا تو اس سے افضلیت پر استشہاد نہیں کیا جا سکتا۔ جب کہ ساری صلاحیتیں بجا طور پر ہر ایک میں پائی جاتی ہوں تو ایک کو مقدم کر دینے کا مقصد افضلیت نہیں ہوتا بلکہ مصلحت زمانہ کار فرما ہوتی ہے۔

امام عبدالوہاب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ کی الیواقیت سے اقتباس

اس اجمال کی تفصیل امام عبدالوہاب متوفی 973ھ شعرانی شافعی اشعری کی کتاب ”الیواقیت والجواہر فی عقائد الاکابر“ صفحہ 332/2 سے دریافت کی جا سکتی ہے:

والذی اطلعنا اللہ تعالیٰ علیہ من طریق کشفناان تقدیم شخص بالامامۃ علی آخر انما ھو تقدم بالزمانِ ولایلزم التقدم بالفضل فانِ اللہ تعالیٰ امرنا باتباع ملۃ ابراھیم ولیس ذالک لکونہ احق بھا من محمد ﷺ وانما ھو لتقدمہ بالزمان فان للزمان حکماً فی التقدم من حیث ھوزمان لامن حیث المرتبۃ وذالک کا لخلافۃ بعد رسول اللہ.

ترجمہ: جس چیز پر اللہ تعالیٰ نے بطور کشف مجھے آگاہ کیا وہ یہ ہے کہ ایک شخص کا امامت (خلافت) میں دوسرے سے پہلے ہونا وہ صرف زمانے میں مقدم ہونا ہے اُس سے افضلیت میں تقدم لازم نہیں آتا۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں مذھب ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرنے کا حکم دیا۔ یہ اس وجہ سے نہیں ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ سے اس کے زیادہ حقدار ہیں۔ وہ صرف اُن کے زمانے میں مقدم ہونیکی وجہ سے ہے زمانے کو تقدم بحثیت زمانے کے حاصل ہوتا ہے مرتبہ کے اعتبار سے حاصل نہیں ہوتا۔ جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد خلافت میں تقدم ہے،

تبصرہ:

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ کے حوالے سے امام شعرانی نے بتایا کہ زمانے کو بطور زمانے کے جو تقدم حاصل ہوتا ہے وہ مفید افضلیت نہیں ہوتا جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قبل بطور رسول بھیج دیا تو اس سے ان کی جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر برتری ثابت نہیں ہوتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد خلافت راشدہ کا وجود بھی نوعی اعتبار سے ویسا ہی

ہے۔یعنی ''ہر چہار خلفاء میں وہی ترتیب افضلیت اختیار کی جائے جو اُن کی ترتیب زمانہ ہے'' یہ اصلاً درست نہیں۔اس کی مثال جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو پہلے بطور رسول بھیجا گیا اور آپؐ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن کی پیروی کرنیکا حکم دیا گیا۔جبکہ ابراہیم علیہ السلام افضل نہیں جو پہلے آئے بلکہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم افضل ہیں جو پیچھے آنے۔زمانے کے تقدم کو تقدم مرتبہ میں کوئی دخل نہیں۔

مجدد گولڑوی رضی اللہ عنہ کا بیان

رئیس المجددین فاتح قادیان نائب غوث الثقلین، خواجہ خواجگان سیّد السادات پیر **سیّد مہر علی شاہ** صاحب گولڑوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس سے ملتی جلتی بات ارشاد فرمائی، ''خلافت مرتضوی کا سب سے آخر میں ہونا موجب تقصیر شان نہیں بلکہ فضلیت ہے دیکھو کہ سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرتبہ ظہور میں سب انبیاء سے آخر ہیں۔(ملفوظ 150 صفحہ 111 ملفوظات مہریہ)

جناب محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ کشف مجھ پر یہ واضح کر دیا کہ یہ تقدم وتاخر در زمانہ خلافت موجب عظمت مرتبہ یا نقصان مرتبہ نہیں۔

''الیواقیت والجواہر'' صفحہ 332/2 پر شیخ امام عبدالوہاب شعرانی متوفی 973ھ بحوالہ محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ ارقام فرماتے ہیں:

"اعلم ان الخلفاء الاربعة لم یتقدموا فی الخلافة الا بحسب اعمارهم فان الاهلیة للخلافة موجودة فیهم من جمیع الوجوه فکان سبقهم لایقتضی التفضیل بمجرده".

ترجمہ: یہ بات جان لے کہ خلفائے اربعہ خلافت میں صرف عمروں کے لحاظ سے آگے ہوئے ہیں۔ خلافت کی قابلیت اُن میں ہر طرح سے موجود تھی۔ ان کا خلافت میں دوسروں سے مقدم ہونا فضلیت کا تقاضا نہیں کرتا۔

تبصرہ:

امام عبدالوہاب شعرانی نے بتادیا کہ خلاف میں تقدم کے حوالے سے افضلیت پر استدلال کرنا یہ علمی لغزش ہے کہ پہلے خلیفہ بننا صرف زمانے میں تقدم کا معنی دیتا ہے افضلیت کے معنی نہیں دیتا۔

شیخ محی الدین ابن عربی کا اسی صفحہ پر آخری سطور میں خلاصہ کلام درج ہے:

وبالجملة فلاینبغی الخوض فی مثل ذالک الامع وجود نص صریح مع اناقائلون بترتیب ہولاء الخلفاء الاربعة کما علیه الجمہوروانما خالفناہم فی علة التقدیم فہم یقولون: ہی الفضل ونحن نقول: ہی تقدم الزمان ولوان کل متاخر کان مفضولا لکان من تقدم محمداً صلی اللہ علیه وآلہٖ وسلم افضل منه ولاقائل بذالک محقق." ترجمہ: خلاصہ کلام یہ ہے کہ ایسے معاملات میں غور وخوض نہ کرنا چاہیے، مگر نص صریح کے ذریعے سے (کسی واضح دلیل کے ذریعے سے) باوجودیکہ ہم اِن خلفائے اربعہ کی ترتیب کے قائل ہیں جیسا کہ جمہور کا مذہب ہے ہم نے مقدم ہونے کی وجہ میں جمہور کی مخالفت کی ہے وہ کہتے ہیں (کہ علتِ تقدیم) فضلیت ہے ہم کہتے ہیں یہ صرف تقدم زمانی ہے اگر ہر متاخر مفضول ہوتا تو جو محمد رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مقدم ہوا وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے افضل ہوتا اور محققین میں اس بات کا کوئی بھی قائل نہیں۔

شیخ ابن عربی اور مذہبِ جمہور:

شیخ اکبر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں جمہور کے ساتھ ہمارا اختلاف ہے جمہور کہتے ہیں کہ جو افضل تھا وہ پہلے خلیفہ ہوا جبکہ ہمارے نزدیک جس کا زمانہ پہلے تھا وہ پہلے خلیفہ ہوا اور یہ ترتیب خلافت ان کی عمروں کے لحاظ سے ہوئی۔ جس نے دنیا سے پہلے رخصت ہونا تھا اسے پہلے خلافت سے نوازا گیا اور جس نے بعد میں اس دنیا کو چھوڑنا تھا وہ بعد میں خلیفہ ہوا۔ شیخ اکبر رضی اللہ عنہ تقدم زمانی کو وجہ افضلیت نہیں سمجھتے جس کا ایک نتیجہ یہ ہوگا کہ خلفائے ثلاثہ جو حضرت علی مرتضیٰؓ سے زمانے میں مقدم ہیں ان کے ہاں مرتبے میں افضل نہیں ہوں گے۔

دوسرا نتیجہ یہ ہوگا کہ خلفائے راشدین کی ترتیب خلافت ہی کو ترتیب مرتبہ سمجھنا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کرنا بلا دلیل ہوگا کیونکہ یہ مذھب جمہور ہے۔ اور مطلق جمہور دلیل شرعی نہیں ہے ''**علیکم بالسواد الاعظم من شذشذفی النار**'' یہ حدیث جماعت کے مقابلے میں جماعت کے ساتھ اختلاف میں مفید معنی نہیں ہے بلکہ فرد کے جماعت کے مقابلے میں اختلاف پر تنبیہ ہے۔

امام ابوبکر جصاص اپنی کتاب اصول الجصاص صفحہ 147/2 پر ارقام فرماتے ہیں: ''**ستفترق امتی الی ثلاث وسبعین فرقۃً کلھافی النار الاواحدۃ**''. **فی اخبار نحوھا یوجب تصویب الاقل و تقلیل الاکثر**

فبطل اعتبار الکثرۃ و القلۃ اذا وقع الخلاف علی وجہ الذی قدذکرنا ویجب علیناحینئذ طلب الدلیل علی الحکم من غیر جھۃ الاجماع وقدارتد اکثر الناس بعد وفات النبی و منعواالصدقۃ و کان المحقون الاقل وھم الصحابۃ وقد کان اکثر الناس فی زمن بنی امیۃ علی القول بامامۃ معاویۃ ویزید واشباھمامن ملوک بنی مروان والاقل کانواعلی خلاف ذالک ومعلوم ان الحق کان مع الا قل دون الا کثر۔"

ترجمہ: ''میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سارے کے سارے جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے'' اس طرح کی احادیث میں، قلیل ترین کو حق پر کہنا پڑتا ہے اور اکثر کو قلیل کہنا پڑتا ہے۔ سوقلت وکثرت کا اعتبار باطل ہو جاتا ہے جس وقت اس طرح کا اختلاف پیدا ہو جائے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے تو طلب دلیل واجب ہو جاتی ہے حکم معلوم کرنے کیلئے جو کہ جہت اجماع سے تعلق نہیں رکھتی، اور بہت سارے لوگ سرکار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد لوگ مرتد ہو گئے اور انہوں نے صدقہ زکوۃ کو روک لیا، اور حق پر تھوڑے تھے اور وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے۔ اور بنوامیہ کے زمانے میں، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور یزید (ملعون) کی امامت کا قول کرنے والے زیادہ لوگ تھے اور اُن جیسے دوسرے مروانی بادشاہوں (کی امامت کا قول کرنے والے بھی اکثر لوگ تھے) اور تھوڑے سے لوگ اس کے خلاف تھے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ حق تھوڑے لوگوں کے ساتھ تھا نہ کہ اکثر لوگوں کے ساتھ۔

شیخ اکبر محی الدین ابن عربی متوفی 638ھ نے اپنے اس آخری بیان میں واضح فرمادیا کہ میں ترتیب خلافت میں جمہور کے ساتھ ہوں مگر ترتیب افضلیت میں

میرا مذہب توقف ہے۔ اور اس سے پیشتر امام ابوالحسن علی بن اسماعیل اشعری نے بھی اپنی کتاب مقالات الاسلامین صفحہ 147/2 پر قول نمبر 5 منجانب اہل السنّت والجماعت توقف درفضلیت بیان کر کے واضح کر دیا کہ وہ قوم بھی اہل السنّت ہے جو خلفائے راشدین میں سے کسی ایک کی بھی افضلیت کا قول نہیں کرتی۔ افضلیت خواہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی ہو یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی ضروریات دین میں سے نہیں ہے کوئی اُسے مانے یا نہ مانے اُسے سنیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا۔

شیخ محقق رحمۃ اللہ علیہ کا توقف کو ترجیح دینا

شاہ عبدالحق حجۃ الحق علی الخلق محدث دہلوی قادری موسوی متوفی 1054ھ اپنی نامی گرامی کتاب تکمیل الایمان صفحہ 58 پر رقمطراز ہیں:

پس صحیح آن است که درامامت وخلافت افضلیت شرط نیست پس امامت دلیل افضلیت نتواندبود و نزدمادلیل دیگر نیست که قاطع بود ودلالت کند برتفضیل بعضے ائمه بربعضے، چه عقل رابدرك حقیقت آن راه نیست و اخباریکه درفضائل ایشان ورود یافته متعارض اندپس جزتوقف و سکوت سبیلے نبا شد۔

ترجمہ: پس صحیح بات یہ ہے کہ امامت اور خلافت میں افضلیت شرط نہیں ہے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ امامت افضلیت کی دلیل نہیں ہو سکتی، اور ہمارے پاس کوئی دوسری دلیل نہیں ہے جو قطعی ہو اور بعض ائمہ کے بعض دوسرے آئمہ پر افضلیت پر دلالت کرے، کیونکہ عقل کو حقیقت و دریافت کرنیکی صلاحیت نہیں ہے اور جو احادیث کہ ان

کے فضائل میں وارد ہوئی ہیں آپس میں ٹکراتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ (ایک کو دوسرے پر افضلیت دیتے ہیں) سوائے توقف اور خاموشی کے اور کوئی چارہ نہیں۔

تبصرہ:

شاہ عبدالحق جو سرزمین ہند میں صحرائے فکر کا پہلا صحرانورد لگتا ہے وہ اپنی علمی مہارت کا رنگ دو لفظوں میں نکھار کے کہتے ہیں: امامت (خلافت) میں افضلیت شرط نہیں (ضروری نہیں ہے) تو پھر خلافت میں اول ہونے سے افضلیت پر استدلال بنائے ''فاسد علی الفاسد'' ہوگی جو اہل علم کے نزدیک سراسر باطل ہے۔ لہٰذا امامت وخلافت میں اولیت، دلیل افضلیت ہرگز نہیں ہوگی۔

نیز جو احادیث دربارۂ افضلیت وارد ہوئی ہیں خواہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہوں یا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے بارے میں ساری کی ساری متعارض ہیں۔ شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ ایک آخری عارضہ جو برائے عدم استدلال پیش کرتے ہیں وہ اُن نصوص کے متعارض ہونیکا ہے جو دونوں دھڑوں (ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ) کے حق میں وارد ہوئی ہیں۔

دوسرے متکلمین مثلاً شریف جرجانی متوفی 816ھ شرح مواقف صفحہ 404/8 فرماتے ہیں ''والنصوص المذکورۃ من الطرفین بعد تعارضھا لاتفید القطع علی مالایخفی علی منصف، لانھاباسرھا اِمّا احاد اوظنیۃ الدلالۃ مع کونھامتعارضۃ'' ترجمہ: دونوں دھڑوں (حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی حمایت میں وارد ہونے والی نصوص) آپس میں

متعارض ہونیکے بعد (کسی کے حق میں بھی) اٹل حکم کا فائدہ نہیں دیتیں جیسا کہ کسی بھی منصف مزاج پر یہ امر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ ساری کی ساری روایات یا تو اخبارِ واحدہ یاظنی الدلالۃ (غیر یقینی معنی رکھتی ہیں) ہیں اوراس کے ساتھ ساتھ آپس میں ٹکراتی بھی ہیں) یہ تین عوارض برائے عدم احتجاج پیش کرتے ہیں (۱) وحدتِ خبر (۲) دلالت کی ظنیت (۳) تعارض (یعنی باہمی ٹکراؤ)

مگر شیخ محقق علی الاطلاق شاہ عبدالحق قادری موسوی محدث دہلوی بڑے حاکمانہ طور پر ایک عارضہ برائے عدم احتجاج پیش فرماتے ہیں "**اخبارِ یکہ درفضائل ایشان ورود یافتہ متعارض اند**" (ترجمہ: اوروہ احادیث جو کہ اُن (ابوبکر صدیقؓ اور علی مرتضیٰؓ) کے فضائل میں وارد ہوئی آپس میں ٹکرانے والی ہیں) یہ جملہ بول کہ شیخ محقق نے قطع خصومت کردیا۔ اور بتادیا کہ اگر اخبار واحدہ نہ بھی ہوتیں اور ظنی الدلالت بھی نہ ہوتیں مگر ایک آخری عارضہ جو کہ تعارض کا ہے پایا جاتا تو کسی اٹل عقیدے کی بنیاد اُن پر نہیں رکھی جاسکتی۔ یعنی اگر ادلہ شرعیہ قطعیت الدلالت بھی ہوں تو اُن میں تعارض واقع ہو جائے تو ظنیۃ الدلالۃ ہوجاتی ہیں، بنابریں اس مسئلہ افضلیت میں توقف اور سکوت کے بغیر چارہ نہیں۔

حضرت شیخ المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی "تکمیل الایمان" صفحہ 60 پر رقمطراز ہیں: **ماخود دلائل جانبین را متعارض یافتیم واین مسئلہ ازاں قبیل نیافتیم کہ چیزے از اعمال بدآن متعلق باشد، وتوقف دروے مخل بچیزے از واجبات گردد۔** ترجمہ: دونوں

دھڑوں (قائلین افضلیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ) کے دلائل کو ہم نے آپس میں متعارض پایا اور ہم نے اس مسئلہ (ایک کی دوسرے پر افضلیت) کو اس قسم کا مسئلہ نہیں پایا کہ جس سے کسی عمل کا تعلق ہو، اور اس میں توقف کیا جائے تو کسی واجب کی ادائیگی رہ جائے۔

تبصرہ:

شاہ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ محدث دہلوی نے اس عبارت کا ترجمہ فارسی زبان میں پیش فرمایا ہے جو علامہ تفتازانی متوفی 795ھ نے اپنی شرح عقائد صفحہ 108 پر درج فرمائی تھی۔ اور یہ امر واضح کر دیا کہ یہ عقیدہ علامہ سعد الدین تفتازانی کا انفرادی عقیدہ نہیں بلکہ ہم لوگ بھی اس عقیدے میں اُن کی حمایت کرتے ہیں یعنی اس مسئلہ میں توقف کرنا درست ہے یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کے درمیان افضلیت میں خاموشی برتی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مزید شیخ محقق علی الاطلاق نے توضیح فرمادی (تکمیل الایمان صفحہ 60) ''**جریان کلام محقق دوانی شرح عقائد عضدیه هم بریں نهج است**۔ علامہ جلال الدین محمد بن اسعد صدیقی دوانی متوفی 908ھ کا کلام شرح عقائد عضدیہ میں ایسا ہی ہے۔

یعنی شرح عقائد نسفی میں، علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور جناب علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے اظہار میں توقف اور سکوت یہ علامہ تفتازانی کا تنہا قول نہیں بلکہ محقق دوانی کا بھی یہی قول ہے۔

تکمیل الایمان صفحہ 61 پر ہے: **نظر بر احادیث و اخبار یکه**

درفضائل و کمالات اصحاب ورود یافته جز توقف وامساك نیارد ۔ترجمہ: لیکن وہ ان احادیث واخبار پر نظر رکھتے ہوئے جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے حق میں وارد ہوتی ہیں سوائے توقف اور خاموشی کے کچھ بھی نظر نہیں آتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر دلائل کا جائزہ

سب سے پہلے تو ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ہمارے علمائے کرام (جمہور اہل سنت اور علمائے عقائد) کے نزدیک وہ کونسی آیات قرآنیہ ہیں جن کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی یکتائی و بے ہمتائی پر دلیل ٹھہراتے ہیں اور اُمت مسلمہ میں افضلیت مطلقہ ثابت فرماتے ہیں۔

اس سے قبل کہ اُن آیات پر گفتگو کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ افضلیت کی تعریف کی جائے تاکہ بات کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔
افضلیت ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک کے اندر پایا جائے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ اگر کوئی دوسرا شریک پایا گیا تو وہ وصفِ کمال فضیلت کہلائے گا، افضلیت نہیں کہلائے گا۔

نیز افضلیت مطلقہ، کا معنی یہ ہوگا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہر صفت و ہر کمال میں امت مسلمہ کے اندر لاشریک ہیں، کسی بھی خوبی اور کمال میں کوئی دوسرا اُن کے ساتھ شریک نہیں۔

لیجئے سب سے پہلی آیت جو اس باب میں پیش کی جاتی ہے وہ یہ ہے:

سَيُجَنَّبُهَا الْأَتْقَى○الَّذِي يُؤْتِي مَالَهُ يَتَزَكَّى○وَمَا لِأَحَدٍ عِندَهُ مِن نِّعْمَةٍ تُجْزَى○إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْأَعْلَى○وَلَسَوْفَ يَرْضَى○ (واللیل۔۱۷تا۲۱)

ترجمہ: (دور رکھا جائے گا اُس سے وہ جو نہایت پرہیزگار ہے جو اپنا مال دیتا ہے اپنے دل کو پاک کرنے کے لئے اس پر کسی کا کوئی احسان نہیں جس کا بدلہ اُسے دینا ہو بجز اس کے کہ وہ اپنے پروردگار کی خوشنودی کا طلبگار ہے اور وہ ضرور اُس سے خوش ہو جائے گا)

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقہ عقیدت میں داخل ہونے والے سب انہی صفات سے متصف تھے اور ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہٗ میں ملتی ہے۔ضیاء القران جلد نمبر ۵ صفحہ ۵۸۲، مصنفہ علامہ پیر محمد کرم شاہ الازہری جج شریعت کورٹ پاکستان، میں لکھا ہے کہ جو صفات ان آیات میں بیان کی گئی ہیں وہ سبھی صحابہ کرام میں پائی جاتی تھیں۔(ان کی اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میں ملتی تھی) اس جملے سے انہوں نے جمہور علمائے اہل سنت کی طرف اشارہ فرمایا ہے مگر یہ ان کا حسن عقیدت ہے جیسا کہ میں بھی یہی رائے رکھتا ہوں مگر آیات مذکورہ بالا میں اس کا کوئی محل استشہاد نہیں ملتا کیونکہ ''الاتقی'' میں جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے جسمیں جملہ صحابہ کرام شریک ہیں کسی ایک کیلئے کوئی وجہ ترجیح نہیں ملتی جیسا کہ اوپر گزرے ہوئے ''الاشقی'' میں جملہ رؤسائے مکہ مراد ہیں صرف امیہ بن خلف یا صرف ابوجہل مراد نہیں اسی طرح الاتقی سے جملہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مراد ہوں گے۔کیونکہ وہ سارے ان ہی اوصاف سے متصف تھے۔سو اس بحث سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے افضلیت ثابت نہیں ہوتی۔

افضلیت کے بارے میں ایک ضروری وضاحت

افضلیت کی بحث چھیڑنے سے پہلے افضلیت کی تعریف اور اس کے احکام

سمجھ لینے چاہئیں تا کہ شئی مجہول پر احکام افضلیت جاری نہ کرتا پھرے۔

افضلیت کسی ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک میں پایا جائے اور کسی دوسرے میں نہ پایا جائے یا کسی دوسرے میں بھی پایا جائے مگر اس درجے کے ساتھ نہ پایا جائے جس درجے کے ساتھ اول الذکر میں پایا جائے۔

فضیلت کسی ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی ایک میں پایا جاتا ہے مگر دوسروں سے اس کی نفی نہیں کی جاتی۔ فضیلت، فضائل کی برادری سے ہے اس میں کوئی سی دلیل ظنی از قسم حدیث ضعیف بھی قابل قبول ہے بشرطیکہ مخالفت شرع کا کسی بھی وجہ سے اندیشہ نہ ہو۔ مگر اس کے مقابلے میں:۔

افضلیت ایسے وصفِ کمال کا نام ہے جو کسی صاحب کمال میں بلا شرکتِ غیرے پایا جائے یعنی دوسروں میں اس وصفِ کمال کا عدم بھی ثابت کرنا پڑتا ہے اس لئے افضلیت عقائد کا مسئلہ ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہیں تو افضلیت کے لئے دو چیزوں کی بنیادی ضرورت ہوتی ہے (۱) اس وصفِ کمال کو صاحبِ کمال میں ثابت کیا جائے۔ (۲) دوسروں سے اس وصفِ کمال کی نفی ثابت کی جائے اور دونوں پہلوؤں کے لئے دلائل قطعیہ درکار ہوں گے۔ (ملخصاً فتاویٰ رضویہ 580/5)

نیز شریف جرجانی نے اپنی کتاب شرح مواقف صفحہ 404/8 پر اس امر کی تصریح کی ہے کہ افضلیت مسئلہ عقیدہ کا ہے جس میں دلیل ظنی قابل قبول نہیں ہوگی:

واعلم ان مسئلة الافضلية لامطمع فيها فى الجزم واليقين، اذلادلالة للعقل بطريق الاستقلال على الافضلية بمعنى الاكثرية فى

الثواب بل مستندها النقل، وليسة هذه المسئلة مسئلة يتعلق بها عمل فيكتفى فيها بالظن الذى هُوَ كافٍ فى الاحكام العملية بل هى مسئلة علمية يطلب فيها اليقين. والنصوص المذكورة من الطرفين بعد تعارضها لاتفيد القطع على مالايخفى على منصف، لانهاباسرها اما احاد اوظنية الدلالة مع كونها متعارضه ايضاً وليس الاختصاص بكثرة اسباب الثواب موجباً لزيادته قطعاً بن ظنا، لان الثواب تفضل من الله كما عرفته فيما سلف فله ان لايثيبَ المطيع و يثيبَ غيره وثبوت الامامة وان كان قطعيا لايفيد القطع بالا فضلية بل غايته الظن.

ترجمہ: یہ بات جان لیں مسئلہ افضلیت میں یقین وجزم کو کوئی دخل نہیں کیونکہ عقل کے لئے مستقل طور پر افضلیت کے لئے کوئی راہنمائی نہیں ملتی اکثریت ثواب کے معنی میں۔ بلکہ ثبوت اس کا صرف نقل ہے اور یہ مسئلہ ایسا نہیں (یعنی مسئلہ افضلیت) جو عمل سے تعلق رکھتا ہو جس میں ظن کو بھی کافی سمجھا جائے، جو کہ احکام عملیہ میں (فی الواقعہ) کافی ہوتا ہے بلکہ یہ مسئلہ علمیہ ہے جس میں یقین کی ضرورت ہوتی ہے)۔

اور جو نصوص دونوں طرف سے مذکور ہوتی ہیں، باہمی ٹکراؤ کے بعد، قطعیت کا فائدہ نہیں دیتیں جیسا کہ یہ حقیقت ایک منصف مزاج پر مخفی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ (ساری نصوص) یا اخبارِ واحدہ ہیں یا ظنیت الدلالت ہیں باوجود متعارض ہونے کی بھی، اور ثواب کے اسباب کی کثرت کے ساتھ مختص ہونا (فضل کی) زیادتی کا موجب ہونا قطعی امر نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ کیونکہ ثواب اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جیسا کہ تمہیں گزشتہ تفصیلات سے پتہ چل چکا ہے سو (اللہ تعالیٰ) کو حق حاصل ہے کہ وہ مطیع کو ثواب نہ دے اور غیر کو

ثواب عطا فرمادے اور امامت (خلافت) کا ثبوت اگرچہ قطعی ہے مگر وہ افضلیت میں قطعیت کا فائدہ نہیں دیتا بلکہ اُس (افضل ہونے) کی انتہا ظن ہے۔

اس مختصر مقدمہ سے یہ امر واضح ہو گیا کہ فضیلت کتاب الفضائل کی چیز ہے جس میں دلیل ظنی بھی قابل قبول ہے بشرطیکہ قواعد شرع میں سے کسی سے بھی متصادم نہ ہو، مگر اُس کے مقابلے میں افضلیت عقیدہ کا مسئلہ ہے جس میں کوئی بھی دلیل ظنی قابل قبول نہیں ہوگی۔

حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''الاتقان فی علوم القران'' ج ا ص ۳۱ پر الاتقی پر تبصرہ فرماتے ہوئے لکھا ہے یہ آیات بالاجماع حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی شان میں نازل ہوئی ہیں اور ان آیات میں آپ ہی کو اتقی کہا گیا ہے یہ ان کی دلیل افضلیت ہے۔ اس جگہ انہوں نے سببِ نزول کو وجہ اختصاص قرار دیا ہے جو کہ علمائے تفسیر کے نزدیک سخت محل کلام ہے۔ جس پر آئندہ صفحات میں تفصیلی بحث ہونے والی ہے۔ اور شانِ نزول میں خصوص سبب مدارِ حکم نہیں ہوتا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوتا ہے، خصوصاً جبکہ حکم مشتق پر لگے تو مندرجہ ذیل قواعد حرکت میں آئیں گے۔

سب سے پہلا قاعدہ جو حرکت میں آتا ہے وہ یہ ہے کہ جب حکم مشتق پر لگے تو مادہ اشتقاق علت حکم ہوتا ہے اب اس قاعدے کو اس آیت پر جاری کرتے ہیں۔ الاتقی، تقویٰ کے مادہ سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔ چونکہ جہنم سے بچائے جانے کا حکم ''الاتقی'' پر لگا ہے جس کا مادہ اشتقاق تقوی ہے۔ اب علت حکم تقوی ہوگا اور وہ عام ہے جو سارے صحابہ میں پایا جاتا ہے لہٰذا اس آیت مبارکہ کی روشنی میں یہ

کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سارے صحابہ کو جہنم کی آگ سے بچائے گا اور یہی عقیدہ جملہ اہلسنت کا ہے۔

علامہ بیضاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 685ھ) بیضاوی شریف صفحہ 4 پر ''اَلحمدللہ رب العلمین'' کی تفسیر میں ایک قاعدہ نقل فرماتے ہیں ''فان ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلّیتہٖ لہ'' کسی حکم کا کسی وصف پر مرتب ہونا یہ بات بتاتا ہے کہ وہ وصف اُس حکم کی علت ہے، یعنی وہ وصف پایا جائے تو حکم بھی پایا جائے گا جس کو علماء کرام کی زبان میں ''دلالۃ النص'' کہا جائے گا اور انگریزی میں اس کو (Ratiodecidandi) کہا جائے گا۔

امام جلال الدین سیوطی نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کرنے کے لئے جو استشہاد کیا ہے وہ ناکافی ہے کیونکہ کسی کے حق میں کوئی آیت یا آیات نازل ہونا سبب تخصیص نہیں ہوتا جب تک کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہو۔

علامہ زرقانی (محمد عظیم زرقانی مدرس علوم القرآن وعلوم الحدیث تخصیص الدعوۃ والارشاد) اپنی کتاب ''مناہل العرفان فی علوم القرآن'' 18/1 پر تحریر فرماتے ہیں ''ذھب الجمھور الی ان الحکم یتناول کل افراد اللفظ، سواء منھا افراد السبب وغیرافراد السبب ولنضرب لک مثلا''

ترجمہ: جمہور کا یہ مذہب ہے کہ کسی لفظ کے مدلول کے جتنے افراد ہوتے ہیں، حکم ان سب پر مشتمل ہوتا ہے۔ اُس میں افرادِ سبب یا غیرِ افرادِ سبب سبھی برابر ہوتے ہیں ان کی مثالیں ہم آپ کو بتاتے ہیں)

امام بدرالدین زرکشی بھی اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن''

ج ا ص ۲۴ میں مثال دیتے ہیں اور علامہ زرکشی مزید کہتے ہیں: **قدجاء ت آیات فی مواضع اتفقوا علی تعدیتها الی غیر اسبابها کنزول آیة الظهار فی سلمه بن صخرو آیت اللعان فی شان هلال بن امیه ونزول آیة حدالقذف فی رماة عائشة ثم تعدی الی غیر هم.**

ترجمہ: بہت سارے مقامات میں بہت ساری آیات آئی ہیں جن کے غیر اسباب کی طرف بڑھنے پر لوگوں نے (اہل علم نے) اتفاق کیا ہے جیسا کہ سلمہ بن صخر نے اپنی بیوی کے ساتھ ظہار کیا یعنی اپنی بیوی کی پشت کو حرمت میں اپنی ماں کی پشت سے تشبیہ دی پھر کسی وجہ سے ان سے ضبط نہ ہو سکا اس سے اختلاط جنسی کر لیا، حکم کفارۂ ظہار آ گیا اب کفارۂ ظہار کا حکم جناب سلمہ بن صخر سے خاص رہے گا یا ہر مسلمان کے لئے وہی حکم ہوگا جو حضرت سلمہ بن صخر کے لئے تھا؟ اب جملہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ اس میں جناب سلمہ بن صخر کا نام نہیں لیا گیا بلکہ اُس کی قسم کا نام لیا گیا لہٰذا یہ حکم ہر اس فرد کے لئے عام ہوگا جو اس قسم میں آئے گا۔

علامہ بدرالدین زرکشی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی 794ھ) البرہان فی علوم القرآن 24/1 پر تحریر فرماتے ہیں (جس کا ترجمہ یہ ہے): آیت لعان ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کے بارے میں (جس کا ذکر **والذین یرمون ازواجهم** میں موجود ہے) نازل ہوئی یعنی جو شخص اپنی نکاحی بیوی کو بدکاری کی تہمت دے اور گواہ اس کے پاس موجود نہ ہوں تو دونوں پر لعان آئے گا۔ اب دریافت طلب امر یہ ہوگا کہ کیا حکم ہلال رضی اللہ عنہ بن امیہ کے ساتھ ہوگا جو اس آیت کا شانِ نزول ہیں یا ہر اس شخص کے لئے یہ حکم عام ہوگا

جو یہ کام کرے (یعنی خصوص سبب کا اعتبار ہوگا یا عموم لفظ کا؟) جملہ اہل اسلام کا اتفاق ہے کہ اس میں عموم لفظ کا اعتبار ہوگا خصوص سبب کا نہیں۔

نیز جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی گئی جس کا ذکر "الذین یرمون المحصنات" میں موجود ہے یعنی جو شخص کسی پاکدامن خاتون کو بدکاری کی تہمت دے اور چار شہادتوں سے ثابت نہ کر سکے تو اس پر حد قذف آئے گی یعنی اُسے اسی (۸۰) درے مارے جائیں گے۔ تو اب قابل غور بات یہ ہوگی کہ کیا حد قذف صرف حضرت سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے تہمت دہندگان کو لگائی جائے گی یا کہ قیامت تک جو بھی اس امر قبیح کا ارتکاب کرے گا اس کو بھی یہی حد لگائی جائے گی؟ یقیناً اہل اسلام کا متفقہ عقیدہ ہے کہ جملہ قاذفین کو قیامت تک ویسی ہی حد لگائی جائے گی اس میں جناب سیّدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے قاذفین کی خصوصیت نہیں یعنی خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار ہوگا۔

سائل کا سوال اور اس کا جواب

سائل کا سوال ہے کہ عموم لفظ کا اعتبار اس وقت ہوگا جبکہ کوئی قرینہ صارفہ موجود نہ ہوگا۔ یہاں قرینہ صارفہ موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت بلال حبشی ﷺ اور دیگر چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رائج الوقت قانون کے مطابق غلام تھے اور مسلمان ہونیکی وجہ سے انہیں اذیت پہنچائی جاتی تھی حضرت ابوبکر صدیق ﷺ نے انہیں اپنے پیسے سے خرید کر آزاد فرما دیا تو اس کے بعد اُن کی شان میں یہ آیات نازل ہوئیں جس سے پتہ چلا کہ بیان عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اُن کے اوصاف مبارکہ پر حکم مرتب ہوگا عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا۔

جواباً عرض ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا نام لے لیا گیا ہوتا یا اُن کے کسی عمل کی تخصیص کی گئی ہوتی اور اُن کے ایسے اوصاف بیان کئے گئے ہوتے جو کسی دوسرے کے لئے ممکن نہ ہوتے تو احتمال تخصیص تھا مگر جب حکم اوصاف پر لگایا گیا تو اُن اوصاف کو علتِ حکم مانا جائے گا۔

جیسا کہ اصولیوں کا عام قاعدہ ہے کہ جب حکم مشتق پر لگے تو مادہ اشتقاق علتِ حکم ہوتا ہے چونکہ یہاں حکم مشتق پر لگایا گیا ہے لہٰذا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے یہ حکم مختص نہیں ہوگا بلکہ ہر وہ شخص جو ان صفات سے موصوف ہوگا وہ اس حکم کا محکوم علیہ ہوگا۔

تطبیق عملی

تطبیق عملی یہ ہے کہ "سیجنبها الاتقی" فرمایا گیا، جس کا معنی ہے کہ اس نارِ جہنم سے "الاتقی" کو بچایا جائے گا، جہنم سے بچائے جانے کا حکم "الاتقی" پر لگایا گیا ہے جو مشتق ہے (یعنی صیغہ اسم تفضیل کا ہے) اور اس کا مادہ اشتقاق تقویٰ ہوگا جو علّتِ حکم ہوگا، حاصل یہ کہ جس میں تقویٰ پایا جائے گا اُس کو جہنم کی آگ سے بچایا جائے گا۔ چونکہ تقویٰ ہر مسلمان کے لئے عام ہے لہٰذا یہ حکم ہر مسلمان کے لئے عام ہے، کوئی وجہ خصوصیت نہیں۔

علامہ بیضاوی متوفی 685ھ نے بیضاوی صفحہ 4 پر "رب العلمین" کی تفسیر کر کے فرمایا ہے۔ "فانِ ترتب الحکم علی الوصف یشعر بعلیّة له" "حکم کا وصف پر مرتب ہونا اس بات کی نشان دہی کرتا ہے کہ وہ وصف اُس حکم کے لئے علت کا درجہ رکھتا ہے۔ یہاں جہنم سے بچائے جانے کے حکم کو "الاتقی" پر مرتب کیا گیا ہے جس

سے ثابت ہوتا ہے کہ ''الاتقی'' ہونا علت ہے جہنم سے بچنے کی، چونکہ الاتقی ہونا ہر مومن کے لئے ممکنات میں سے لہٰذا جہنم سے بچائے جانے کا حکم جناب ابوبکر صدیق ﷜ سے مخصوص نہیں ہوگا بلکہ ہر مسلمان کے لئے عام ہوگا۔

سائل کا بڑا علمی سوال

علامہ جلال الدین محلی جو جلالین کے آخری حصے کے مصنف ہیں اور امام جلال الدین سیوطی کے اُستاد ہیں، نے لکھا ہے کہ ''الاتقی'' میں ''الف لام'' عہدی ہے اور معہود حضرت ابوبکر صدیق ﷜ ہیں (مناہل الفرقان فی علوم القرآن (117/1)

اسی سوال کی تائید میں ایک دوسرا سوال

علامہ جلال الدین سیوطی 911ھ ''الاتقان فی علوم القرآن'' صفحہ 31/1 پر تحریر فرماتے ہیں:۔''سیجنبها الاتقی الذی یوتی ماله یتزکی الخ، فانها نزلت فی ابی بکر الصدیق بالاجماع فاِن هذه الاية ليس فيها صيغة عموم''اذاالالف و اللام، انّماتفيدالعموم اذا كانت موصولةً اومعرّفةَ جمع زاد قوم اومفرد بشرط ان لايكون هناک عهد واللام فی الاتقی لیست موصولةً لانهالاتوصل بافعل التفضيل اجماعاً والاتقی ليس جمعًا بل هومفرد والعهد موجود خصوصاً مع مايفيده صيغة افعل من التمييزوقطع المشاركة فبطل القول بالعموم وتعين القطع والقصر على من نزلت فيه رضی الله عنه:

ترجمہ: ''سیجنبها الاتقی'' والی آیت حضرت ابوبکر صدیق ﷜ کے حق میں

بالاجماع نازل ہوئی ہے۔ سو یہ آیت، اس میں کوئی صیغہ عام کا معنی دینے والا نہیں ہے کیونکہ ''الف لام' عام ہونے کے معنی صرف اس وقت دیتا ہے جبکہ یہ (الف لام) موصولہ ہو (یعنی اسم فعل یا اسم مفعول کے اول میں آئے جبکہ یہ دونوں صیغے حدوث کے معنی دیتے ہوں اور وہ الف لام اجماعاً اسم تفضیل کے اول میں نہیں آتا اور لفظ ''الاتقی'' جمع بھی نہیں بلکہ وہ مفرد ہے اور عہد بھی موجود ہے خصوصاً اس کے ساتھ ساتھ صیغہ اسم تفضیل تمیز اور قطعِ مشارکت کے معنی دیتا ہے۔ پس عموم کا قول باطل ہو گیا اور خصوصیت قطعی ہو گئی۔ اور جن کے حق میں یہ آیات نازل ہوئیں ان کے حق میں قصر ثابت ہو گئی (یعنی ان آیات کے مدلولات صرف اسی ذات والا صفات ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں مقصور ہو گئے ان کے سوائے دوسرے کے لئے ان صفات و آیات کا استعمال درست نہیں ہوگا۔

جواباً عرض ہے: سب سے پہلے تو جلال الدین محلی جو کہ علامہ سیوطی کے اُستاد ہیں بحوالہ محمد عظیم زرقانی ''مناہل الفرقان فی علوم القرآن'' کے سوال کا جواب مطلوب ہے ''الاتقی'' پر 'الف لام' عہدی ہے۔

علامہ جلال الدین محلی کی وہ اپنی تحریر جو جلالین شریف کے آخری پندرہ پاروں کی صورت میں موجود ہے دیکھیں گے کہ آیا انہوں نے ''الف لام عہدی کا ترجمہ کیا ہے یا الف لام استغراقی کا؟ آپ اسی آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں:

والایة تشمل من فَعَلَ مثل فعله رضی الله عنه فیبعد عن النار ویثاب ۔ (جلالین شریف 276/4 مصنفہ جلال الدین محلی) ترجمہ: یہ آیت

ہر اس آدمی کو شامل ہے جو اُن کا سا کام کرے، پس اس کو آگ سے دور رکھا جائے گا اور اس کو ثواب دیا جائے گا (یعنی اس میں کسی شخص کی خصوصیت نہیں)۔

یہاں جلال الدین محلی نے الف لام عہدی کا ترجمہ نہیں کیا بلکہ الف لام استغراقی کا ترجمہ کیا ہے (یعنی یہ الف لام استغراقی ہے جو بتاتا ہے کہ اس صفت کے جتنے بھی افراد ہیں یہ "الف لام" ان سب کو گھیرتا ہے اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں)

''الف لام'' عہدی پر شرح وبسط سے بحث آ رہی ہے۔ چونکہ ''الف لام'' عہدی علامہ جلال الدین سیوطی کا بنیادی محل استدلال ہے لہٰذا قدرے تفصیل سے اس پر بحث آ رہی اور اُسے بعد میں رکھا گیا ہے، سر دست یہ سمجھنا ضروری ہوگا کہ علامہ سیوطی کا اس آیت کے نزول کے بارے میں دعویٰ اجماع کہاں تک صحیح ہے؟

ایسے لگتا ہے کہ جوں جوں وقت گزرتا گیا لفظ ''اجماع'' اپنے اصلی معنی سے محروم ہوتا چلا گیا۔ لیجئے دعویٰ اجماع کی تصدیق کے لئے سب سے پہلے امام ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر ''تاویلات اہل السنۃ'' 555/10 ملاحظہ ہو:

قال بعضهم نزلت هذه الاية هی قوله عزوجل "مالاحد عنده من نعمة تجزی" فی ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ. وقال بعضهم هذه الاية فی ابی الدحداح رضی اللہ عنہ

ترجمہ: بعض نے کہا کہ یہ آیت جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی اور بعض نے کہا یہ آیت ابودحداح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔

امام ابومنصور ماتریدی جن کا سن وفات 333ھ ہے اور جملہ احناف جن کو عقیدہ میں اپنا امام مانتے ہیں چوتھی صدی کی پہلی چوتھائی تک اُن کے نزدیک تو یہ مذہب بعض کا تھا۔ بعض کے نزدیک یہ آیات جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں

نازل ہوئی تھیں اور بعض کے نزدیک جناب ابودحداح رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔ اجماع نے کتنی ترقی کی جو چیز چوتھی صدی کے اوائل تک تو مذھب بعض تھی وہ دسویں صدی کے اوائل تک اجماعی بن گئی ہے۔ میں اور کسی سے تو کچھ نہیں کہوں گا لیکن حنفی لوگوں سے ضرور احتجاجاً عرض کروں گا کہ لفظ اجماع کا اشاعرہ کی تقلید میں اس قدر بے دردانہ استعمال نہ کریں۔

الف لام عہدی کے بعد جلد ہی یہ بحث آجائے گی کہ کیا شان نزول سبب تخصیص بن سکتا ہے بغیر کسی قرینہ صارفہ کے؟ اس پر پہلے بھی چند گزارشات آچکی ہیں۔

یہ بات بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ان آیات مبارکہ کے بارے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہونے پر اجماع کا دعویٰ خود اشاعرہ کے نزدیک بھی باطل ہے: **سیجنھا الاتقی الذی یوتی مالہ الخ فالجمھور علی انھانزلت فی ابی بکر رضی اللہ عنہ**: شرح المقاصد 298/2 مصنفہ امام سعد الدین مسعود بن عمر بن عبداللہ تفتازانی متوفی 795/791ھ)۔ ترجمہ: یہ آیات جمہور کے نزدیک جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔

آپ نے ملاحظہ فرمایا ہوگا کہ ابومنصور ماتریدی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک ان آیات کا نزول دربارہ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مذھب بعض ہے۔ علامہ تفتازانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مذھب جمہور ہے۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی ہے، ستم ظریفی کی انتہاء ہے کہ "اجماع" اسلام میں جو تیسرا مصدر قانون ہے اُس کو اس بیدردی سے استعمال کرنا شروع کر دیا گیا ہے کہ سننے والے کا اعتماد ہی مجروح ہو جاتا ہے۔

نیز علامہ سیوطی کا دعویٰ ہے کہ اس میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں بلکہ شان نزول سے اس کی تخصیص ہوگئی۔ لیجئے اس پر مفسرین کے نکتہ ہائے نگاہ ملاحظہ فرمائیے۔ جس سے صیغہ عموم کا بھی پتہ چل جائے گا نیز آیات کی تخصیص کا بھی پتہ چل جائے گا۔

علامہ سیوطی کے قول ''ان آیات میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں'' کا جواب

☆ والایة تشمل من فعل مثل فعلہٖ رضی اللہ عنه فیبعد عن النار ویثاب (جلالین صفحہ 276/4 پر حاشیہ صاوی مصنفہ جلال الدین محلی)

صیغہ عموم کو ثابت کرنے کے لئے جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے اُستاد جلال الدین محلی کا حوالہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ یہ حصہ جلال الدین محلی کا لکھا ہوا ہے اور فاتحہ سے لے کر نصف قرآن تک جلالین شریف علامہ جلال الدین سیوطیؒ کی لکھی ہوئی ہے لہٰذا اس حصے کو امام جلال الدین سیوطی کی ذاتی تحریر پر بھی بالادستی حاصل ہے اور چونکہ اس کی تدوین وتحریر کا کام بھی علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے کیا ہے لہٰذا اس حصے کو علامہ سیوطی کی تائید بھی حاصل ہے۔ یہاں جلال الدین محلی کی تحریر کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیے:

ترجمہ: یہ آیت ہر اس آدمی کو شامل ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے سے کام کرے (جو بھی اُن کے سے کام کریگا) اُسے آگ سے دور رکھا جائے گا اور ثواب دیا جائے گا۔

اس میں یہ امر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ اِن آیات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کی کوئی خصوصیت نہیں بلکہ یہ حکم وصف پر مرتب ہونے کی وجہ سے ہر

صاحب وصف کیلئے عام ہے جب بھی کبھی کسی میں وہ وصف پایا جائے گا اس کو اس طرح کا اجر ملے گا۔

☆ اسی نوعیت کا دوسرا حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

تتناول الایة غیر هما من الاشقیاء والاتقیاء بالتبعیة ازلاعبرة بخصوص السببیه. وان کان المراد اعم فان اریدیهم الشقی و التقی فلا اشکال ایضاً. (تفسیر نیشا پوری صفحہ 512/6 مصنفہ علامہ نظام الدین الحسن بن محمد بن حسین القمی النیشا پوری متوفی 728ھ)

ترجمہ: آیت اُن دونوں (امیہ بن خلف و جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ) کے سوائے بھی دوسرے اشقیاوانقیاء کو بالتبع لیتی ہے اس لئے کہ خصوص سبب کا لحاظ نہیں اگر مراد اعم ہو تو اگر ان دونوں سے شقی وتقی مراد لے لی جائے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

یعنی نظام الدین نیشا پوری کے نزدیک اشقی (جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے) سے صفت مشبہ کا صیغہ ''شقی'' مراد لیا جائے اور اس طرح ''اتقی'' سے جو صیغہ اسم تفضیل کا ہے، تقی جو صیغہ صفت مشبہ کا ہے مراد لے لیا جائے تو کوئی مضائقہ نہیں اور دیگر مفسرین نے بھی یہی لکھا ہے۔ تفسیر روح البیان، تفسیر مدارک، تفسیر طبری، تفسیر قرطبی، سب نے اتقی بمعنی تقی لکھا ہے یعنی بجائے صیغہ اسم تفضیل کے سب نے صیغہ صفت مشبہ کا معنی کیا ہے۔ اب شرکت قبول نہ کرنے کے لئے تو صیغہ اسم تفضیل چاہیئے ہوگا۔ یہ صیغہ جات مصروف الظاہر ہیں یعنی ان کے معنی اسم تفضیل والے نہیں

ہوں گے بلکہ صفت مشبہ والے ہوں گے۔ انشاء اللہ کچھ صفحات کے بعد اتقی بمعنی تقی اور اشقی بمعنی شقی ہونے پر اور مصروف الظاہر ہونے پر علمائے عقائد کی توجیہات اور عبارات بھی پیش کی جائیں گی۔

☆ ''علامہ سیوطی کے اس قول کا جواب کہ اِن آیات میں کوئی صیغہ عموم کا نہیں بلکہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے''

''سیجنبھا الاتقی یعنی یباعد عنھا الاتقی المتقی، الذی یتقی الشرک'' (تفسیر سمرقندی، بحر العلوم، مصنفہ الفقیہہ الزاہد ابی اللیث سمرقندی)

ترجمہ: اسے (نارجہنم) سے دور رکھا جائے گا جو اتقی بمعنی متقی ہے جو شرک سے بچے گا۔

امام ابواللیث سمرقندی قدماء میں سے ہیں جبکہ قوم کے دانشور مقامی تعصب سے متاثر نہیں ہوئے تھے وہ لکھتے ہیں کہ ''الاتقی'' بمعنی متقی ہے جو اشتراک کو قبول کرتا ہے''

''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' کی تحقیق

بعض بزرگانِ دین نے لکھا ہے ''الاتقی'' صیغہ اسم تفضیل کا ہے یہ صفت مشبہ کے لئے کیسے استعمال ہوسکتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ جن مفسرین کا اجماع سبب نزول کے حوالے سے آپ نے پیش فرمایا ہے آپ ذرا نگاہ عنایت فرمائیں اور دیکھیں کہ ان میں سے ہر ایک نے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' لکھا ہے یعنی اسم تفضیل کو صفت مشبہ کے معنی میں استعمال کیا ہے کہ نہیں؟ جس جس نے شان نزول کا سبب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو بتایا ہے اُن میں سے ہر ایک نے ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' بتایا ہے اس کی کیا وجہ ہے کہ سبب نزول برائے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پر

اجماع تسلیم ہو گیا مگر ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' پر اجماع تسلیم نہیں ہوا؟ یہ تو سراسر آنکھوں پر پٹی باندھنے والی بات ہے۔

جس طرح اس آیت کے سبب نزول پر بقول تمہارے اجماع ہے یا بقول ہمارے کثرت رائے ہے اس طرح ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' پر اجماع یا کثرت رائے یعنی جس جس نے اس آیت کے دربارۂ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نازل ہونا تسلیم کیا ہے اُس نے ''الاتقی'' کا ''تقی'' کر کے واضح کر دیا کہ یہ حکم جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مختص نہیں بلکہ یہ حکم عام ہے جس طرح سبب نزول میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا ہونا جمہوری یا اجماعی ہے اس طرح اس کا حکم ہر مسلمان کے لئے جمہوری یا اجماعی ہے۔

وہ علماء تفسیر جنہوں نے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' کیا ہے:

(۱) سب سے پہلے تو جلالین کو ہی لیں گے ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' (جلالین 275/4)

(۲) "الاشقی" بمعنی "شقی" وھو الکافر "والاتقی" بمعنی "التقی" وھو المومن (تفسیر مدارک 813/2 مصنفہ امام عبداللہ بن احمد بن محمود نسفی متوفی 701ھ) امام نسفیؒ نے ''الاشقی'' سے شقی مراد لے کر ہر کافر مراد لیا ہے اور ''الاتقی'' سے ''تقی'' ہر مومن مراد لیا ہے، ''الاشقی'' سے کوئی خاص کافر مراد نہیں اسی طرح ''الاتقی'' سے کوئی خاص مومن مراد نہیں بلکہ ہر مومن مراد ہے۔

(۳) اسی طرح امام طبری نے اپنی تفسیر ابن جریر طبری میں ''الاتقی'' کا معنی تقی کیا ہے

(۴) امام اسمٰعیل حقی آفندی نے تفسیر روح البیان میں ''الاتقی'' کا ترجمہ ''تقی'' کے ساتھ کیا ہے۔

(۵) امام قرطبی نے بھی اپنی تفسیر میں ''الاتقی'' کا ترجمہ ''تقی'' کیا ہے۔

(٦) امام سمرقندی نے "(سیجنبها الاتقی)" یعنی یباعدعنها الاتقی یعنی "المتقی"۔ "الاتقی" کا ترجمہ اسم فاعل سے کیا ہے۔

(٧) "فاِن اریدبهم الشقی و التقی فلااشکال ایضاً. ترجمہ: اگر الاشقی، "والاتقی" سے شقی وتقی مراد لے لی جائے تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں۔

اس کی وجہ سمجھ میں آنی چاہئے کہ جب مفسرین کرام کے سبب نزول پر جمہور کے جمع ہونے سے اجماع ہو گیا تو ان سبھی کے "الاتقی" بمعنی تقی لکھنے سے "الاتقی" بمعنی تقی پر اجماع کیوں نہیں ہو گیا؟ اس کا مطلب یہ ہوا کہ حقائق پر فیصلے نہیں ہوتے بلکہ اپنی مرضی کے سودے ہیں کہ جو چاہا فیصلہ کر لیا۔

مگر یاد رکھیں کہ سبب نزول پر اتفاق ہونے سے تو صرف یہی فائدہ ہوگا کہ سبب نزول کو مضمون آیت سے خارج نہیں کیا جا سکتا خواہ اجماع اُمّت ہی کیوں نہ ہو جائے مگر جہاں تک "الاتقی" بمعنی "تقی" کا تعلق ہے اس میں تو جمہور کی رائے بقول تمہارے اجماع ہو جائے تو حکم کی تخصیص برائے شخص واحد بالکل ممنوع ہو جائے گی، تخصیص کسی بھی طرح ثابت نہیں ہو پائے گی یعنی "الاتقی" بمعنی "تقی" پوری اُمت کے اتقیاء کے لئے عام ہو جائے گا۔

علماء عقائد کی آراء ملاحظہ فرمائیے

مولانا عبدالعزیز پرہاروی اپنی کتاب "نبراس" شرح "شرح عقائد" صفحہ 358 پر لکھتے ہیں: هذا النصوص متروکة الظواهر۔ اِن آیات کے ظاہری معنی ترک کر دیئے گئے ہیں۔

اس ابہام کی وضاحت علامہ نسفی متوفی 710ھ نے اپنی تفسیر مدارک صفحہ 813/2 پر یوں فرمائی "قال ابو عبیدہ :اَلاشقی بمعنی شقی والاتقی بمعنی تقّی وھوالمؤمن لانہ لایختص بالصلی اشقی الاشقیاء ولابالنجاہ اتقی الاتقیاء : ترجمہ: الاشقی کے معنی شقی ہیں اورالاتقی بمعنی تقی ہیں اور وہ (ہر) مؤمن ہے کیونکہ (جہنم) میں داخل ہونا سب سے بڑے بدبخت کے ساتھ خاص نہیں اور نہ ہی بچ جانا سب سے بڑے متقی کے ساتھ مخصوص ہے۔

امام نسفی ایک اعتراض خودوارد فرماتے ہیں اوراس کا جواب ارشادفرماتے ہیں: وِان زعمت اَنّہ نکرالنار فارادناراً مخصوصةً بالاشقی فما تصنع بقولہ"سیجنبھاالاتقی" لان التقی یجنب تلک النار المخصوصةَ لاالاتقی منھم خاصةً (تفسیرمدارک813/2)ترجمہ:اگرتو یہ گمان کرے کہ اس (اللہ تعالیٰ) نے "نار" کونکرہ بنایا تو اُس نے ایک مخصوص مرادآگ لی ہے جو کہ سب سے بڑے بدبخت کے ساتھ مخصوص ہے پھرتم اس قول باری تعالیٰ کے کیا معنی کروگے:"سیجنبھا الاتقی" کیونکہ اس نارمخصوصہ سے ہرمتقی کو بچایا جائے گا نہ کہ ان میں سے سب سے بڑی متقی کوخصوصاً بچایا جائے گا۔

امام نسفی جو کہ صاحب "کنز" بھی ہیں بایں معنی وہ فقیہہ بھی ہیں اوراصول فقہ میں "منار" بھی انہی کی کتاب ہے اوراُس کی شرح بھی انہوں نے خودلکھی بایں وجہ وہ درجہ اجتہاد کو بھی پہنچتے ہیں، انہوں نے "الاشقی" بمعنی "شقی" اور "الاتقی" بمعنی "تقی" لکھا ہے جوعلی وجہ البصیرت ہے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر اَشقی بمعنی شقی نہ کیا جائے تو یہ خرابی لازم آتی ہے کہ وہ جہنم کی آگ صرف سب سے بڑے بدبخت کو جلائے گی اور سب سے بڑا بدبخت کافر ہی ہوسکتا ہے۔ تو حاصل معنی یہ ہوگا کہ کافر کے سوا جہنم میں کوئی نہیں جائے گا یعنی کسی گنہگار کو جہنم میں جانا نہیں پڑے گا۔ حالانکہ ایک گنہگار مسلمان نے اگر گناہوں سے توبہ بھی نہ کی اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شفاعت بھی نہ فرمائی اور فضل الٰہی بھی نہ ہوا تو اُس کو بھی جہنم کی آگ میں جلنا ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ رکھا جائے کہ سوائے کافر کے کوئی بھی جہنم میں نہیں جائے گا تو یہ عقیدہ مرجئہ کا ہے جس کو اہل السنّت نے بری طرح سے مسترد کیا ہے۔ لہٰذا علمائے اہل سنت نے اس جگہ ''الاشقی'' کا ترجمہ ''شقی'' سے کیا جس کا مطلب ہوگا کہ آگ میں جلنا کفار کی خصوصیت نہیں بلکہ کافر بھی اور مومن مذکور بالا بھی جہنم میں جلے گا جو اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

اس طرح علمائے اہل سنت نے ''الاتقی'' کا معنی ''تقی'' کیا ہے کیونکہ اگر ''الاتقی'' کا معنی ''الاتقی'' ہی رہے تو معنی یہ ہوں گے کہ جہنم کی آگ سے صرف وہی دور رکھا جائے گا (بچایا جائے گا) جو سب سے بڑا پرہیزگار ہوگا باقی جو چھوٹے درجے کے پرہیزگار ہوں گے (یعنی متقی ہوں گے) وہ آگ میں ڈالے جائیں گے، یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے اہل سنت کا نہیں ہے، اس لئے ''الاتقی'' کا معنی تقی کیا گیا اس تاویل سے اہل السنّت نے جملہ مرجئہ اور معتزلہ کا رد کیا ہے۔

نیز یہ کہنا کہ ''صیغہ اسم تفضیل کا بمعنی صفت مشبہ استعمال نہیں کیا جاسکتا'' یہ بھی قلت اطلاع کی بات ہے ورنہ اس کی مثالیں جملہ اہل علم کے نزدیک مسلمہ ہیں۔

سیّد محمود آلوسی بغدادی خالدی نقشبندی مجددی رحمۃ اللہ علیہ اپنی تفسیر ''روح المعانی'' 151/30 پر خامہ فرسا ہیں:

''قیل فی الجواب ان المراد ''بالاشقی والاتقی'' ''الشقی والتقی'' و شاع افعل فی مثل ذالک وفیه قول طرفه:

تمنی رجال اَن اَمُوتَ فاِن اُمُت

فتلک سبیل لست فیھا باوحد

ترجمہ شعر: (لوگ چاہتے ہیں کہ میں مرجاؤں، سو اگر میں مرجاؤں تو یہ ایک ایسا راستہ ہے جس میں میں اکیلا نہیں ہوں)

اس جگہ شاعر نے اوحد بمعنی ''واحد'' ''یعنی اسم فاعل مراد لیا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ اسم تفضیل کو اسم فاعل کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے۔

الحاصل اگر ''الاشقی'' اور ''الاتقی'' سے الشقی اور التقی مراد لیا گیا ہے تو یہ عقلاً اور نقلاً درست ہے۔ یہی موقف امام طبری اور امام قرطبی نے پیش کر کے یہی شعر بطور مثال پیش فرمایا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ایسا کرنے میں نہ ہی کوئی عقلی استحالہ ہے اور نہ ہی نقلی استحالہ ہے یعنی ایسا کرنا بہر طور درست ہے۔

قواعد کی آئینی حیثیت

ایک طبقہ اہل علم کو اس بارے میں سخت احتجاج ہے کہ افعل التفضیل کبھی بھی اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ وضع واضع کے بھی خلاف ہے اور عربی ادب کے استعمال کے بھی خلاف ہے۔

جواباً عرض ہے عربی قواعد میں اسم تفضیل کے تین استعمال ہیں:

(۱) اضافت کے ساتھ (۲) ''من'' کے ساتھ (۳) ''الف لام تعریف'' کے ساتھ

جب اسم تفضیل اضافت ''ومن'' کے بغیر ہو اور معرف باللام ہو اس وقت غیر تفضیل کے لئے استعمال ہوسکتا ہے (اسم فاعل یا صفت کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے)۔

''شرح ابن عقیل'' مصنفہ بہاءُ الدین عبداللہ بن عقیل العقیلی المصری الہمدانی متوفی 769ھ 182/3 پر حوالہ ملاحظہ ہو: ومن استعمال صیغة افعل لغیر التفضیل قوله تعالی: وَهو الذی یبدأُ الخلق ثم یعیده وهواهون علیه (27/30) وقوله تعالی: ربّکم اعلم بکم (54/17) ای: وهو هیّن علیه وربکم عالم بکم:

پہلی آیت میں "اهون" بمعنی هیّن اور دوسری میں ''اعلم'' بمعنی عالم ہے۔ قرآن مجید کی ان دونوں آیات میں صیغہ اسم تفضیل اسم فاعل وصفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے جب قرآن مجید میں اسم تفضیل کے اسم فاعل یا صفت مشبہ کے معنی میں استعمال ہونے کے دو نمونے مل گئے پھر کیا شک باقی رہ گیا؟

اب ایک قولِ شاعر بھی ملاحظہ فرمایئے:

وإن مدّت الایدی الی الزاد لم اکن
باعجلهم اذا جشع القوم اعجل

یہاں اعَجل بمعنی عجل ہے (شرح ابن عقیل صفحہ 182/3)۔

اب جبکہ مفسرین نے ''الاتقی'' بمعنی ''تقی'' کی تائید کردی تو ابہام باقی نہ رہا۔

علامہ جلال الدین سیوطیؒ کے قول کا جائزہ

اب امام سیوطی کے اس قول کا جائزہ لیتے ہیں کہ ''یہ الف لام'' عہدی ہے:

''الف لام'' اپنے گھر میں یا اسمی ہوتا ہے یا حرفی۔ اسمی وہ ہوتا ہے جو اسم فاعل یا اسم مفعول بمعنی حدوث پر آتا ہے، وہ اسم تفضیل پر باجماع نحاۃ نہیں آسکتا۔ چونکہ یہ ''الاتقی'' لفظاً وظاہراً اسم تفضیل ہے لہٰذا اس الف لام کے لئے اسمی ہونا ممکن نہیں ہے۔

دوسرا الف لام حرف تعریف ہوتا ہے اور وہ دو قسم کا ہوتا ہے

(۱) عہدی (۲) جنسی

پھر عہدی کی تین اقسام ہوتی ہیں (۱) عہد ذکری، حسّی یا خارجی۔ اس عہدی کے لئے یہ تین نام استعمال ہوتے ہیں (۲) عہد ذہنی (۳) تیسرا عہد حضوری۔

اب عہد حسی، ذکری، خارجی پر گفتگو کرتے ہیں: یہ الف لام عہد ذکری (خارجی، حسّی) وہ ہوتا ہے (۱) جو اس ماہیت کی طرف اشارہ کرتا ہے جو فرد واحد میں متحقق میں ہوتی ہے اور (۲) خارج میں موجود ہوتی ہے (۳) اور سامع اور متکلم کے درمیان متعین ہوتی ہے (۴) نیز اس کا مدخول پہلے مذکور ہونا بھی ضروری ہوتا ہے اور اس کی علامتِ صحت یہ ہوتی ہے کہ اگر اس کو ہٹا کر اُس کی ضمیر لگا دی جائے تو معنی میں خرابی لازم نہ آئے۔

الف لام عہد ذکری (خارجی، حسّی) کی تطبیق عملی

یہاں تو کوئی فرد واحد سابقہ مذکور نہیں جس میں ''الاتقی'' کی ماہیت متحقق ہو اور خارج میں موجود ہو اور سامع اور متکلم (باری تعالٰی اور جناب رسول کریم صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم) کے درمیان متعین ہو اور معہود کو ہٹا کر اُس کی جگہ اس کی ضمیر لگائی جائے تو کوئی معنوی خرابی لازم نہ آئے اور پہلے بھی اس کا ذکر آیا ہوا ہو چونکہ یہ چار شرائط پورے ہوئے بغیر ''الف لام'' (ا) عہد ذکری (خارجی یا حسّی) قرار نہیں دیا جائے گا چونکہ یہ سارے شرائط بھی مفقود ہیں لہٰذا ''الف لام'' عہد ہونے کا قول باطل ہے۔ بنابریں تخصیص کا قول بھی باطل ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ یہ آیت جس میں ''الاتقی'' واقع ہے جناب ابوبکر صدیقؓ کی تخصیص کا فائدہ نہیں دے سکتی۔

سائل کا سوال

آپ اس ''الف لام'' کو ''مَن'' کی طرف مشیر کیوں نہیں مان لیتے جو ''امّا من اعطی واتقی'' میں آیا ہوا ہے جو کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی طرف اشارہ کررہا ہے اس طرح ''الاتقی'' کی جناب ابوبکر صدیقؓ میں خصوصیت بھی ثابت ہو جائے گی اور پوری اُمت پر ان کی افضلیت بھی ثابت ہو جائے گی۔

جواب:

☆ جواباً عرض ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایسے فرض کر لینے سے مسئلہ حل ہو سکتا ہے مگر مشکل یہ ہے ''الف عہد ذکری'' جس ماہیت کی طرف اشارہ کرتا ہے اس کی وحدت شرط ہے مگر جس کو آپ ''الف لام عہد ذکری'' کا مشار الیہ بنانا چاہتے ہیں وہ ''من'' ہے جو کہ علمائے معانی و بلاغت و علمائے صرف و نحو کے نزدیک کلمہ عام ہے جس کو علمائے اصول نے ''عام و خاص'' کے باب میں سرعنوان ذکر کیا ہے اور معنی عام کی مثال کلمہ ''ما و من'' کو قرار دیا ہے لہٰذا یہ ''الف لام'' جو ''الاتقی'' کے اول میں آیا ہوا

ہے کبھی بھی وحدت کے معنی میں ''من'' کی طرف اشارہ نہیں کرسکتا ہے لہٰذا ''الاتقی'' میں ''الف لام عہد ذکری'' کا قول بھی باطل ہوا۔ بنابریں جناب ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تخصیص کا دعویٰ بلا دلیل ٹھہرا۔

نوٹ: الف لام عہد ذکری کا مدخول ہمیشہ واحد ہوتا ہے (رسالہ لامیہ صفحہ 3)۔ لفظاً بھی اور معنیً بھی اور لفظ ''الاتقی'' جمع معنوی ہے جیسا کہ خود ''جلالین'' میں اس کا ترجمہ کیا گیا ہے۔

☆ عہد کی دوسری اقسام بھی اس پر صادق نہیں آسکتیں کیونکہ عہد کی دوسری قسم ''عہد ذہنی'' ہے۔ یہ لام اشارہ کرتا ہے اس ماہیت کی طرف جو کہ ذہن متکلم میں ایک مفروض فرد میں متحقق ہوتی ہے یعنی وہ فرد واقعہ میں موجود نہیں ہوتا، یہاں تو فرد نہیں بلکہ افراد ہیں اور ذہن متکلم میں نہیں بلکہ خارج میں موجود ہیں جن پر ''امامن اعطی واتقی'' دلالت کررہا ہے لہٰذا یہ ''الف لام'' عہد ذہنی نہیں ہوسکتا جیسا کہ اخاف ان یاکله الذئب وانتم عنه غافلون، میں ہے۔

☆ اسی طرح یہ ''الف لام عہد حضوری'' بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عہد حضوری کا لام شیء مشاہد و حاضر کے لئے ہی استعمال ہوتا ہے جیسا کہ زمانہ حاضر کے معنی والا لفظ ہو مثلاً: ''الیوم اکملتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ واتممت علیکم نعمتی'' یہاں ''الیوم'' مثال ہے (آج کے دن)۔

☆ یا اسمائے اشارات کے بعد جو اسماء واقعہ ہوتے ہیں جیسا کہ جاء نی هذا الرجل (میرے پاس یہ مرد آیا)۔ یہاں ''الرجل'' میں مثال ہے۔

☆ یا کوئی اسم ''ایّ'' کے بعد آجائے مثلاً: یـا ایّھـا الرجل ''(اے مرد) یہاں مثال ''الرجل'' میں ہے۔

☆ یاوقتِ کلام حاضر ہونے والے اسماء پر لام آئے تو عہد حضوری ہوسکتا ہے۔ چونکہ ''الاتقی'' پر کوئی بھی تعریف صادق نہیں آئی لہٰذا یہ ''الاتقی'' عہد حضوری بھی نہیں ہوسکتا کیونکہ عہد حضوری کا خارج میں سابقہ سے کوئی تعلق نہیں ہوتا اور اس آیت میں سابقہ سے تعلق ہے لہٰذا تلاش کرنا پڑے گا کہ یہ ''الف لام'' کس برادری کا ہے؟

اہلِ علم نے ''الف لام'' تعریفی حرفی کی دوقسمیں بتائی (۱) پہلی قسم کا نام عہدی ہے جس کی تینوں اقسام پر گفتگو ہو چکی، جس میں ثابت ہوگیا کہ یہ ''الف لام'' کسی طرح بھی عہدی نہیں ہوسکتا۔ اب رہ گئی ''الف لام'' تعریفی حرفی کی دوسری قسم جس کا نام جنسی ہے، اب اس پر گفتگو کرتے ہیں:

''الف لام'' کی دوسری قسم کا نام جنسی ہے جس کے مدخول سے فرد واحد مراد نہیں ہوسکتا اُس کی بھی تین اقسام ہیں:۔

(۱) قسم اول کا نام استغراقی ہے (یہ جنس کے افراد حقیقت کو گھیرنے کے لئے آتا ہے)

(۲) دوسرے کا نام بھی استغراقی ہے (جو افراد کے خصائص وصفات کو گھیرنے کے لئے آتا ہے)

(۳) الف لام استغراقی کی تیسری قسم تعریف ماہیت کے لئے آتی ہے۔

چونکہ ''الاتقی'' کا ''الف لام'' استغراقی ہے جو اپنے مدخول کے جملہ افرادِ حقیقت کو گھیرنے کے لئے آتا ہے لہٰذا اسی کی تعریف وتطبیق پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

i۔ اس ''الف لام'' کی پہلی شرط ہے، کہ اس ''الف لام'' کو ہٹا کر لفظ ''کل'' کو لگانا درست ہو۔

ii۔ دوسرا اس کے مدخول سے استثناء درست ہو۔

iii۔ جمع کو اس ''الف لام'' کے مدخول کی صفت بنانا درست ہو۔

iv۔ ''افعل التفضیل'' اس کی طرف مضاف کرنا درست ہو۔

دوسری اور پہلی شرط کی مثال: اِنَّ الانسان لفی خسر الاالذین آمنوا یہاں لفظ ''الانسان'' میں ''الف لام'' کو ہٹا کر ''کل'' لگا دیں تو معنی درست ہیں اور اس میں ''الاالذین آمنوا'' میں استثناء والی شرط بھی درست طریقے سے پائی گئی۔ جیسے کہیں: ان کل انسان لفی خسر الا الذین آمنوا۔

تیسری شرط ''الف لام'' کے مدخول کی جمع سے صفت واقعہ کی جائے تو درست ہو، اس کی مثال ''اوالطفل الذین لم یظھروا'' یہاں ''الطفل'' کو موصوف قرار دے کر ''الذین'' کو اُس کی صفت قرار دیا گیا ہے۔

چوتھی شرط ''الف لام'' کے مدخول کی طرف افعل التفضیل'' کو مضاف کرنا درست ہو جیسا کہ ''افضل القوم'' ''خیر الخلق''

اب یہ چاروں قاعدے ''الاتقی'' پر استعمال کریں گے تو حقیقت، انشاءاللہ کھل جائے گی۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ہی اس ''الف لام'' کے عہدی ہونے کی مدعی ہیں جس کا مدخول ہمیشہ افراد واحد ہوتا ہے اور خود ترجمہ جو جلالین شریف میں کیا ہے وہ ''الف لام'' عہدی کا نہیں کیا بلکہ ''الف لام'' استغراقی کا ترجمہ کیا ہے: والایۃ تَشمل مَنْ فَعَلَ مثل فعلہٖ رضی اللہ عنہ فیبعدعن النار ویثابُ (جلالین شریف 276/4) ترجمہ: یہ

آیت ہر اُس آدمی کو گھیرتی جو اُن کا سا فعل کرے (رضی اللہ عنہ) پس اس کو آگ سے دور رکھا جائے اور اُسے ثواب دیا جائے گا۔

اب جلالین شریف کی پیش کردہ عبارت کے تحت ہم ''الف لام'' استغراقی کی مثال بذریعہ ''کُل'' کی اضافت کے پیش کرتے ہیں۔ ''سیجنبھا الاتقی'' اس جگہ ہم ''اَل'' کو ہٹا کر ''کل'' لگاتے ہیں سیجنبھا کل اتقی معنیٰ وہی بن جائیں گے جو صاحب جلالین نے خود کیئے ہیں۔ یعنی اس آیت سے خود جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بھی مراد نہیں بلکہ ہر وہ آدمی بھی مراد ہے جو اُن کے سے کام کرے گا، جیسا جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نار جہنم سے بچایا جائے گا اسی طرح ہر اس آدمی کو بچایا جائے گا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح کرے گا۔ اس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں جس کا حاصل یہ ہوگا اس آیت سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضلیت ثابت ہوگی، نہ کہ افضلیت۔ افضلیت اس وقت ثابت ہوتی جب ان میں یہ وصفِ کمال پایا جاتا اور کسی دوسرے میں نہ پایا جاتا مگر جب دوسرے لوگ بھی اس میں شریک ہیں تو پھر یہ فضلیت ہی کہلائے گی افضلیت نہیں کہلائے گی۔

اب اس میں استثناء کا قاعدہ جاری کریں گے یعنی جب اس کا معنیٰ عام کا ہوگیا تو پھر استثناء بھی درست ہوگیا: سیجنبھا الاتقی الاالذین ارتدوا ۔یعنی اس نار جہنم سے ہر متقی کو بچایا جائے گا سوائے ان کے جو مرتد ہو گئے۔

اب اس میں تیسرا قاعدہ جاری کرتے ہیں یعنی کسی جملے کو اس کی صفت واقع کرنا درست ہو۔ جب جلالین شریف کی عبارت کے ذریعے سے اُس کے معنیٰ عام کر دیئے گئے تو جمع کو اس کی صفت واقع کرنا قابل اعتراض نہ رہا۔ سیجنبھا الاتقی

الذین استقاموا. یعنی اس نارِ جہنم سے جملہ اتقیاء کو بچایا جائے گا جو ثابت قدم رہے۔

چوتھا قاعدہ، اسم تفضیل کو اس کی طرف مضاف کرنا ہے اس میں بھی کوئی امر مانع نہیں رہا کیونکہ جب مدخول ''الف لام'' میں معنی کی عمومیت پائی گئی تو ''اسم تفضیل'' کی اضافت بھی، مدخول ''الف لام'' کی طرف جائز ہو گئی جیسا کہ خود جلالین شریف نے اسکے معنی کئے ہیں۔

جلالین شریف کا بار بار نام اس لئے جاتا ہے کہ علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ نے جو کہ جلال الدین سیوطی کے اُستاد ہیں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے بڑے پورے اعتماد اور دھماکے سے ''الاتقیٰ'' کے ''الف لام'' کو عہدی قرار دے کر اس آیت کو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت قرار دیا ہے تو ایسی حالت میں اُن کا اپنا ترجمہ اور اپنی تفسیر ان کے بیان کے خلاف پیش کرنا معنی کو زیادہ واضح کر دیتا ہے۔

اب اسی معنی کی عمومیت کی تائید میں ایک اور حوالہ ملاحظہ فرمائیے:

''ولسوف یرضیٰ من اتصف بهذه الصفات'' (تفسیر ابن کثیر 556/4 مصنفہ حافظ عماد الدین ابوالفداء اسمٰعیل بن کثیر متوفی 774ھ) ترجمہ: عنقریب وہ شخص راضی ہو گا جو ان صفات سے موصوف ہو گا۔

اور دو سطریں نیچے چل کر عماد الدین ابن کثیر کہتے ہیں ''فان لفظها لفظ العموم وهو قوله تعالیٰ سیجنبها الاتقی'' اس آیت کے الفاظ عموم کے الفاظ ہیں۔

عماد الدین ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ نے پہلے حوالے میں بتلایا کہ اِن آیات میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں بلکہ جو بھی شخص ان صفات سے موصوف ہو گا وہ اللہ تعالیٰ کی عطا پر خوش ہو جائے گا۔

دوسرے حوالے میں صاف طور پر بتلا دیا کہ اس آیت کے الفاظ میں عمومیت ہے کوئی وجہ تخصیص نہیں۔

علامہ نظام الدین نیشاپوری اسی مقام پر تحریر فرماتے ہیں: **تتناول الایة غیرھما من الاشقیاء والاتقیاء بالتبعیة اذلاعبرۃ بخصوص السبب** (تفسیر غرائب القرآن 512/6 مصنفہ علامہ نظام الدین حسن بن محمد بن حسین نیشاپوری متوفی 728ھ) ترجمہ: یہ آیت ان کے سوا دوسرے اشقیاء واتقیاء کو بھی گھیرتی ہے اور سبب کی خصوصیت کا کوئی اعتبار نہیں۔

جناب نظام الدین نیشاپوری نے واضح کر دیا کہ بیان سبب نزول کی تخصیص کا کوئی اعتبار نہیں، بلکہ الفاظ میں جو عمومیت معنی پائی جاتی ہے اس کا اعتبار ہوگا۔

حاصل یہ کہ اگر چہ یہ آیت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی مگر اس میں ان کی کوئی تخصیص نہیں ہوگی بلکہ ہر وہ مسلمان جو اِن صفات سے موصوف پایا جائے گا وہ اس جزاء کا مستحق قرار پائے گا۔ بنابریں علامہ جلال الدین محلی رحمۃ اللہ علیہ یا علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا یا کسی دوسرے شخص کا دعویٰ تخصیص بلا دلیل اور خلاف ضابطہ ہوگا۔

اسی طرح علامہ سمرقندی اپنی تفسیر ''بحر العلوم'' میں تحریر فرماتے ہیں۔ ''**سیجنبھا الاتقی** '' **یعنی یباعد عنھا الاتقی یعنی المتقی الذی یتقی الشرک**'' (تفسیر سمرقندی (بحر العلوم)485/3 مصنفہ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی 375ھ) ترجمہ: اُس (نارِ جہنم) سے بچا جائے گا (دور رکھا

جائے گا) جو اتقی بمعنی متقی ہوگا جو شرک سے بچے گا۔

یہاں ابواللیث سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ واضح کردیا کہ یہاں ''اتقی'' سے ''متقی'' مراد ہے یعنی صیغہ اسم تفضیل کا اسم فاعل کے معنی میں آیا ہے اسم تفضیل کے معنی میں نہیں آیا اور اس سے مراد ہر وہ شخص ہے جو شرک سے بچے گا، اسمیں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی تخصیص نہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ الاتقی ہیں اور ہر اتقی اکرم ہوتا ہے

بعض اہل علم حضرات ان دو آیتوں کو صغریٰ اور کبریٰ بنا کر نتیجہ منطقیہ نکالتے ہیں بایں طور کہ ''حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی ہیں اور قرآن نے کہا جو سب سے زیادہ متقی ہے افضل ہے''۔ وہ دونوں حوالے یہ ہیں ''سیجنبها الاتقی'' یہاں ابوبکر صدیقؓ کو الاتقی کہا (سب سے زیادہ متقی) دوسرے مقام پر فرمایا ''ان اکرمکم عنداللہ اتقکم'' (سب سے زیادہ عزت والا وہی ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے)۔ حاصل نتیجہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سب سے افضل ہیں۔

اب اس کی منطقی حیثیت پر گفتگو کریں گے۔ جب تک ''الاتقی'' جزئی حقیقی مشخص نہیں بن پائے گا اس وقت تک اس کا بطور صغریٰ کے استعمال نہیں ہوسکتا ہے۔ اب علمائے تفسیر نے مع جلال الدین سیوطیؒ و جلال الدین محلیؒ کے ''الاتقی'' صیغہ عموم قرار دیدیا تو پھر جزئی حقیقی مشخص کس طرح بنے گی کیونکہ جزئی حقیقی تو وہ ہوتی ہے جو اشتراک کو قبول نہ کرے۔ یہاں علمائے تفسیر نے بھی اور علمائے لغت نے بھی اس کو کلی قرار دیا ہے، صحت نتیجہ کا مدار تو صحتِ مقدمات پر ہے جب

مقدمات صادق نہیں ہوں گے تو نتیجہ صادق نہیں ہوگا۔

نیز علمائے تفسیر کے بیان کے مطابق، آپ نے اس کو جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل شدہ مانا اور اس پر اجماع کا دعویٰ کر دیا اور جس بزرگ نے بھی اس آیت کا سبب نزول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو قرار دیا، اُس نے ''الاتقی'' کا معنیٰ ''تقی'' کیا، تو بقول آپ کے ''الاتقی'' کا معنیٰ ''تقی'' ہونا بھی اجماعی تسلیم کر لیا گیا کیونکہ علمائے تفسیر نے ''الاتقی'' کے معنیٰ ''تقی'' کرنے میں اختلاف نہیں کیا تو نتیجہ ''الاتقی'' بمعنیٰ ''تقی'' ہونے پر بھی اجماع ہو گیا۔ تو منطق کے قواعد میں ایک قاعدہ اصول عینیت بھی ہے (Law of Identity) یعنی جس چیز کو آپ نے ایک مرتبہ جو تسلیم کر لیا ہے، وہ چیز وہی رہے گی۔ اب اس قاعدہ کی بھی آپ نے خلاف ورزی کی ہے، آپ نے شان نزول میں اجماع کو مان لیا اور اسی اجماع میں ''الاتقی'' کا معنیٰ ''تقی'' بھی آپ نے اسی اجماع کا حصہ ہونے کی وجہ سے تسلیم کر لیا، کیونکہ جس کو آپ اجماع تسلیم کرتے ہیں اس کے دو حصے ہیں: ایک سبب نزول اور دوسرا ''الاتقی'' بمعنیٰ ''تقی''۔ سبب نزول کو تسلیم کرنا اور ''الاتقی'' بمعنیٰ ''تقی'' کو قبول نہ کرنا اصول اجماع کے خلاف ہے۔

تو ایک مرتبہ اس کو ''الاتقی'' بمعنیٰ ''تقی'' تسلیم کرنا اور دوسری مرتبہ پھر ''الاتقی'' کو بصیغہ اسم تفضیل تسلیم کر لینا اصولِ عینیت (Law of Identity) کے خلاف ہے اس سے ''مغالطہءِ مبہم حدِ اوسط'' لازم آتا ہے جس کی وجہ سے یہ شکل عقیم ٹھہرے گی یعنی کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔

آپ نے منطق سے استدلال کرتے ہوئے جس کو محل استدلال ٹھہرایا ہے وہ دوقضیے ہیں: ایک حضرت ''ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ'' ''الاتقیٰ'' اور دوسرا ''اِن اکرمکم عندالله اتقکم'' ۔ ان دونوں مقامات سے نتیجہ اخذ کرنے کے لئے کتب منطق میں جو شرائط ہیں وہ یہ ہیں کہ یہ شکل اول ہے جس کو کتب عربیہ ''براباِا'' کہیں گی جس کے لئے ایجاب صغریٰ اور کلیت کبریٰ شرط ہے۔ یہاں ''الاتقیٰ'' میں صورت منطقیہ میں ایجاب صغریٰ تو ہے مگر ''اِنَّ اکرمکم عند الله اتقکم'' میں کلیت کبریٰ کہاں؟

جس وقت سُوْرِ قضیہ کُلَّ یا کل کے مترادف مذکور نہ ہو یا مطلقاً سور قضیہ مذکور نہ ہو تو مناطقہ کے نزدیک قضیہ مہملہ ہوتا ہے اور قضیہ مہملہ مناطقہ کے نزدیک بعضیہ ہوتا ہے۔تو اس جگہ قضیہ بعضیہ ہو کر مفید نتیجہ نہیں ہوگا، حاصل یہ کہ اس سے جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت نہیں کی جا سکے گی۔

اس قیاس کی شکل اول کی تعریف جدید منطق نے یوں کی ہے:

The first mood of the first syllogistic figure in which both premises and the conclusion are universal affirmative. ترجمہ: قیاس کی شکل اول میں دونوں مقدمات بھی کلیات ہوتے ہیں اور نتیجہ بھی اور یہ سارے مثبت ہوتے ہیں۔(اگرچہ منطق قدیم میں صرف ایجاب صغریٰ چاہیے ہوتا ہے اور کلیت کبریٰ بھی)

ایک اور استدلال کا جواب

ایک طبقہ اہل علم نے کہا ہے کہ گو کہ یہ آیات جملہ اتقیاء کے بارے میں

نازل ہوئی ہیں مگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے دخول اولی ہونے کی وجہ سے ان کے حق میں حصر ثابت ہوگیا ہے۔

جواباً عرض ہے کہ ''حصر'' یا ''قصر'' یہ بلاغیوں اور نحویوں کی اصطلاح کا لفظ ہے اس لئے ضروری ہوگا کہ اس طرح کی قصر یا حصر کتب بلاغت یا کتب نحو میں دکھائی جائے مگر اس طرح کی قصر یا حصر ان دونوں علوم کی کتب میں نہیں دکھائی جاسکیں گی۔ ہاں اگر اصول تفسیر کا قاعدہ بتا کر اس کا حصر ثابت کیا جائے اور اس کا نام دخول اوّلی رکھا جائے تو اس میں دوسری آیت کا شانِ نزول مانع استدلال ہوگا، کیونکہ ''ان اکرمکم عند اللہ اتقکم'' حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے اور اس قاعدے (دخول اوّلی) کی روشنی میں حضرت بلال حبشی رضی اللہ عنہ سب سے زیادہ متقی ہو کر سب سے زیادہ فضلیت والے ثابت ہوجائیں گے۔

کیا عموم لفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا؟

بیداَن العلماء اختلفوا فی حکمه اعموم اللفظ هو المعتبر ام خصوص السبب؟ فذهب الجمهور الی اَنَّ الحکم یتناول کل افراد اللفظ سواء منها افراد السبب و غیر افراد السبب (مناہل العرفان فی علوم القرآن 118/1)

ترجمہ: باوجود اس بات کے کہ علمائے کرام نے (آیت یا حدیث کے حکم) میں اختلاف کیا ہے کہ آیا عموم اللفظ کا اعتبار ہوگا یا خصوص سبب کا؟ جمہور علماء کا یہ مذہب ہے کہ حکم اُن جملہ افراد پر ہوگا جو لفظ کے مفہوم میں آئیں گے خواہ وہ سبب کے افراد میں سے ہوں یا سبب کے افراد سے خارج ہوں۔

اس مسئلہ میں تقریباً سارے اسباب نزول آ جائیں گے اور یہ مسئلہ عموم لفظ کا اس وقت لاگو ہوگا جب کہ کوئی قرینہ موجود نہ ہوا گر کوئی قرینہ موجود ہو تو باجماع علماء کرام عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا۔ جیسا کہ لفظ اہل البیت عام ہے جملہ اہل بیت کے بارے میں، مگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پانچ شخصیات پر سمیت اپنے، نزول سے پہلے بھی چادر ڈالی اور فرمایا: "اللھم ھؤلاءِ اھل بیتی وھامّتِی وخاصّتِی اذھب عنھم الرجس وطھّرھم تطھیراً" (صواعق محرقہ صفحہ 141 مصنفہ امام ابن حجر مکی) ترجمہ: یا اللہ یہی میرے گھر والے ہیں اور خصوصی ہیں اِن سے نجاست کو دور رکھ اور انہیں پاک کر جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔

اسی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نزول آیت کے بعد اِن نفوس قدسیہ پر چادر ڈال کر فرمایا ہے: اللھم ان ھؤلاءِ آل محمد فاجعل صلواتک وبرکاتک علی آل محمد انک حمید مجید. (صواعق محرقہ 142 مصنفہ ابن حجر مکی) ترجمہ: یا اللہ یہی لوگ آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں تو اپنی رحمتیں اور برکتیں آل محمد پر نازل فرما۔ تو بہت تعریف کیا ہوا اور بڑی شان والا ہے۔

چونکہ آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی اور نزول آیت کے بعد بھی آل محمد و اہل بیت کی تخصیص فرمائی اس لئے یہاں عموم لفظ کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ خصوص سبب کا اعتبار ہوگا۔ خصوصاً دونوں حدیثوں میں اسمائے اشارات کو مسند الیہ ٹھہرایا اس سے بھی خصوصیت حاصل ہو جاتی ہے۔ قاعدہ پیش خدمت ہے:

یُؤتیٰ بالمسندالیہ اسمَ اشارۃٍ لدواعٍ یلاحظھا البلغاء

منهاتمییزالمسندالیه اکمل تمییزلاقتضاءِ الحال ذالک کان یکون المقام مقام مدحٍ اوان یکون المسندالیه مختصًّابحکمٍ بدیع :(المنہاج الواضح 38/2) مسندالیہ کواسم اشارہ لایا جاتا ہے کئی ایک وجوہات کے پیش نظر جن کو بلیغ لوگ مدنظر رکھتے ہیں۔ان میں سے (۱) مسندالیہ کومکمل طور پر ممتاز کرنا ہوتا ہے کیونکہ حال اس بات کا تقاضا کرتا ہے جیسا کہ مقام، مقام مدح ہو۔

(۲) یا مسندالیہ کسی انوکھے حکم سے مختص ہو۔

چونکہ یہاں اہل بیت (آل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا حکم تطہیر سے مختص ہونا تھا لہٰذادونوں جگہ ھٰــؤ لاء، ھٰــؤ لاء لایا گیا ہے تا کہ آل محمد کی حکم تطہیر سے خصوصیت ثابت ہوایسے حالات میں جب قرینہ،عموم لفظ کے افراد مراد لینے سے،صارفہ واقعہ ہوا ہوتو عموم لفظ کی بجائے خصوص سبب مراد لینا اجماع علما سے واجب ہو جائے گا۔

مذہب جمہور علماء میں قرینہ صارفہ کے بغیر عموم لفظ کا اعتبار ہوگا اس جگہ ہم جمہور علماءِ کرام کے مذہب کو ثابت کرنے کے لئے چند ایک قیاس اقترانی اور قیاس استثنائی کی مثالیں پیش کرتے ہیں: اللفظ العام الواردعلی سبب خاص هوالحجة وحده عندالشارع وكل ماكان كذالک یعتبر عمومه.فاللفظ العام الواردعلی سبب خاص یعتبر عمومه وهوالمطلوب:. جولفظ عام کسی خاص سبب پر وارد ہووہی اکیلا ہی شارع کے نزدیک دلیل ہوتا ہے اور ہروہ لفظ جو ایسا ہو اس کا عموم معتبر ہوتا ہے۔اور یہی مطلوب ہے سورۃ اللیل حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور امیر بن خلف یا ابوجہل کے خاص سبب

سے نازل ہوئی ہے مگراس کے الفاظ عام ہیں لہٰذا یہ صرف جناب ابوبکر صدیقؓ اور امیہ بن خلف کے سبب ان دونوں کے حق میں خاص نہیں ہوگی بلکہ جو بھی ان دونوں کی صفات کا حاصل ہوگا یہ سورۃ دونوں کی صفات سے موصوف پر مشتمل ہوگی اس میں عموم لفظ کا اعتبار ہوگا خصوص سبب کا اعتبار نہیں ہوگا۔

اب اسی کا قیاس استثنائی بنائیں گے: لولم یکن اللفظ العام الوارد علی سبب خاص معتبراً عمومہ لماکان لفظ الشارع وحدہ ھُو الحجۃ، لکن التالِی باطل فبطل ماادّیٰ الیہ وھو المقدم و ثبت نقیضہ وھو اللفظ العام الوارد علی سبب خاص یعتبر عمومہ وھذا ھو المطلوب. ترجمہ: اگر کسی سبب خاص پر وارد ہونے والے لفظ کا عموم معتبر نہ ہوتو صرف شارع علیہ السلام کا لفظ ہی حجت شرعیہ نہ ہوتا، لیکن تالی باطل ہے تو جس کا وہ باعث بنا ہے وہ بھی باطل ہے اور وہ مقدم ہے اور اس کا نقیض لفظ عام ہے جو کسی خاص سبب پر وارد ہوا ہے جس کا عموم معتبر ہوگا اور یہی ہمارا مقصود ہے۔

اس کی مزید تشریح کی ضرورت نہیں کیونکہ یہ منطقی استدلال ہے اس کو منطقی علماء پرکھتے رہیں گے۔

ایک ضروری نوٹ

علامہ بدرالدین زرکشی متوفی 794ھ اپنی کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' 3/1-22 پر حیز تحریر میں لاتے ہیں فان محل السبب لایجوز اخراجہ بالاجتھاد والاجماع: ترجمہ: محل سبب کو اجتہاد اور اجماع کے ذریعے سے بھی (مفہوم آیت سے) خارج نہیں کیا جاسکتا۔

جیسا کہ ''الاتقی'' کا سبب نزول یا حضرت ابوبکر صدیقؓ ہیں یا ابن ابی الدحداحؓ ہیں۔اب ''اُلاتقی'' کے مصداق سے اجتہاد یا اجماع کے ذریعے سے ان لوگوں کو خارج نہیں کیا جاسکتا، اسی طریقے سے حضرت بلال حبشیؓ کو جو کہ ''اِنَّ اکرمکم عنداللہ اتقکم'' کی آیت کا شانِ نزول ہیں اور اس کا پہلا مصداق ہیں اس آیت کے مصداق اور مفہوم سے انہیں بھی خارج نہیں کیا جاسکتا کوئی اجتہاد سے یا اجماع اُمت کے ذریعے سے بھی انہیں خارج نہیں کرسکتا (ابوبکر باقلانی متوفی 403ھ نے اپنی کتاب ''الارشادو التقریب ''میں بھی اس طرح لکھا ہے) جس کا حاصل معنی یہ ہوگا کہ سب سے پہلا ''اتقی'' اور سب سے پہلا ''اکرم'' اُمتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) میں حضرت بلال حبشیؓ ہوں گے۔لہٰذا یہ کہنا ''کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ اس آیت کی رو سے سب سے پہلے ''اتقی'' اور سب سے افضل ہوں گے'' اصول تفسیر کی رو سے کسی طرح بھی صحیح نہیں ہوگا۔

جناب امام سمرقندی حنفی کی تفسیر بحرالعلوم کو ''الاتقی'' کی تفسیر میں بڑے فخر سے جناب ابوبکر صدیقؓ کی افضلیت کے لئے، دورِ حاضر کے دانشوروں، نے پیش کیا، مگر انہوں نے اس ذمہ داری کو پتہ نہیں کیوں قبول نہیں کیا کہ جب کوئی شخص کسی ذمہ دار بزرگ کا حوالہ پیش کرتا ہے تو اس پر یہ بھی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ شخص اس بزرگ کے حوالے کے بقیہ اجزاء بھی مطالعہ کرے اور اُن کی صحت کی ذمہ داری بھی قبول کرے۔

کتنے افسوس کی بات ہے کہ علامہ ابواللیث نصر بن محمد بن ابراہیم سمرقندی متوفی 375ھ نے تو اس آیت کو جناب ابوبکر صدیقؓ کی فضلیت کے لئے پیش کیا ہے اور

دورِ حاضر کے مصنفین نے اس کو افضلیت کے لئے استعمال کرلیا ہے۔ افضلیت تو اس وصفِ کمال کا نام ہے جس میں کوئی دوسرا شریک نہ ہو۔ خواہ عمدگی میں مقدار میں یا انفرادیت میں، بقول امام سمرقندی کے اس وصف میں تو پوری اُمت شریک ہے "**سیجنبھا الاتقی**" **یعنی یباعد عنھا الاتقی یعنی المتقی الذی یتقی الشرک.**: تفسیر سمرقندی صفحہ 485 ترجمہ: اس سے دور رکھا جائے گا "الاتقی" کو یعنی دور رکھا جائے گا اس سے "الاتقی" کو یعنی اس متقی کو جو شرک سے بچے۔

سب سے پہلے تو آپ اس ذمہ داری کو قبول کریں کہ آپ کے پیش کردہ حوالے میں "الاتقی" کو اسم تفضیل کے معنی میں استعمال نہیں کیا گیا جو کہ آپ کا بنیادی محل استدلال ہے اگر وہ اسم تفضیل کے معنی نہ دے تو وہ صرف فضیلت کے معنی دے گا نہ کہ افضلیت کے۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب تک آپ عدم اشتراک ثابت نہ کرسکیں افضلیت ثابت نہیں کرسکتے۔ یہاں تو امام سمرقندی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ وصف ساری اُمت کے لئے ثابت کیا ہے، نہ صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے لئے۔ جب تک آپ عدم اشتراک ثابت نہ کرسکیں آپ کا جزئی حقیقی کا خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔

امام سمرقندی نے تو آپ کے ذوق کے قطعاً خلاف، اس جگہ سبب نزول کی تخصیص مان کر حکم کو مختص نہیں کیا بلکہ عموم لفظ کا اعتبار کرکے حکم کو عام قرار دے دیا۔ بتایئے اس حوالے سے کون سا مقصد پورا ہوا ہے؟

اس آیت سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت بسروچشم مسلم ہے مگر افضلیت کے لئے کوئی دوسری آیت آپ کو تلاش کرنا پڑے گی۔

جلالین شریف (276/4) **الایة تشمل من فعل مثل فعله فلیبعد عن النار ویثاب.** ترجمہ: یہ آیت اس آدمی کے لئے بھی عام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرح عمل کرے گا تو اُسے آگ سے دور رکھا جائے گا اور ثواب دیا جائے گا۔ اس کی تشریح گزر چکی ہے صرف یہاں اس طرف آپ کی توجہ منعطف کرنا تھی کہ اس آیت مبارکہ میں جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے بلکہ یہ ہر اس شخص کے لئے عام ہے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی کرے گا۔

آپ نے شہاب الدین خفاجیؒ کے حاشیہ علی البیضاوی کے حوالہ جات بڑے فخر سے پیش کئے ہیں۔ اے کاش آپ اُن کے مضامین کو بالاستیعاب پڑھ لیتے، خفاجی صفحہ 369/8 تحریر فرماتے ہیں: **خصوص السبب لاینافی عموم الحکم.** سبب کا خاص ہونا عموم حکم کو مانع نہیں ہے۔ اس جگہ شہاب الدین خفاجی افضلیت ثابت کرنے سے عاجز آ گئے کیونکہ جب حکم عام ہو گیا اور خصوصیت باقی نہ رہی تو افضلیت کس طرح ثابت ہوگی۔

''تنویر المقیاس من تفسیر ابن عباس'' سے حوالہ جات پیش کئے گئے کہ ''الاتقی'' سے مراد جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں اس میں کوئی شک نہیں اس سے مراد آپ ہی ہیں مگر دیکھنا یہ ہے کہ ''الاتقی'' کے اس جگہ مفسرین نے کیا معنی لئے ہیں جناب ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خطبات جو بعد میں آ رہے ہیں اُن میں آپ نے وضاحت فرمائی ہے اور جناب علی مرتضی رضی اللہ عنہ کو ساری اُمت مسلمہ میں سب سے افضل بنایا ہے۔ جہاں آپ نے تفسیر ابن عباس کا حوالہ پیش فرمایا ہے وہاں آپ کو ابن عباس رضی اللہ عنہ کا مذہب بھی قبول کرنا پڑے گا۔

امام رازی کے حوالہ جات سے تائید حاصل ہوئی ہے یا تردید؟

حضرت امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی چند عبارات پیش کی گئی ہیں اور اُن سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت پر استدلال کیا گیا ہے وہ عبارات مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) **واجمعت الامة علی ان الافضل اما ابوبکر و علی فاذا بینا انه لیس المراد علیًّا تعنیت الایة لابی بکر.** اس پر اُمت نے اجماع کیا کہ پوری اُمت سے یا ابوبکر رضی اللہ عنہ افضل ہیں یا علی رضی اللہ عنہ جب ہم نے بتادیا کہ مراد علی نہیں ہیں تو آیت ابوبکر کے حق میں متعین ہوگئی (تفسیر کبیر صفحہ 187/23)

(۲) **اجمعت الامة علی ان افضل الخلق بعد رسول الله** صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم **اما ابوبکر و اما علی.** (تفسیر کبیر 19/28) ترجمہ: اُمت نے اس پر اجماع کیا کہ حضرت رسول کریم (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے بعد ساری مخلوق سے افضل یا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یا علی رضی اللہ عنہ۔

(۳) **فنقول لابد وان یکون المراد به ابابکر لان الامة مجمعة علی ان افضل الخلق بعد رسول الله اما ابوبکر** رضی اللہ عنہ **او علی** رضی اللہ عنہ. ترجمہ: ہم کہتے ہیں کہ اس سے کوئی چارہ نہیں اس سے مراد ابوبکر ہوں کیونکہ اُمت نے اس پر اجماع کیا ہے کہ ساری مخلوق سے افضل یا ابوبکر ہیں یا علی۔ (تفسیر کبیر 204/31)

تفسیر کبیر مصنفہ امام رازی کی ان تین جلدوں میں جو ذکر آیا ہے کہ اس پر اجماع اُمت ہے کہ افضل الخلق رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے بعد یا ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں یا علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعد میں امام رازی نے جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت ثابت کی۔ ہم اس کو صحابہ و تابعین آئمہ اہل بیت و علمائے عقائد کی روشنی میں تحقیق کریں گے۔ مگر

سردست جو عصر رواں کے مصنفین نے پوری قوت کے ساتھ تفسیر کبیر کے حوالہ جات بیان کئے ہیں ان پر تبصرہ کرنا چاہیں گے۔ جب مصنفین دورِ حاضران حوالہ جات کو اپنی تائید کے لئے پیش کررہے ہیں تو انہوں حوالہ جات کو صحیح تو تسلیم کرلیا ہے۔

اِب حوالہ جات پر تبصرہ کرتے ہیں:۔ جب اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے فتاوی رضویہ 582/5 پر لکھتے ہیں کہ اجماع کے خلاف اخبار واحدہ کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ قطع نظر اس بات کے کہ جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ جناب علی رضی اللہ عنہ سے افضل ہیں یا نہیں مگر یہ تو اجماع اُمت سے طے ہو گیا کہ یہ دونوں پوری اُمت سے افضل ہیں اب بخاری کی وہ حدیث جو جناب عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: **کنا نخیر بین الناس فی زمن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، فنخیر ابابکر ثم عمر بن الخطاب ثم عثمان بن عفان رضی اللہ عنہم۔** ترجمہ: ہم لوگ افضلیت بیان کیا کرتے تھے لوگوں کے درمیان، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں پس ہم ابو بکر رضی اللہ عنہ کو افضل کہا کرتے تھے پھر عمر رضی اللہ عنہ کو پھر عثمان رضی اللہ عنہ کو۔ مسترد ہو جائے گی۔

قواعد کے مطابق یہ حدیث قابل احتجاج نہ رہی کیونکہ یہ خبر واحد ہے۔ اور اجماع کے خلاف آئی ہے لہٰذا یہ مسترد کی جائے گی اور یہ عقیدہ بھی مسترد ہو جائے گا کہ خلفائے راشدین کی افضلیت بترتیب خلافت ہے کیونکہ ترتیب خلافت پر ترتیب مرتبہ یہ مذہب جمہور ہے۔ شاہ عبدالحق محدث دہلوی "تکمیل الایمان" 49 پر لکھتے ہیں:

فضلھم علی ترتیب الخلافۃ جمھور بر آن اند کہ مذکور شد.

امام فخر الدین رازی متوفی 606ھ کی تفسیر کبیر کی عبارات تین مقامات سے

پیش کی ہیں جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ یا جناب علی رضی اللہ عنہ باجماع اُمت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد جملہ مخلوقات سے افضل ہیں لہٰذا کسی تیسرے کا نام درمیان میں لینا اجماع اُمت کے خلاف ہے لہٰذا یہ جتنے حوالے خلفائے ثلاثہ کے جناب مرتضی رضی اللہ عنہ سے افضلیت کے بارے میں پیش کئے جاتے ہیں وہ غیر اصولی غیر آئینی ہوں گے کیونکہ وہ اخبار واحدہ یا جمہور اہلسنت کا عقیدہ ہیں مگر اس کے برعکس حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ وحضرت علی رضی اللہ عنہ کی افضلیت بر جملہ خلائق بعداز نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، اجماعی عقیدہ ہوگا۔ اب رہ جاتی ہے بات کہ ان دو میں سے ایک کی افضلیت، یہ اُمت کا اجماعی عقیدہ نہیں بلکہ امام رازی کا قول ہے جس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل بیت عظام اور ائمہ عقائد کی روشنی میں پرکھا جائے گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ اب جتنے بھی مباحث حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث مرویہ بخاری کے تحت چھیڑے جائیں گے وہ سارے کے سارے اسی قاعدے کے مطابق مسترد ہو جائیں گے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کی دوسری آیت

جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی افضلیت کے بارے میں جو دوسری آیت پیش کی جاتی ہے۔ وہ یہ ہے: وَلَا يَأْتَلِ أُولُوا الْفَضْلِ مِنكُمْ وَالسَّعَةِ أَن يُؤْتُوا أُولِي الْقُرْبَىٰ وَالْمَسَاكِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا (سورہ نور۔۲۲) ترجمہ: تم سے جو اہل فضل ہیں (دولت دنیا میں یا دین میں) اور تونگر ہیں اس بات کی قسم نہ کھائیں کہ وہ اقارب کی اور مساکین اور اللہ کے راستے میں ہجرت کرنے والوں کی امداد نہیں کریں گے۔ انہیں چاہئے کہ انہیں معاف کردیں اور درگزر کریں۔

یہ آیت مبارکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شان میں نازل ہوئی، اس کا شانِ نزول حسب ذیل ہے:۔ سیّدہ طیبہ طاہرہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو جب تہمت دی گئی تو تہمت دینے والوں میں مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ بھی شامل ہو گئے تھے جو کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خالہ زاد بہن کے صاحبزادے ہو کر جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رشتے کے بھانجے لگے، یہ بدری بھی تھے اس لئے بڑے عظیم صحابہ کرام میں سے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہی ان کی مالی مدد کرتے تھے اور اس طرح وہ پلے پوسے بھی تھے، جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جلال میں آ کر یہ قسم فرمالی کہ میں آئندہ اس کی مالی امداد نہیں کروں گا کیونکہ اُس نے میری پرورش کی ہتک کی ہے اور ناشکری کا مظاہرہ کیا ہے بنابریں وہ میری ہمدردیوں کا حقدار نہیں ہے۔

تبصرہ: شاہکار صحابیت کے قربان جاؤں، انہیں اولوالفضل کہا گیا، اُن کے اولوالفضل ہونے میں کیا شک ہے مگر اس سے فضیلت ثابت ہوتی ہے، افضلیت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ افضلیت تو اس وصفِ کمال کا نام ہے جس میں دوسرا شریک نہ ہو خواہ بوجہ انفرادیت کے یا بوجہ زیادت فضل کے۔ مگر اس میں تو صیغہ ہی جمع کا ہے جس میں انفرادیت کا مفہوم نہ مل پائے گا۔ ''اولوا'' ذو کی جمع ہے، اور آگے جتنے بھی صیغے مقابلے میں آرہے ہیں سارے کے سارے جمع ہی ہیں اور جمع کا تقابل جمع سے آجائے تو قاعدہ تقسیم عمل میں آئے گا جس کا مقصد یہ ہوگا کہ جتنے بھی اہل فضل و تونگر ہیں اپنے اپنے اقرباء سے ایسا سلوک نہ کریں۔ جب اس میں انفرادیت نہیں ہوگی تو افضلیت کس طرح ثابت ہوگی۔

نیز حکم وصف پر مرتب ہوا ہے لہٰذا وہ وصف علّتِ حکم قرار پائے گا اولوالفضل ہونا

علت حکم ہے بنابریں جو بھی اولوا الفضل میں سے ہوگا وہ اس امر کا مامور ہوگا اس میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خصوصیت نہیں، جب خصوصیت نہیں تو افضلیت نہیں، فضیلت بلاشبہ مسلمہ ہے، نہ ہی شانِ نزول میں کوئی شک ہے نہ ہی فضیلت میں کوئی شک ہے۔

مزید برآں ''اولوا الفضل'' میں جو لفظ ''فضل'' آیا ہوا ہے اس سے تفسیر جلالین نے (اولوا الفضل) ای اصحاب الغنی کہہ کر تفسیر کی، یعنی اس کا معنی صاحب فضیلت نہیں بلکہ صاحبِ دولت ہے۔ جس سے کوئی علمی یا روحانی برتری نہیں مراد لی جائے گی۔ بلکہ دولتِ دنیا مراد لی گئی ہے کیونکہ روحانی فضیلت کا موقعہ نہیں بلکہ دنیاوی ثروت براہ راست دخیل ہے کسی کی مالی مدد کرنے میں براہ راست مال کو دخل ہوتا ہے لہٰذا بذریعہ سیاق وسباق یہی معنی موزوں و برمحل ہیں۔ اگرچہ ''فضل'' کے معنی روحانی فضیلت بھی ہے اور مالی برتری بھی مگر قاعدہ یہ ہے کہ جب کوئی لفظ مشترک آ جائے تو ایک معنی متعین کرنے کے لئے قرینہ صارفہ چاہئے۔ یہاں ''فضل'' لفظ مشترک ہے جو کہ فضل روحانی یا فضل مالی کے معنی میں مشترک ہے مگر یہاں مسطح رضی اللہ عنہ بن اثاثہ پر مال خرچ کرنے کی بحث ہے لہٰذا یہ قرینہ صارفہ حالیہ اور مقالیہ کا کردار ادا کریگا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اس سے مالی برتری مراد ہوگی علمی اور روحانی فضیلت مراد نہیں ہوگی۔

بالکل جلالین کے مطابق، امام بغوی (ابو محمد الحسین بن مسعود الفراء الشافعی متوفی 516ھ) نے یہی معنی لکھا ہے۔ **ولا یاتل اولو الفضل منکم والسعة، یعنی اولوا الغنی والسعة یعنی ابابکر الصدیق** (معالم التنزیل صفحہ 284/3 ترجمہ: تم میں سے اہل فضل اور اہل قدرت کوئی قسم نہ کھائیں۔ یعنی دولتمند

ائیں (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ
مد کیا ہے۔ کیونکہ فضل کا ترجمہ فضل وشرافت بھی ہے
رفہ موجود ہو تو ایک معنی کا تعین کیا جائے گا۔ جیسا کہ
ت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من
ضل بمعنی الرزق تفسیر مدارک
ن 175/4) ترجمہ: رزق تلاش کرو۔
عالم التنزیل 315/4 پر لکھا ہے: وابتغوا من
ی، ترجمہ: اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق تلاش کرو
رضی اللہ عنہ نے جناب مسطح بن اثاثہ سے مال روکنے کی قسم کھائی
رینہ صارفہ ہے فضل بمعنی مال ہونے کے لئے۔
ت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے
لصلوٰۃ والسلام میں صاحب فضل وشرافت ہیں
ہے جو کہ فضیلت کے ذریعے ثابت نہیں ہو پائی گی
ئے ہیں وہ بصیغہ ہائے جمع بیان کئے گئے ہیں جس
ہے نہ نقلاً۔

ہے وہ تو خبر واحد یا حدیث ضعیف سے بھی ثابت
س کی چیز ہے خواہ فضائل اعمال میں سے ہوں یا
ت قابل احتجاج ہو سکتے ہیں مگر افضلیت تو باب
ہونا ضروری ہے۔

لوگ اور اصحاب وسعت قسم نہ کھائیں (یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ)۔ امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اولوا الفضل کا ترجمہ دولتمند کیا ہے۔ کیونکہ فضل کا ترجمہ فضل وشرافت بھی ہے اور دولت بھی ہے جب قرینہ صارفہ موجود ہو تو ایک معنی کا تعین کیا جائے گا۔ جیسا کہ سورۂ جمعہ میں ہے: فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (سورہ جمعہ۔۱۰) فضل بمعنی الرزق تفسیر مدارک 684/2 اطلبوا الرزق. (جلالین 175/4) ترجمہ: رزق تلاش کرو۔

اس جگہ امام بغوی نے معالم التنزیل 315/4 پر لکھا ہے: وابتغوا من فضل اللہ (10/62) یعنی الرزق، ترجمہ: اللہ کا فضل تلاش کرو یعنی رزق تلاش کرو

چونکہ جناب ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جناب مسطح بن اثاثہ سے مال روکنے کی قسم کھائی تھی اور مال روکنے کا عہد کرلیا تھا لہذا یہ قرینہ صارفہ ہے فضل بمعنی مال ہونے کے لئے۔

آیت مذکورہ یقیناً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور آپ اُمتِ محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں صاحب فضل وشرافت ہیں مگر مطلوب افضلیت ثابت کرنا ہے جو کہ فضیلت کے ذریعے ثابت نہیں ہو پائی گی کیونکہ یہاں جو فضائل بیان کئے گئے ہیں وہ بصیغہ ہائے جمع بیان کئے گئے ہیں جس سے فردِ واحد مراد لینا نہ عقلاً درست ہے نہ نقلاً۔

جہاں تک فضیلت کا تعلق ہے وہ تو خبر واحد یا حدیث ضعیف سے بھی ثابت ہو جائے گی کیونکہ فضیلت باب فضائل کی چیز ہے خواہ فضائل اعمال میں سے ہوں یا فضائل اشخاص۔ اس میں تو جملہ ظنیات قابل احتجاج ہو سکتے ہیں مگر افضلیت تو باب عقائد کی چیز ہے جس میں قطعیات کا ہونا ضروری ہے۔

﴿عظمتِ اہلبیت بزبانِ نبوت﴾

اول من اشفع لہ یوم القیمۃ من امتی اہل بیتی ثم الاقرب فالاقرب من قریش ثم الانصار ثم من امن بی واتبعنی من الیمن ثم من سائر العرب ثم الاعاجم ومن اشفع لہ اولا افضل، رواہ الطبرانی فی الکبیر والدارقطنی فی الافراد والمخلص فی الفوائد عن ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما.

﴿ترجمہ﴾

(روزِ قیامت میں سب سے پہلے اہل بیت کی شفاعت فرماؤں گا۔ پھر درجہ بدرجہ زیادہ نزدیک میں قریش تک۔ پھر انصار۔ پھر وہ اہل یمن جو کہ مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی، پھر باقی عرب، پھر اہل عجم۔ اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے، اس کو روایت کیا ہے طبرانی نے کبیر میں اور دارقطنی نے افراد میں اور مخلص نے فوائد میں ابن عمر رضی اللہ تعالٰی عنہما سے)

(فتاوٰی رضویہ ج ۲۳ ص ۲۳۲ حدیث نمبر 89)

Qadria Jilania Publications

Darul Uloom Qadria Jilania
Waltham Stow, London.